

پراسرار فطیر

ماہنامہ سنی و اسلامیات، اسلامی و سنی دنیا

حصہ اول

# پچی کہانیاں

ماہنامہ

OCTOBER  
2013

PDFBOOKSFREE.PK

اسٹوریس اسٹوریٹس

اس شمارے میں

☆ فضیلتِ مصلح علیہ السلام 20 عبادتِ مصلح

☆ حضرت علیؓ کی شان و کرامت

☆ ”مستحبہ“ قرآن کو حلال بنانے کے بارے میں

قدوس الہی شہید کی فضیلتِ بہانی

7  
آہ  
ناصر و رضا

9  
احوال  
میر وسام سزا

41  
واقف ہم نہیں تھے  
میر وسام شاہ

59  
آتش جنوں  
سلیم فاروقی

90  
نار اور تاری  
انور خان بھٹی

101  
نورانی چہ بزرگ  
ولایت حسین شادی

110  
سیرانی جن  
القبال رحمان

117  
روح کی تلاش  
عمر افرودوس

31  
بخت بگم  
ریحہ مصدق

57  
شہید کی ڈاڑھی  
میر وسام مرزا

79  
محبت کا بحر  
شیبا بیگم

96  
پلا یا نکلا  
ناشی چوہان

107  
جنوں کا چہ پارہ  
محبت حسین

114  
نور ہدایت  
اشعر چوہان

123  
ڈی اٹھاسی  
فرزاتہ اٹھا

135  
انوکھی سزا  
رسولان فہیم

146  
میری انتہائی سوکن  
سیدہ کرنلہ اسحاق

166  
وہ کہاں گئی  
سیدہ صابرہ حسن

182  
گروں رنگ جن  
حدیثہ مسعود

201  
وہ جو مرچا کھتا  
ارشد پسر

220  
یادوں کے اوراق  
رخسانہ مسلمہ زار

236  
مسکد ہے  
انارہ

139  
شیطان تو تھیں  
مدینہ فہیم

153  
آسیب زدہ مکان  
عمران خان

171  
جن آنکھوں میں  
فاطمہ بلکھانی

192  
قافلہ روح  
خلیل چیمار

209  
پاکستان کا مسافر  
مسعود چوہان

226  
تاثرات  
سنگھانی

243  
MINI MAG  
انارہ

000  
مترقات  
انارہ فاروقی



## آگ

کراچی کی ایک فیکٹری میں آگ لگی اور تقریباً تین سو انسان زندگی کی بازی ہار گئے۔ اس آگ میں بے شمار ماں باپ، بہن بھائی، بیٹوں، بیٹیوں، بیویوں اور بچوں کے ارمان اور مستقبل کے لیے دیکھے خواب جل کر ہسم ہو گئے۔ بہت دنوں، مہینوں اور سالوں سے ہمیں ایک آگ کا سامنا ہے۔ ہم نفرت، تعصب، فرقہ پرستی، ظلم، بربریت، دہشت گردی کی آگ میں جل رہے ہیں اور ہمیں یہاں زمین پر اپنی حکومت، ادارے اور خود ہم سمیت بچانے والا کوئی نہیں ہے اور ”وہ“ جو تمام جہانوں کا رب ہے اسے ناراض کرنے والے کام کر رہے ہیں اور ساتھ ہی یہ شکوہ بھی کہ وہ رحم کرنے میں دیر کر رہا ہے جبکہ سچی بات تو یہی ہے کہ وہ بڑا خور الرحیم اور کریم ہے اسی لیے تو ہم اپنی تمام خطاؤں، گناہوں اور اس کی حکم عدولی کے باوجود زندہ ہیں۔ ہم پر اور گناہ گار حکم عدولی کرنے والی قوموں کی طرح اس کا عذاب نہیں آیا ہے تو پھر ہمارے حق میں بہتر تو یہی ہے کہ ہم ”سنبھل“ جائیں، سدھر جائیں ورنہ دوسری صورت میں تو اس دنیا کی ”آگ“ سے بڑی بہت بڑی آگ ”اس“ دنیا میں بھی ہماری خطر ہے!!

ناصر رضا

# احوال

## منزلہ سہام مرزا قارئین کے درمیان

عزیز احوالیو! خوش رہیے! ابھی تک ان بہت مصروف گزرنے نہ پائی پہلی کتاب کی اشاعت اور تقریب اجرا حتیٰ جو اللہ کا شکر ہے بخیر و خوبی انجام پائی۔ تقریب بہت شاندار رہی حالانکہ شہر کراچی کے حالات اس دن بہت کھید و تھکراہ ہے میرے تمام مہمانوں پر جو وقت پر ہال میں موجود تھے۔ فکشن وقت پر شروع ہوا اور بہت وقت پر ختم ہوا سب بہت اچھا ہوا۔ سہ ماہی میں نے اپنے احوالوں کی کمی بہت محسوس کی۔ آئے اب پہلے خط کی طرف جلتے ہیں۔

مکاشہ خرمین سے رقم گرازا ہیں۔ "اسلام ٹیکم" محترمہ منزلہ سہام سید ہے کہ مزاج گرامی بخیر ہوں گے۔ خداوند عالم آپ اور آپ سے منگے تمام تر دشمنوں کو اپنی خاص لٹان میں رکھے۔ (آمین) ماہِ خیر کا شمار اپنی تمام تر خوبصورتیوں کے ہمراہ نظر آتا ہوا احوال میں تمام دوستوں کے خطوط اچھے تھے۔ عبدالمعز بی بی آ صاحب کا خط چڑھ کے مجھے بھی بھل گئی دوستوں کی دعاؤں کا بھی۔ کیا اچھا اور مغز و مسلط تھا ہے بنا مقبولیت کے باوجود اگر وہ مسلط ہو گیا ہے تو شاید کوئی خاص وجہ ہو۔ گزشتہ ہے کہ اس سلسلے کو بحال کیا جائے کیونکہ کھارہوں کے آپس کے میل جول کا گھٹا شب کاوی ایک سلسلہ تھا اور اس بات کا برملا اعتراف ہے کہ پہلے خطوط کھینے کی مضبوط قریب اپنے بھل گئی دوستوں کی تھا۔ سہ ماہی نے سلسلے بھی اچھے ہیں۔ ولی محمد صاحب خصوصی مبارک ہار کے منتقل ہیں! خاصا تحقیق طلب اور دشوار ترین کام ہے۔ ماہِ گزشتہ ۱۱ اعتبار یک کے تمام امور کام سے پہلے بھی واقفیت سے کمر ہاں تھریسٹیل سے ان کے بارے میں پڑھا تھا۔ آگئی کا ایک نو اچھی تحریر تھی۔ عبدالمعز بی بی کی تحریر شوق نہ پچھے ذات آکھوں کو کم رکھی۔ اس شمارے میں شامل زیادہ تر تقریریں مسافر ترقی مسائل سے جڑی ہوئی تھیں۔ سفر کہانی میں ارم زہرا کا سفر زیارات دل سے چڑھا۔ میرا اسلام ان پاک ستیوں پر جن کے در اقدس پر ارم زہرا کو حاضری کی سعادت نصیب ہوئی۔ میں جیسے جیسے چڑھتی چا رہی تھی آسنو درق درق کیا کرتے چلے گئے۔ خوش نصیب ہیں وہ لوگ جنہیں وہاں حاضری کی سعادت نصیب ہوئی ہے۔ وہ لکھ کر بلا ایک بار پھر دل و نگاہ میں زندہ ہو گیا ہے اور اپنی عروسی کا اس سال حیرت گہرا ہو گیا ہے۔ آسنو ہیں کہ رکھتے ہی گھٹیں۔ سفر زیارات کی روداد پڑھوں یا کہ دین کا سفر احوال دل کی یہی کیفیت ہوتی ہے۔ حیران امیر ان عراق شام میرے دل میں بستے ہیں لیکن کر بلا آکھوں میں۔ ایسا افضل عباس علیہ السلام! امیر اسلام آپ پر۔ ارم زہرا آپ سلامت رہیں آپ کے قلم سے نکلے حرف بہت جتنی ہیں۔ مولو اتقینات میں برکت و مہاجر مائے۔ یادوں کے اوراق کا مطالعہ بھی اداس کر گیا۔ خیال آرائی میں اس ماہ حناؤں کی خیالات تھے۔ پسند اپنی اپنی میں عرفان ستار کا شعر بہت اچھا لگا۔ وہ غزل کے بہت اچھے شاعر ہیں نا، کیا مہر شعر ہے۔

وہ ایک بی بی سی جس میں تم میری  
اس ایک بی بی سے زیادہ تو زندگی بھی نہیں

تمام کھینے والوں کو سلام تو عادی میں یاد رکھیے گا۔"

بھرا بھی سی مکاشہ۔۔۔ خوش رہو! سہام سید نے خط کا انتظار تھا۔ بار کوئی نئی بات کہ۔ احوال کو ہی رکھیں جتنا مجھے کوئی اعتراض نہیں ہاں مگر وہ ذوق و شہادت کے خط لکھنا جتنی تم اس بات کو سمجھو کی اور پھر ذاتی طور پر مجھے خط لکھ کر کے ایک دوسرے کے ہار سے شکر کا بیت کرنا، نازیبا التزام لگانا، کچھ مناسب بات تو نہیں ہے نا؟

1۔ عبدالعزیز جی آج پتھال سے لکھتے ہیں۔ "جی کہانیاں" میں عبدالعزیز کی صبح نادر سے باتوں میں پہنچا تو عید کی خوشی دہلا دیا ہوگی۔ آجی کو ایک سرورس پر ہم آپ کو اور تمام جملہ اشراف کو مبارکباد پیش کرتے ہیں۔ نادر بھائی کوڑے میں دریا بند کرنے کا پتھر جانتے ہیں۔ کیا خوبصورت ادارہ لکھا جیسے حقیقت کی انگریز میں چاکلیڈ جڑ دیا ہو۔ جی دلو احوال میں شامل کارکن نے اپنی اپنی سوچ اور خیال کے مطابق بہتر سے بہتر خط لکھنے کی کوشش کی۔ تمام خطوط دل کی آنکھ سے پڑے۔ شندورج میراب ہوئی۔ دلیہ محمود صاحب جس ملک میں مانس با کیڑہ خیالات ترقیت یافتہ ہوں اور انھیں علاقائی و ملیقہ والی ہوں وہاں کے انسان اختیار ایک جیسے کامل اور فرض شناس ہوتے ہیں۔ پلیئر ان گناہ Genua پر بھی غم اٹھا میں جو گدڑی میں مل چڑے ہیں۔ جی کہانیاں میں کہانوں کی ابتدا آپ کی کہانی سے ہوئی ہے۔ اچھا لکھتے ہو وہیل ڈان۔ مٹلی نزل میرا لہو دشت پر ہیں۔ کہانی کی طرف میں ان کا نام ہی کافی ہے۔ آجی کا کوڑہ بہت پندہ آئی۔ سون شاہ بھاری میری گزرا دانی انھوں کی تخلیق کاری خوب ہے لیکن انکا بھی کچھ ہے کوشش جاری رکھو شاہاش۔ عید کی ڈاکھری حضرت علیل جبران کا انسانی قوی اسلامی اتحاد شہید کی ڈاکھری مختصر مگر جامع چوٹی سی بات میں یہاں بہت بڑی بات بہت خوب بیچنا خان کان بالی نے بالکل مستحسن کیا کیا تبصرہ کروں اسیدہ محمد زہرہ رضوی نے کہانی شروع سے آخر تک بڑی محنت سے لکھی۔ خدا زادہ دھرم اور یادہ کرے۔ شہلا سراج ایمان کو تازہ کرنے والی کھڑا بدست رہی وہیل ڈان۔ مشتق چھچھو ذات نادر بھائی بہت منظور ہوں آپ نے مجھ مختصر واقعہ کو اس قابل سمجھا کہ وہ اپنی کسی داستان کو ان صفات پر پایا۔ آپ کی محنت میرے لیے تحفہ سلیمان سے بڑھ کر عید و عید و عید ہے۔ کہانی میں سونو نمبر 20 اس کتابت کی مٹلی بدست فرمایا۔ "کہانیاں خراشتو تو ہوا بھی ہی نہیں میری چھوٹی بہن ہے۔" لکھتو کی تک ٹپلی چڑھا جائے ٹھکڑے۔ قرۃ العین انصاری جی کہانیاں میں دوا بھی ایک خوبصورت سچی آموز کہانی کے ساتھ بہت اچھا لکھا۔ جی تاناؤ تو احوال کی مٹلی میں اپنے برائے ناصحوں کو پا کر خط کا پورا اندہ تمام دلتوں کی یادوں نے اٹھلکار کر دیا نہ جانے ٹھکڑی ریاضت آپ کو کھیلے آسان چمکتا ہوا ستارہ دتا ہے۔ پلیئر صاحب غیر حاضری نہ کرتا ہے ہر ملازم کی کہانی پڑھ کر وہ بھی ہو گیا دلو کا دکھ ہر صاحب ادارہ کے لیے ساٹھا ہوتا ہے۔ اندہ بھول کی عظمت فرماتے اور آپ سب اہل خانہ کو کھیر بھیل مٹا فرماتے۔ (آمین!) ضیف کر صاحب آپ میرے لہو دشت مائل ہیں۔ کہانی کی طرف سورج کو چراغ دکھانے کے حوالہ ہے۔ کوشش کیجئے قسط وار کہانوں کی بجائے ایک نفسی قریب لکھیں۔ مٹلی جہاز جن کے کپڑے وہیں پرانے ہوئے ہیں اور وہ سردوں کو بھی ملا دیتے ہیں۔ اندہ میں اچھی سوچ اور فکر مٹا فرماتے اور مصروف تنظیم پر چلنے کی توقع بھی۔ کہانی خوب ہے جیتے رہو۔ شہناز بیگم پر اسرار کہانی پڑھ کر ہم اسرار کرتے ہیں کہ جن بھوتوں کو انجی دنیا میں سکون سے رہتے ہو۔ اس چار روزہ حقیقی دھڑکی پر بگھ کھوکھو کا یاد ہے۔ ہم زہرا کی تاناؤ تو آپ ایک تاریخ رقم گھڑی ہیں۔ جی آپ کو رنگ کی دستچ آباویں میں اپنے وطن کی مٹلی کے لیے جو سفر ہیں اور رنگی ڈان کی پہاڑی کی دستچوں میں سماجوں کی تلاش میں سرگرداں۔ وقت کی قدر کرنے والے لوگ مجھے بہت پسند ہیں۔ ایہی ہم سے ہر کہانی آپ نے ہماری بھارتوں کی نذر کی ہر لکھ سے پند ہے وہ اعلیٰ ہے۔ جیتی رہو۔ اقبال زبان صاحب بزم و سزا اپنی کہانوں کا سلسلہ اچھا جاری ہے۔ گفہ عزت مآب رخصانہ سہام مرزا صاحب محبت حقیقت اور عظمتوں کے جذبوں میں گھم گئی ہوئی داستان حیات کی تیسری قسط بھی بہت پسند آئی۔ دوستوں اور رفیقوں کی جدلی سوانہ درج ہوئی ہے۔ مرزا صاحب کو بھڑکے ایک مدت ہوئی لیکن آپ کی کہانی کے نقطہ نظر سے حزن و ملال جھلکتا ہے۔ چونکہ قسط کا انتظار ہے۔ آپ کی ڈاکھری خیال آرہی تلخ نغزل اور آخر میں ہماری دھڑکنا سچی دکھا کر کائناتی تبصرہ سب کے لیے بہت بڑا نصرت اور غصوں اس لیے کہ خط دینی بہت طویل ہو گیا ہے۔ جاتے جاتے ایک پ سب کی نذر۔ دونوں کی زندگی سے اسے دایہ مسلوں پر لڑا ہو۔ "زہرا تو پھولوں کی طرح" ٹھکڑو خوشیو کی طرح۔ "تیک تھناؤں کے ساتھ جہازت نامہ نہ کرتا ہوں۔ ہر یاد کرنے والے کو میرا سلام آ"

ہو بھائی عزیز۔۔۔ اور دست کیجئے ہیں زہرا تو پھولوں کی طرح۔ ٹھکڑو خوشیو کی طرح زندگی دینی میں دونوں کی ہے۔ قرۃ العین انصاری صاحبان سے رقم طراز ہیں۔ "ابھی منورہ کی اسلام ٹیکم ابوریہ اسید ہے کہ آپ بالکل شہریت سے ہوں گی۔ اس بار کی عید ماشاء اللہ بہت ساری خوشیاں ملیں گی اور جی کہانیاں میں دینی کہانی دیکھ کر خوشیاں لہو کی ہو گئیں۔" لکھ



یادگار چھوڑ گئے تھے اس کو ان کی لائق اولاد نے بحسن و خوبی سنایا اور آگے بڑھایا۔ یہ چھ جملے میرے سچے جذبات کے  
 عکاس ہیں۔ اللہ کرے زور و زحم اور زیادہ۔ جس بھی لکھنے لکھانے کی طبع کا شکار ہوں یا جس کی کہانیاں اور ان خیاری کا کلم لکھتا  
 رہا ہوں لیکن کسی ڈائجسٹ میں شائع آؤمائی کی بھی صحت نہ ہوئی کہ سنے لکھنے والوں کو گھاس پی کب ڈالی جاتی ہے۔ میرا یہ  
 خوف بہت عرصہ بعد پر غالب رہا اور میں نے کئی کہانیاں میں بھی کوئی تحریر چھپنے کی کوئی کاوش نہ کی لیکن نہانے کیسے اس  
 بار صحت کر کے آپ کو غالب کرتے ہوئی خاصی کا کل توڑ ڈالا ہے۔ اب یہ سچے سچے کیا رہا سانس ملتا ہے اب آتے ہیں کئی  
 کہانیاں کے مستقل سلسلوں کی جانب۔ میری نغمہ اس در سال کی جان احوال کی فصل ہے جس میں مختلف چار تین اپنی  
 اپنی آرام کا چوری آزادی کے ساتھ اعلیٰ کرتے دکھائی دیتے ہیں اور یہ دیکھ کر تو دور بھی خوشی ملتی ہے کہ یہ فصل تہذیب و  
 تمدن کا شاہکار دکھائی دیتی ہے اور اس میں اخلاقی قدروں کی پوری طرح پاسداری کی جاتی ہے۔ ماشاء اللہ اور دیگر سلسلوں  
 میں ناقابل یقین کہانیاں مستند ہیں۔ پندرہ اپنی اپنی ذمہ دہائی تھیں اور کھائی کا سوہاں کہانی بھی بطور خاص قابل ذکر  
 ہیں۔ آج کل کئی کہانیاں میں چار سلسلہ اور کہانیاں شائع ہو رہی ہیں جو کہ میرے خیال میں نامناسب بات ہے۔ ہر  
 شمارے میں دو سلسلہ اور دو ناول اور دو اعلیٰ ناول شامل ہونے چاہئیں اور ہائی جڈ ٹائٹ آکسائوں اور دیگر سلسلوں کے لیے  
 ہونی چاہیے۔ ہوسٹیک کا سلسلہ بھی شروع ہوا تھا ہے۔ ذمہ دہائی کا سلسلہ نہایت شاندار ہے جس میں اہم شخصیات اور  
 کامیاب لوگوں کو شامل کیا جاتا ہے اس سلسلہ کو جاری رہنا چاہیے۔ میری خواہش ہے کہ ادارہ کو جاری کی طرف سے جو  
 کہانیاں موصول ہوتی ہیں ان کا نام اور۔ بلکہ شامت ضرور ختم کر دیا کریں تاکہ جاری کی کٹاؤ نہ ہو سکے کہ ان کی کہانی کب  
 شائع ہوتی اور قابل اشاعت ہے کئی یا نہیں؟ انسانی کہانوں کا سلسلہ بہت لا جواب ہے۔ یہ لکھاریوں کے لیے حوصلہ  
 افزائی کا باعث بنتا ہے۔ میری ایک تجویز یہ بھی ہے کہ جس بھی لکھاری کی تحریر رسالہ میں شائع ہو اسے اس ماہ کا شمارہ  
 اعزازی طور پر ارسال کیا جائے۔ ہر ماہ کم از کم ایک کہانی مزید طرزی ضرور شامل کی جائے تاکہ شمارہ سانس بخیر آئے۔  
 ہر ماہ کی لکھاری کا تحائف اور سوال و جواب کا سلسلہ بھی جاری کیا جائے جو پہلے کئی کہانیاں میں ہوا کرتا تھا۔ ایک سلسلہ  
 بیجا مسمیٰ سے شروع کیا جائے جس میں جاری مسمیٰ اور۔ سال چال چھ بیس اور آٹیس میں ایک بھی روشنی قائم  
 کر لیا میں جو اسی رسالے کی سلسلہ کی معرفت ہو۔ حاصل نہ ہو سکے تو ان سے ایک سلسلہ شروع کیا جائے جس میں  
 جاری مختلف کتابوں سے اپنی پند کے اقتباسات ارسال کریں۔ ان چند جدول کے ساتھ ہی اب آتے ہیں اس ماہ کے  
 شمارہ کی طرف ابھی مئی ایک اور سرور پاکستان (مستقلی) کی جڑ چاہوں۔ ابھی شمارہ زیر مطالعہ ہے۔ 12 تاریخ کو  
 شمارہ چلا ہے۔ (کیونکہ ہمارے شمار میں یکس آتا۔ بہار پور سے منگوانے میں دیر ہوئی۔) انہیں جانتا کہ خطا کس تاریخ تک  
 سمجھو اور ضروری ہوتا ہے اس لیے فوری طور پر تھیر و بھگوار ہوں۔ انشاء اللہ آئندہ ہمارے عمل تھیر و بھگوار کریں گا۔ جاری  
 لیکن ایک سوال ہے اور وہ یہ کہ کوئی تحریر اگر بھیجی جائے تو وہ کتنے عرصہ میں شائع ہو جاتی ہے؟ یہ سب کچھ کہ شروع میں اگر کہہ  
 ہوں کہ مجھے بھی لکھنے کا شوق ہے تو کیا آپ میری تحریروں کو اپنے شمارہ میں شائع کریں؟ ابھی تحریر جاری ناول سوائے میر  
 نہیں جلد ہی ارسال کروں گا۔ اگر آپ نے حوصلہ افزائی کی تو اذیت دینے یہ سلسلہ ضرور بالضرور جاری رکھوں گا۔ اب ہال  
 آپ کے کوٹ میں ہے۔ نہانے آپ میری تحریروں سے کیا سلوک کرتی ہیں؟ آپ کے ادارے کے اسٹاف اور قارئین  
 کو سلام اور دعا۔

بھائی تاج محمد... ا عرض رہے؟ آپ کی قیاد ج پر ضرور غور کریں گے۔ کچھ تو پہلے ہی سے عمل ہو رہا ہے۔ کہانی  
 ضرور لکھیں اب یہ آپ کے ناصر بھائی پر منحصر ہے کہ وہ کب آپ کو شمارے میں شائع دیں۔

12 مئی 1992ء کو تحریر کرتی ہیں۔ "جاری خیر و باہمی اسلام تنظیم" بہت عرصے بعد احوال میں حاضر ہو رہی  
 ہوں۔ امید ہے سب خیریت ہوگی۔ دو خواتین کی زندگی کے حالات بدستور موصول ہو رہے ہیں۔ بھین کی بہت زیادتی  
 باتوں کو یادوں کی صورت میں جان کر اپنا بھین یاد آ جاتا ہے جو کہ خواتین کی بھین کی طرح تو زخمی کرنا آج کے دور کے  
 حساب سے بہت اچھا تھا۔ رسول اگر کھینکے کا رشاؤ پاک ہے۔ "میرا نے دلا اور دھانے والے دور کے مقابلے میں دتر  
 ہو گا۔" ہمارے بچوں کا دور ہمارے مقابلے میں ہمارا اور ہمارے والدین کے مقابلے میں دتر ہے۔ شہید کی لڑائی جڑ حاکم

# گانج کی عورت



منزہ سہام مرزا تقریب کے سلسلہ میں ڈاکٹر عابدی کی کتاب پیش کرتے ہوئے تقریب کے مہمان خصوصی مسعود عابدی اور سردار رحیل زمان کو مبارکبادی ٹیڑوا رہا ماسم ڈاکٹر عابدی ساتھ موجود ہیں

گزشتہ دنوں پریل کانفی پنشنل کے کانفرنس ہال میں باقاعدہ پرل چلی کنشنز کی مدد سے اعلیٰ  
منزہ سہام مرزا کے پہلے افسانوی مجموعے کی نہایت شاندار تقریب اجرا منعقد ہوئی، جس کی  
صدارت محترم ڈاکٹر مرزا احتیاری بیگ (دوقتی مشیر برائے ٹیکہ نائل حکومت پاکستان) نے  
کی۔ اس تقریب کے مہمان خصوصی محترم مسعود عابدی جنرل سیکریٹری A.P.N.S. تھے،  
جب کہ تقریب کی حفاظت کے فرائض وسعت اللہ صاحب نے انجام دیے۔ اس تقریب  
میں شہر کراچی کی معروف ادبی اور سماجی شخصیات نے شرکت کی۔ اس تقریب اجرا کی  
ڈسکپس تبصری رپورٹ ماہنامہ ”دو جہزہ“ کے شمارہ اکتوبر میں شامل ہوگی۔



منزہ سہام مسعود عابدی ڈاکٹر احتیاری بیگ اور عظیم بیگم کے ذریعے کیل ”منزہ سہام مرزا“ ان دکانوں کو نظر آ رہا ہیں



صاحب کتاب کامہانوں کے ساتھ ایک یادگار کتب



احساس ہوتا ہے یہی انفرادی مزاج میں آج بھی دہی چڑ ہے جو 1985ء میں تھا چاہے وہ گیارہویں سو یا پھر کارگل کا کاغذ۔  
 ہادی کا وہ دم انفرادی ہر سو پہ پہاڑی جان شکر کرتی رہی ہے مگر شاہی ان کی قربانوں کو عوام دل سے نکال کر بھول چکے ہیں  
 کیونکہ عوام میں نہ تو 1985ء چڑ ہے نہ 1987ء چڑ ہے۔ راجہ محمد اور ارم چہرا مسخوہ آئی کے بعد وہ راکٹر ہیں جن کی  
 کہانیاں آخر بار شاعر سے نظر آتی ہیں۔ اس میں کارکردگی پر تو انہیں ذلیل اور اذلانا چاہیے ایک اور ذرا بھی کہانوں پر  
 اور ایک مسلسل کہانوں پر کیونکہ وہ گورکھ کے پاس بہت پرانی معلومات کچ اور پھر مینے کے اندر کہانی لکھتا آسان بات نہیں۔ آپ کو  
 ایک کہانی سمجھ رہی ہوں پڑھ کر بتائیے گا کیسی ہے؟  
 بعد اہم مقامی انہمازی کی طرح خوبصورت ہے۔ احوال میں آتی رہا کر۔

اشفاق احمد بھائی! کراچی سے لکھتے ہیں۔ "بیاری منورہ ہو۔۔۔! آداب! امیں! یہی کہانیاں کا ایک ہانا احوال  
 ہوں " شاہی آپ کو یاد ہوں۔ کالی ٹول میں سے کے بعد احوال کی شکل میں حاضر خدمت ہوں۔ حیرت کا شمار عید کے ٹیک  
 ایک ہفتے بعد طائر ہوتی ہے نظر چڑی۔ محترم! آکھوں میں کہانی غرور دکھائی دیا۔ احوال میں آپ کو کہہ کر بہت خوشی ہو رہی  
 ہے مگر صبر جمالی اور ان کا چارہ ہوائے نہیں بھول۔ آپ سے بھی امید ہے کہ اسی غلوں سے نواز دیں گی۔ آپ بھی احوال کی  
 شکل خوب بھاری ہیں۔ اللہ آپ کو صحت و تندرستی عطا کرے۔ آپ کی کتاب کا بے مبری سے انتظار ہے۔ امید ہے کہ  
 اس جتنے سے جلد نوازیں گی۔ اب آتے ہیں شاعر کی طرف سب سے پہلے ناصر بھائی! کا اور یہ حقیقت چڑھا چو لکھا  
 بالکل ٹیک لکھا۔ یہ سب موجودہ دور کی عکاسی ہے۔ احوال کی شکل میں سب کو سلام بالخصوص شاعر سے پہلے ساتھی جن میں  
 حسین جو نیچو اشعر بھائی صنفی گل شاہ عبدالرزاق بھادر عبدالعزیز بی آفتار میں سب سے پہلے راجہ محمد صاحب کی  
 تحریر چڑھی۔ انہوں نے ذرا کڑا اختیار یکے کے سطر زندگی کا احوال خوب لکھا پھر سنی صنفی کی تحریر آئی کالہ نظر سے گزری  
 جس پر ہادی رائے تو یہی لکھا ہے کہ کڑھنے ٹیک لکھا کیا آروان کے ساتھ سطر زندگی دو بارہ چڑ کر۔ آپ کے قلم سے  
 تم صنفی کی کہانی کا اٹھا سلسلہ چڑھا بہت خوب لکھا آپ نے۔ جی صاحبہ صون شاہ بخاری اور نصیر مرزا کی تحریریں شاندار  
 ہیں۔ شہلا سراہ کی تحریر اللہ کے دوست بہت پسند آئی۔ بے شک اللہ اپنے ایک بندوں کے عمدے سے بھروسہ ضرور  
 دکھاتا ہے اور یہی ہم صاحب کو ذہب کی جانب راغب کرنے کا ذریعہ بنا۔ عبدالعزیز بی آئی کی تحریر چڑھ کر بہت دکھانا۔  
 انہوں نے پڑے خوبصورت انداز سے عالم سائنس کی بیسٹ چڑھنے والے دو پریموں کی کٹھنیں۔ قرآن مجید آئی ایک  
 اچھے موضوع پر یہی کہانی لے کر آئی۔ اس سے وہ لوگ استفادہ حاصل کر سکتے ہیں جو کہ شکل صرف انورہ پر کان دھر کے  
 اپنی زندگی چاؤ کر لیتے ہیں لیکن اس کے برعکس طاغی کی کہانی اور بے گناہی نے اس کے لیے کان کے فنی طور کو چاؤ دیا  
 اور اس مقامی شخص کو بھی اس کے لیے کی سزا دی۔ صنفی صاحب کی تحریر میں انہوں نے ڈاؤنیا جن کہانی بہت خوب لکھی۔ سر  
 طیل جہاں ایک نادان عورت کی سوہاں کہانی لے کر آئے جس نے شخص اپنی بے وفائی اور نااہلی کے سبب سب کو  
 دیا۔ منہ لیب شکی کی تحریر بھی ذرا درست رہی۔ پڑھادی اور اقبال زبان کی تحریریں چڑھی۔ انہوں نے جو واقعات تحریر کیے  
 یہ تو ہمارے ملک میں روز کا معمول ہیں جن کو مل کرنے والا کوئی نہیں ہے۔ دوشانہ آئی کا لکھا یادوں کے اور اسی بہت  
 ذرا درست جا رہا ہے۔ سلسلہ دار کہانوں میں حنیف عمر فاطمہ بگڑائی اور سلیم قادری کی تحریریں ذرا درست جا رہی  
 ہیں۔ شادانی صاحبہ ناخون کی اسراریت کب ختم ہوگی! مسخوہ آئی کا کہیں کے لیے سنی میک کا سلسلہ بہت خوب ہے۔ ایک  
 تحریر دو سال کی ہے۔ یہی سنی ضرور بتائیے گا۔ مجازت اس ذما کے ساتھ کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اور آپ کی ہم کو کچھ کامیابیوں  
 سے ہمکار کرے۔ آخر میں ناصر بھائی اور کا ش بھائی کو بہت بہت سلام۔"

بعد اشفاق بھائی! احوال میں وہی کم۔ آپ نے ہم سب کو یاد کرنا اور پھر محبت سے خط لکھا "شکر ہے۔ شاعر! چھانکا"  
 ہمیں یہ جان کر اچھا لگا۔ آج وہ بھی آتے رہے گا۔

اشفاق احمد! رضوان کوڑ لاہور سے تحریر کرتی ہیں۔ "بیاری منورہ! مسخوہ خوش رہو! حیرت کا یہی کہانیاں طائر ہوتی اچھا ہے۔  
 اشتیارات سے تیر قدموں سے گزرے۔ کالج کی عورت سے تصور میں ملاقات کی آپ کو مبارک باد دیتے ہوئے۔ ناصر

رضا کے ہمارے لئے دل و دماغ دونوں پر اثر کیا۔ احوال میں تہرہوں کے ساتھ ساتھیوں کی خیریت سے بھی آگاہی ہو جاتی ہے اور آپ کی خبر کے ذریعے سے بھی۔ دلچسپ و کشیدہ شخصیات سے جڑا سلسلہ بہتر ہے۔ سلسلے دار کہانوں کے لیے میری بھی ادھی رائے ہے جو بعد از حق بنی آئی ہے۔ منورہام کی شہید کی ڈائری اور دشنام بھائی کی یادوں کے اور اس پسندیدہ ہیں۔ قرۃ العین کی نسیب کی کہانی الجھا ہوا سا مجھ میں سناٹے کی جھنجھوٹ کے درگھوٹی نظر آئی۔ سون شاہ بخاری نے سونگی ماں کے غم کا تجزیہ تک سے کر دیا۔ جسم زہرہ اور جب بھجر پھانڈ کے کرم اور نواز نے کائنات جو سادہ حالات میں میرے گھونٹ پنے والی صورت نے دکھانے کا انجام پایا۔ مکمل جہاز کی انجام بھی ہونا تھا اہم موضوع پر بہترین سواہل کہانی تھی۔ اہم ذہر بہترین موضوعات پر تحقیقی واقعات ہم تک پہنچائی ہیں۔ بہت خوب اور زیادہ دلچسپ اور بہتر سلسلے سے اور آپ کا زبانت کا سفر کی خوب رہا۔ علیہ مرزا کی لوگ چنے سے شہساراج کی اللہ کے دوست "عبدالحق بنی آئی کی مشق نہ بچے ذات" غنہ لب علی کی اب جو صلیبیں رہا۔ ذہر بخاری "تھیں" یا کہیں کا قابل زبان "سلی غزل" سب نے نظر چاہا تھا۔ کھانچا بنی آئی سے جو وہ انہیں۔ چنانے مان ہائی لکھ کر "کاشا سر شہرہ کو بڑی خوبصورتی اور خوش اسطولی سے لکھ کر ہمارے ہیں۔ قرۃ العین کی صلیب کی تھیں۔ علی رضا مرزا کے والد کا دلی دیکھ ہوا اللہ "عبدالحق بنی" بھائی کو صحت سے نوازے اور اہم واصلی کے والد کے لیے دعا میں۔ اور ذہر پانچویں خانم فریدہ چلے فری "عبدالحق بنی" تحریریں حسیب زہرہ شیرہائی "نشا" جعفری کو کتابوں کی اشاعت میں سہارا تھا کہ کبھی کی مبارک ہو۔ ایڈیٹر بنی "آپ کو عمل صحت دے۔ سب ساتھیوں کے لیے دعا میں۔ بھائی ناصر رضا پانچواں بھائی "عبدالحق بنی" ناصر اور عبدالحق ناصر کاٹی آپ سب کو کونہ میں میری دلی دعاؤں کے ساتھ ساتھ مبارک اللہ سب کو خوش رکھے۔ (آمین) نوت۔ ناصر بھائی "نوت" یہ دے "نظر" کا لے اور میری غزل کا لے ہو "۳۰"

بھائی "نوت" یہ دے "نظر" کا لے اور میری غزل کا لے ہو "۳۰"

بھائی "نوت" یہ دے "نظر" کا لے اور میری غزل کا لے ہو "۳۰"

بھائی "نوت" یہ دے "نظر" کا لے اور میری غزل کا لے ہو "۳۰"

بھائی "نوت" یہ دے "نظر" کا لے اور میری غزل کا لے ہو "۳۰"

بھائی "نوت" یہ دے "نظر" کا لے اور میری غزل کا لے ہو "۳۰"



بہت سی بیماری منہ اور کھنکھار بہت نام پر راجہ راجہ کر دیا۔ تیسرا اچھا تھا لیکن چلانے کی توت سی نہیں آئی۔ امید ہے ہر ماہ پانڈی سے محفل میں شرکت کر دے گی۔

۱۱) محمد سلیم اختر راولپنڈی سے لکھتے ہیں: "سنہ ۱۳۵۷ھ میں حکیم امجد کے آپ خیریت میں تھے۔ میری ایک جاننے والی خاتون جو چنگی کہانیاں کی خاموش قاری ہیں، آپ جتنی اچھے لوگ ان ہی کے نام سے سال کر رہے ہیں۔ آپ سے درخواست ہے کہ کہانی ان ہی کے نام سے اور جلدی شائع کریں۔ ممنون ہوں گا۔ کہانی چنگی اور طویل ہے لٹے پر ۱۰۰۰ سے زائد صفحات ہیں۔ قلمبازانوں کو سلام اور دعا میں۔ چنگی خان کو بھی آداب"۔

۱۲) محمد سلیم بھائی (۱۳۵۷ھ) کے آپ کی خاموشی تو فونی۔ کہانی تو درمیان کر دیتے ہیں مگر ایک جملہ بھی احوال کے لیے نہیں لکھتے۔ یہ تو زیادتی ہے۔ آپ کی اور سال کر دے کہانی اچھے لوگ جلد چنگی کہانیاں کے صفحات پر ہوگی۔ اپنا بہت خیال رکھیے گا۔

۱۳) حسین جو بھڑنچر ہرقن شاہ سے قرعہ کرتی ہیں: "بیماری آئی سی (اسلام) حکیم امید ہے کہ آپ خیریت سے ہوں گی۔ ہم غلام دعا میں آپ کے نام۔ خوش رہیں آپ کو ہیں کہنے چاہوں کہ درمیان۔ (۱۳۵۷ھ) میں آپ کا عید تہنہ چنگی کہانیاں امید بعد وصول ہوا۔ خوش ہوئی۔ آئی ایک درخواست ہے کہ احوال میں جو لوگ ایک دوسرے کو مخاطب کرتے ہیں تو پلیز وہ لائسنسنگ کی ضرورت ہونے دیں۔ مبارکباد ہم دعا ہے بھائی! تو امتحان میں امتیازی فیروں سے پاس ہو گئے ہیں اور B.A میں بھی سیکشن پوزیشن حاصل کی ہے۔ خود ہی منہ چھڑا کر میں۔ اب بات ہو جائے شاعر کی۔ اب تو طے دار کہانیاں دیکھ کر کتنا کھلے ہیں۔ چاروں کہانیاں ایک ساتھ مل رہی ہیں خرید ختم یہ کہ 8,7 طے مختصر کر کے رکھ دیتے گئے ہیں۔ نام لے کر کسی کی دل آزمائی تصور نہیں۔ مختلف کتبوں کی سامنے سے اعزاز دیا گیا کہ آج کے معلوم تمام جو چرچ رہی ہے وہ ہے چنگی۔ پلیز ضرور فرمائیں۔ اگر ہر کہانی پر مکمل یا طویل تبصرہ کرتے ہیں تو آپ کی چنگی سلسلہ خوبصورت نظروں سے انداز کرتی ہے کہ خبردار جہاں کے کچھ بولتا چلتی سادہ سے اعزاز میں کسی کو لپکا گئے یا برا مختصر لفظوں میں کسی کھسا جا سکتا ہے اور کسی کا نام بھی بے پرواہ نہ ہو۔ سطر زیادات ارم نہرا کا نہایت عمدہ سفر یا لٹھ کے دوست شہلا سرانج بہت اچھا ہے۔ چنگی جلدی سادہ کہانی میں حقیقہ شادی شدہ عورت کے کایسے کارناموں کا تو یہ انجام ہوا تو۔ "The Genius" راجہ گورو صاحب کی بہت مصلوبانی خوبصورت کہانی خوب رہی۔ میں کسی کے ہاتھ سے قرعہ لٹاری کی ہے عدم زندہ کہانی تھی۔ قرعہ میں آئی کی لکھا ہوا سا مجھ میں بہت چارائی سنی (۱۳۵۷ھ) کہانی۔ حیرت مندیب سنگی اب جو حوصلہ نہیں رہا، میں بھی انکی قیمت یا سبکس لٹونگ چڑے نے ظہر مرزا کا حال گون آؤ قابل زمان کی میری گڑبازی میں منون شاہ بھاری اور سب نے بہت محنت و محنت سے خوب لکھا۔ نام صرف اکل کو ۱۲6 کو برا لکھ رہا ہمارا۔ آخر میں کوڑ سیو آئی اور مستحکم خوشامی بھائی کے نام پر دعا کیا۔"

۱۴) حسین چٹاپہ پٹاؤ (کریشی) میں چلے گی تو بہت سارے لوگوں کو احوال کے صفحات پر بکھر کیسے لے گی؟ اس لئے ہر سب کا حق ہے اور یہ ہمارا فرض ہے کہ ہر احوالی کو بکھر بھی لے۔ اب قبضہ تیار ہے ہاتھ میں ہے بھوکہ کی زبان میں کے۔

۱۵) ارشد ملک راولپنڈی سے لکھتے ہیں: "سنہ ۱۳۵۷ھ میں امید ہے آپ سب خیریت سے ہوں گے اور آپ کا نام مبارک بھی خوبصورت گزردا ہو گا۔ حقیقہ مصروفیت بھی ہوگی لیکن جب بھی دعا کے لیے ہاتھ اٹھا کر تو ہمیں بھی ان پر امید سافروں میں دادر کھا کریں۔ میں اور میری جملہ ہم آپ کے دن و گئی رات چنگی تری کے لیے دعا گو ہیں۔ فی الوقت میں اپنی ایک نرل درمیان کر رہا ہوں۔ امید ہے آپ سارے شاعر کی ذہنیت کا کمری حوصلہ فرمائی فرمائیں گے۔"

۱۶) بھائی ارشد اختر (۱۳۵۷ھ) آپ بھاری دعاؤں میں شامل ہیں۔ ہمیں بھی اپنی دعاؤں میں دھر کیجے گا۔

۱۷) محمد راشد فرہاڈ سمر سے لکھتے ہیں: "سنہ ۱۳۵۷ھ میں سلام اسلام حکیم امید کرتا ہوں آپ خیریت سے ہوں گی۔ دیکھا احوال ہے کہ جو خبر کے شاعر میں میرا حال میں کیا گیا میں خصوصاً لوگوں کے خطوط شامل کیے گئے ہیں۔"

۱۸) بھائی ارشد انجین کیسے احوال کے صفحات پر تمام لوگوں کا حق سے میں جو لوگ پانڈی سے لکھتے رہتے ہیں انہیں کارکنوں کا اعزاز دیتا ہے۔ ہر کوئی بات میں اب بھی ہر ماہ کی 12 تاریخ تک خط لکھ یا کریں ہم ضرور شائع کریں گے۔

۱۱) کسی غلام نہیں کرنا چاہیے کہ خیر کرتی ہیں۔ "الحی علیہ السلام" علیہ السلام نے آپ کو خبر دے کر ہوا  
گئی۔ پچھلے سیرے بھی کیا کیا تھا میں نے خدا کو جواب دیا کہ یہ خوشی ہو کہ میں اس کو اپنا بیٹا اور بے لگنی سے آپ نے  
مجھے غلام کیا تو اس سے میرے بھی نہیں کیا ہوں پھر میری کہانی اپنی موت کی سیر میں دی کہ آپ نے جس کے  
خود کو خوش کیا ہے میری کہانی ضرور اس سے اشد ہوگی۔ میں نے کہا کہ میں نے اس کی کہانی نہیں سنی کہ آپ کے  
ان کا خون کی جادواری میں دیکھ کر میں نے وہی ہے۔ میں نے اس سے کہا کہ یہ کہانی کا ہونا تو کوئی بھی نہیں کہ میں نے  
دیکھ کر کہ میں خوشی میں ہوں کہ میں نے اس کا خون ہر از مراد دیتے کہ بعد میں بھی پوری توجہ سے دیکھتا ہوں اس میں ہاں نہیں  
چند تیار ہیں کہ اگر کیا ہے جو چیک اور کسٹرس کے بارے میں ہے۔ یہ باقی حقیقت ہے کہ یہ دونوں تیار ہیں یا دوسروں  
ہیں یہ سب نہ ہو جو دوسرا ہے ہر دو ان سے ساتھ دیکھنا چاہئے۔ افسوس ہے کہ ان دونوں تیار ہیں یا ان کے میں نے ان کے دوسروں  
دیکھا ہے۔ اس وقت کیل سے کسٹرس کی کہانہ خدا ان دور دوستوں میں سے دے دیا ہے۔ پچھلے سیرے میں جو کہی آہ  
ہوئی ہے۔ انہی اللہ تعالیٰ ہم سے خوش ہے کہ میں نے اس سے کہیں دیکھ کر میں نے اس کے سال کے گارڈ کا کار پڑھنا تھا  
کہ بعد میں خوشیاں ملے۔ ان کی خبر ہے۔ اس کی خبر ہے۔ اس کی خبر ہے۔ (انشاء اللہ تعالیٰ) اے اللہ ہر ایک ایک علم  
"اما" اس سال خدمت سے خطا ہوئی ہو گی کہ آپ اجازت۔"

اس وقتیں پہلاد سے قمر طراز ہیں۔ نہایت چھلکناختر و مزہ و مہم صاحب اس نظام کی بھری ہوئی کمرہ کے سامنے پہلی کوشش ہے جو کہ اپنے پر واز پر مائل ہے (شید کی ڈانڈی) کے لیے ایک شید کی کہانی (بھونان غازی مرید مسیحین کے نام سے) کا سہارا لیتا ہے۔ اس سال گری ہوئی جو کہ انگریزی کی کہانی ہے کہ آپ اس کہانی کو اپنے رسالہ کی جنت کا ضرور دوسرا فری کئی اور نئے شعر کے ماحول ضرور لکھی۔ یہ کہانی میرے بھائی پہلاد کے لیے ایک قصہ علیہ کی ہے۔ کہانی میں ضرور کاٹ چھانڈ اور آپ مناسب جانیں ضرور لکھیے گا۔ یہ کہانی شائع ہونے پر آپ کو اپنی گزارشات، خبر میری بھی ارسال کرنی رہوں گی امید ہے آپ کے ہاں میں بھی کر دیں گی۔

بہت ہی سہیل کی سہیل (بھائی) نے اپنے صاحب کے حوالے کر دی ہے۔ دیکھنا وہ اس کے ساتھ کی سلوک کر رہے ہیں۔ میرا دل بھی کچھ بھرا اور احوال میں شگفتہ ضرور کیا کر۔



مشہور و معروف شخصیات کی زندگی سے اخذ کردہ واقعات اور ان سے جڑی کہانیاں



رابعہ محمود

## گفتگو

المہاری کے پٹنل سے لپٹا ہوا ایک باریک سا سبیل کھاتا ہوا اچھل کر  
میرے پاؤں پر آگرا۔ ساتھ ہی المہاری میں رکھے ہوئے چٹکی کے برتن  
کھٹ کھٹ کرتے ہوئے آڑن مشینوں کی طرح

نقد و ثناء کی تندی سے لپٹنے پر لپٹنے کی آوازیں اٹھنے لگیں۔

ریاست، جنوں و کشمیر میں اعلیٰ عہدوں پر فائز رہے۔  
مہاجر چڑیل کے دربار میں انھیں اعلیٰ عہدہ بھی ملا اور  
وہ گلگت کے گورنر بھی ہے۔ قدرت اللہ کی والدہ کا  
نام کریم بی بی تھا۔

گلگت کے برف پوش پہاڑوں کے درمیان  
آگ کو کوئلے والے قدرت اللہ 28 فروری 1917ء کو  
اس جہان میں وارد ہوئے۔ والد محمد عبداللہ اس وقت  
کے گرجیوٹ تھے۔ دوسرا کاری ملازمت کے دوران



قدرت اللہ کا بچپن گلت اور ہزاراں کے حسین منظر کے درمیان گذرا۔

ان کی ابتدائی تعلیم کا سلسلہ مقامی اسکولوں میں جاری رہا۔ انہی بچپن سے نکل کر لڑکپن میں داخل ہوئے تھے کہ ان دنوں چڑاں میں طاغوت کی وبا پھوٹ پڑی جس میں زیادہ تر بچے اور درختیں اجل بن رہے تھے۔ والدین کو قدرت اللہ کی فکر دامن گیر ہوئی تو انہیں منظور مصلح اہل بیچ دیا گیا جہاں انہیں باپا اہیت سنگھ صاحب اہل اسکول میں داخل کر دیا گیا۔ اسی اسکول سے قدرت اللہ نے میٹرک کیا اور پھر پرنس آف ویلنگٹن میں داخلہ لیا جہاں سے ایف ایس سی اور بی ایس سی کے امتحانات پاس کیے۔ ہمارے بچہ پر تھے ان کی تعلیم کے لیے مختلف معزز گریڈاں قائم کئے گئے کے دوران ۱۱ اور میں قیام کیا اور گورنمنٹ کالج لاہور سے انگریزی میں ایم اے کیا۔ ۱۹۵۹ء میں انڈین سول سروس کا امتحان امتیازی نمبروں سے پاس کیا مگر جب تربیت حاصل کرنے کے لیے سول سروس آئیڈی اے پر وہ دن تھے تو انہیں اوداک ہوا کہ وہ اس باحول میں سیکرٹری بنیں۔ ان میں وہ قیام خصال سیکرٹری مقرر تھے جو ایک سرکاری افسر میں لازمی ہونا چاہیے۔ چنانچہ جب تربیت کے بعد ان کی ابتدائی تھیرے پر تربیت مل گئی تو اس میں خاص طور پر تحریر کیا گیا کہ یہ شخص اس سروس کے لیے سرفہ ہے۔ بہر حال اس رپورٹ کے باوجود وہ افسر شاہی کے نظام کا حصہ بن گئے۔ قیام پاکستان سے قبل وہ بلورڈ ای سی ایس افسر ایڈریڈ بن گئے اور ہمارے مختلف اضلاع میں ڈپٹی کمشنر کے عہدے پر فائز رہے۔

قدرت اللہ کی ادبی زندگی کی خصوصیات شعر گوئی سے ہوئی۔ ابتدا میں دہلی اور پٹنہ کے قصبے کے ساتھ لکھتے رہے۔ آخر کار شہاب کا قصبہ حتیٰ نمبرا۔

ابھی سول سروس میں خدمات انجام دے رہے تھے کہ پاکستان کا قلمیوں میں آیا۔ یہ وہ وقت تھا کہ انہیں فیصلہ کرنا تھا آیا انڈین سول سروس کا حصہ رہیں یا پاکستان ہجرت کر جائیں؟ تاہم انہوں نے فیصلہ کرنے میں دیر نہیں نکالی چونکہ نووارد ملک کو سستی مشینری چلانے کے لیے انہیں ایسے افراد کی ضرورت تھی بقدرت اللہ نے اپنی خدمات حکومت پاکستان کے لیے وقف کر دیں۔

پاکستان میں وہ غلام محمد میجر جنرل سکور مرزا اور جنرل محمد یحییٰ خان کے سیکریٹری ڈپٹی سیکریٹری برائے اطلاعات و نشریات اور وفاقی سیکریٹری تعلیم رہے۔ جب وہ ایب خان کے پرنسپل سیکریٹری کی حیثیت سے کام کر رہے تھے تو ان میں دنوں پاکستان راکٹر گڈ کی بنیاد رکھی اور یوں کالنی راکٹ ایکٹ منظور کر لیا۔ انہوں نے تین برس ہائیڈرو میں پاکستان کے سیکریٹری حیثیت سے خدمات انجام دیں۔

۱۹۶۹ء میں جنرل یحییٰ خان کے مارشل لا کے فوراً بعد سرگت ہاؤس میں ہونے والے وفاقی سیکریٹریوں کے اجلاس میں بلور وفاقی سیکریٹری اطلاعات و نشریات کے عہدے سے مستعفی ہو گئے۔ تاہم وہ انصاف سٹو کے دور میں وفاقی سیکریٹری تعلیم ہوئے مگر جب جون ۱۹۷۲ء میں ان کی تنیم ڈائریکٹ کی وفات ہوئی تو اس عہدے سے انہیں بھیے چپ کی تنگ کی۔ دیے اسے ان کا دل اچھا نہ ہو گیا اور محض دو برس بعد انہوں نے راج کوٹ سے لی۔

شہاب انتہائی کم گو اور مردم سہارا شخصیت کے مالک تھے۔ ان کے حلقوں کی گفت آراء میں کوئی انہیں پہنچا ہوا لی اللہ بھگتا تھا۔ کبھی کبھار کہہ دیتے تھے کہ اے کے ایکٹ ہیں۔ کبھی انہیں پانی پیو کر دیتے کہ تم سے پاؤ کر تھے تاہم اپنے بارے میں خود انہوں نے زندگی کے آخری ایام میں

لکھا اور خوب کمال کر اپنی زندگی کے خیر گوشتے میاں کیے۔ ان کی خود نوشت سوانح حیات "شہاب نامہ" کے عنوان سے منظر عام پر آئی جسے عام قارئین میں پسندیدگی کی سند حاصل ہوئی۔ ان کے علمی آثار میں "یاد خدا"، "ناولٹ"، "نفسانے"، "ماں جی"، "سرخ فیتہ"، "شہاب نامہ"، "آپ بھتی" سفر نامے اور پندرہویں شامل ہیں۔

24 جولائی 1986ء کو اسلام آباد میں یہ نادر روزگار ادیب ملک عدم کوچ کر گئے۔

انڈین سول سروس میں سرکاری خدمات کی انجام دہی کے دوران ان کا تدارک اضلاع دور دراز علاقوں میں کیا جاتا تھا جو کہ کافی دور کی کا صحت ہوتا ہے۔ ایک بار اس کے طور پر ان کا تدارک کلک کر دیا گیا۔ حاصل انہوں نے جنگ کے زمانے میں سرکاری گواہ کا تدارک کر چارمن دھان بھوکے افراد میں مفت تقسیم کر دیا تھا۔ اسی جرم کی پاداش میں انہیں کلک بھیجا گیا تھا۔ کلک میں جس کو بھی انہیں رہائش فراہم کی گئی اس میں شہاب کے ساتھ آئے تھے جبکہ وہ غیر معمولی حد تک واقعات پیش آئے تھے جنہیں انہوں نے خود کم بنیاد کیا ہے۔ ان کی تحریر ان ہی کے الفاظ میں قارئین کے لیے پیش خدمت ہے۔

کلک میں سرکاری اقامت گاہوں کی نکتہ حق، خصوصاً غیر شادی شدہ افراد کے لیے سرکاری مکان ملنا محال تھا اس لیے میں کافی عرصہ کلک کلب کے ایک کمرے میں مقیم رہا۔ چند ماہ بعد جب سوئے میں کاٹھن میں کی وزارت برسر اقتدار آئی تو شری ہری کرشن منہا پ چیف مشنر مقرر ہوئے۔ ہائی کی ٹیموں کے علاوہ ہوم ڈیپارٹمنٹ بھی ان کے چارج میں تھا۔

شری ہری کرشن منہا پ بڑے خوش مزاج اور خوش اخلاق اور ذہنی تھے اور اپنے ساتھ کام کرنے والوں کے ذاتی مسائل میں بھی گہری دلچسپی لیا کرتے تھے۔ ایک روز میں چند قاضیوں کے پاس گیا تو انہوں نے میرے مکان کا مسئلہ پیچھے دیا۔ باتوں باتوں میں معلوم ہوا کہ کلک کی سول لائسنز میں ایک کوئی ہے جو سالہا سال سے غیر آباد چلی آ رہی ہے۔ جب کوئی کوئی میں رہائش اختیار کرتا ہے تو چند ہی روز میں چھوڑ کر چلا جاتا ہے کیونکہ اس گھر کے حلقہ مشہور ہے کہ یہ آپ سب زدہ ہے۔ منہا پ صاحب نے کہا کہ اگر تم باہمی حیثیت کے مالک نہیں ہو تو بڑی خوشی سے اس بچے کو آزاد کر دیکھ لو۔

میں کلب میں ایک کمرے کی صفیں سے تنگ آیا ہوا تھا اس لیے میں نے فوراً مایا بھری اور سول لائسنز کی کوئی نمبر اخذ ہیرے نام لاٹ ہوئی۔

یہ ایک بچے زوردد کی چھوٹی سی خوش نما کوئی تھی جس کے گرد بڑے مودہ لڑکا کا وسیع دھڑیل لان پھیلا ہوا تھا۔ اس کی من گھٹنوں گھٹنوں تک اونچی گھاس اسی ہوئی تھی اور چاروں طرف سوکے ہوئے کالے پتلے چوں کے انبار لگے ہوئے تھے۔ چاہتا سوکے ہوئے لٹاؤز کو ہر کھجائیں بھنجانا ہی نہیں۔ ایک طرف چائین اور آم کے کچھ بچے تھے جن کے بچے بچاں اور کتے وگٹاؤ تھا۔ یہی خصوصاً آواز میں دیا کرتے تھے۔ دوسری طرف شیل کا پرانا درخت تھا جس کی شاخوں سے بے شمار کالے کالی بھوری بھوری چوڑاؤں میں اٹنی اٹنی رہتی تھیں۔ کوئی کے عقب میں ایک کچا تالاب تھا جس کے پانی پر ہر کالے کی دیڑھ تھ جھبی ہوئی تھی اور کناروں پر مینڈکوں سمیگروں اور دوسرے کیڑوں مکڑوں کا جھنجھر جو دور جاتا تھا۔ کوئی سے کوئی ڈیڑھ گھنٹے کے قتلے



بادرہی خانہ تھا۔ اسی کے ساتھ دوسروں کو ارٹھے جن میں میرا اٹھیری خانہاں رمضان اور بنگالی ذرا بچہ روز گھر رہتے تھے۔

افراد سول لائٹ میں ایک ڈرائنگ روم ایک ڈرائنگ روم اور تین بیڈ روم تھے۔ میں نے اپنے استعمال کے لیے جو بیڈ روم منتخب کیا اس کا ایک دروازہ ڈرائنگ روم کی طرف کھلتا تھا۔ دوسرا دروازہ اور ایک کمرہ کے لیے تھا جس کے سامنے تین لائن کا سٹینڈ پھیلا ہوا تھا۔ اس بیڈ روم کے ساتھ ایک ڈرائنگ روم اور غسل خانہ بھی ملتا تھا۔

ایک رات میں جب دروازے اور کمرے بند کر کے بستر پر لیٹا کتاب پڑھ رہا تھا۔ میرے پاس کوئی ٹیبل بس نہ تھا اور بجلی کا سوچا بجلی سے دور والی دیوار پر لگا ہوا تھا۔ گیارہ بجے کے قریب میں نے کتاب بند کر کے تپائی پر رکھ دی اور بجلی بجھانے کے لیے اسٹینڈ کا تھکا کر بجلی کا سوچا کھٹاک سے بجا اور بجلی اپنے آپ بجھ گئی۔ میں نے سوچا کہ سوچا کا کوئی بچ ڈھیلا ہو گیا ہو گا اس لیے اس کا جن اپنے آپ مل گیا ہے لیکن بھر خیال آیا کہ بجلی آف کرنے کے لیے سوچا کا جن کافی زور سے اوپر کی طرف گھمایا جاتا ہے۔ اگر وہ ڈھیلا ہو گیا ہے تو اسے نیچے کی طرف کرنا چاہیے تھا۔ وہ خود بخود اوپر کی طرف کیسے اٹھ سکتا ہے؟ میں یہ سوچ رہا تھا کہ سوچا بھر کھٹ سے بجا اور بجلی آن ہو گئی۔ ساتھ ہی ڈرائنگ روم والے بند دروازے پر تین بار دھکی سی دھک ہوئی جیسے کوئی انگلی بند کر کے اس کے جڑ سے دروازہ کھٹکھٹا رہا ہے۔ میں نے ڈرتے ڈرتے اٹھ کر دروازہ کھولا تو ڈرائنگ روم بالکل خالی تھا البتہ صوفے کے قریب سفید دھوئیں کا ایک چمچہ ضرور نظر آیا جو دیکھتے ہی دیکھتے نفا میں تحلیل ہو گیا۔ اس چمچے کی بجائے کچھ اس طرح کی جھجی جس طرح کے

سکرین کا کٹ لے کر دھوئیں کے دھک بٹانے چاہتے ہیں۔ جس جگہ یہ چمچہ ہوا میں مطلق تھا وہاں آخر بڑی سیٹ اور ستارے صحر کی ٹی جلی خوشبو بھرتی تھی۔

اب یہ روز کا معمول ہو گیا اور میں کتاب کرتا تھا اور بجلی خود بخود کھٹ سے بجھ جاتی تھی دوسرے تیسرے دن دروازے پر دھک بھی بدستور ہوتی تھی اور ہر بار دھوئیں کا چمچہ پہلے کی نسبت نظر آتا تھا اور زیادہ دھک قائم رہتا تھا۔ ایک رات میں اپنے بیڈ روم میں آیا تو میرے سلیر غائب تھے کافی دیر ڈھونڈتا رہا لیکن کہیں نہ ملے لیکن جب میرے بستر پر لیٹا تو عینکے سے چمچہ صحر کی آواز آئی۔ اٹھ کر دیکھا تو دونوں سلیر عینکے کے خلاف کے اندر چلے گئے۔ سلیر بھٹکا کر منہ ہاتھ دھوئے ہاتھ روم گیا تو صابن والی غائب پائی۔ واپس آ کر بستر پر لیٹا تو وہ بھی عینکے کے خلاف سے برآمد ہوئی۔ صابن والی غسل خانے میں رکھ کر دوبارہ کمرے میں آیا تو عینکے پر بسکٹوں کا ڈھکچا ہوا تھا جو میرے بیڈ روم کی الماری میں رکھا رہتا تھا۔ دو عینکے بسکٹ باہر گرے ہوئے تھے۔ میں نے ان بسکٹوں کو اٹھا کر کھانا اور ڈبہ الماری میں رکھ کر چنگ کی طرف مڑا تو وہ بیکار عینکے پر سکرین کیس کھلا ہوا رکھا ہے جو ڈرائنگ روم کی صحنہ پر مہمانوں کے لیے چڑا رہا تھا۔ اپنی آنویجک سرور ایجنسی کی اس دل لگی پر مجھے ہنسی آئی۔ میں سکرین چیتا تو نہ تھا لیکن سوچا کہ اپنے ناویجہ ہذا مذاق خدمت گزار کا دل خوش کرنے کے لیے آج سکرین نوشی میں کوئی حرج نہیں۔ چنانچہ میں نے ایک سکرین منہ میں رکھا اور باجس جلائی دیا سلائی کا سنگ تھا کہ سکرین میرے ہونٹوں سے کھج کر دور جا پڑا۔ ساتھ ہی ڈرائنگ روم والے دروازے پر وہی قصور دھک ہوئی۔ میں نے اٹھ کر دروازہ کھولا تو قریب

ی رستم کے کپڑے کی سرسراہٹ سنائی دی پھر سفید  
 دھوئیں کا حلقہ نظر پڑا نصف کمرے میں پھیل گیا۔  
 سارے کمرے میں پھینکی گئی خوشبو کی پھولاری برس  
 رہی تھی اور فضا میں کچھ اس طرح کا ارتعاش لرزاں تھا  
 جیسا کہ غورہ چلنے سے محسوس ہوتا ہے۔ ان دنوں  
 مجھے موسیقی کا شوق تھا اور اسراج بھانے میں کچھ  
 ریاض بھی کیا تھا۔ میں نے ڈرائنگ روم کی حق جلائی  
 تو میری اسراج سونے کے قریب قائم پر یوں  
 بڑی تھی جیسے ابھی ابھی کسی نے وہاں لاگو کر دی ہو۔  
 میں بغیر سوچے کچھ فرش پر بیٹھ گیا اور اسراج بھانے  
 کا لیکن چار بالکل صاف تھے۔ ان سے کوئی آواز  
 برا نہ نہ ہوئی۔ چند لمبے ایک چمب سا بولہ دھانسا دھرا  
 پھر اچانک ایک زور کا دھماکا ہوا جیسے کمرے میں  
 بارود سے پھرا ہوا گولہ پھٹ گیا ہو۔ سفید دھوئیں کا  
 حلقہ کھڑکی کے چالنے کے تاروں کی طرح ٹوٹ کر  
 ریزہ ریزہ ہو گیا اور اس کے ٹکڑے ہوا میں اس طرح  
 کھیلنے لگے جس طرح ہاول کی لڑی کا ٹکس پانی کی  
 حلقہ لہروں میں ٹوٹ ٹوٹ کر لہراتا ہے۔ ساتھ ہی  
 بالکل بند کمرے میں چاروں طرف سے چٹروں اور  
 اینٹوں کی بارش شروع ہو گئی۔ اب میں جہاں کہیں  
 بھی بیٹھا تھا میرے آگے پیچھے دائیں بائیں چٹری  
 چٹری سے تھے۔ ستر پر لیٹا تو چنگ کے ارد گرد سنگ و  
 شست کا انبار لگ گیا۔ ایک چٹری جو چنگ کے اوپر  
 میرے سین قریب آ کے گرا اس کا ڈون کی میر  
 تھا۔ کمروں کے روشن دان کھڑکیاں دروازے  
 سب بند تھے لیکن چٹریاں زور سے سنسناتے  
 ہوئے آتے تھے اور میرے بالکل قریب زمین پر گر  
 جاتے تھے۔ غرض قسمی سے کوئی چٹری مجھے لگتا نہ تھا اور نہ  
 ان میں کچھ اتنے وزنی اور ٹوکدار ہوتے تھے کہ چند  
 ہی ضربوں میں انسان کی ہڈی پھلی ایک کر دینے کے  
 لیے کافی تھے۔

اس واقعے کے ساتھ ہی اگلے چند ماہ کے لیے  
 میری زندگی کا دھوا بالکل تبدیل ہو گیا۔ آنویک  
 سردی کی ہر لطف آنکھ بخوبی بند ہو گئی۔ ڈرائنگ روم  
 کے دروازے پر ایک جالی پیمانی شائستہ اور معطر  
 دھنک بھی موقوف ہو گئی۔ اس غیر مرئی سے ماحول  
 میں ایک عجیب قسم کی لطافت، رفاقت اور اوارا کی  
 اشتراک کا جو عنصر تھا اس جگہ اب باوقوف انفرادیت  
 پر اسرار اور صحت ناک واقعات کا ایسا تسلسل شروع  
 ہو گیا جسے چوٹی تفصیل سے بیان کرنا آسان نہیں  
 اس لیے سونے کے طور پر فقط چند چیدہ چیدہ اور نسبتاً  
 اہم واقعات ہی درج ذیل کرتا ہوں۔

میرا کیمیری ملازم اور بنگالی ڈرائیور روز محمد عواما  
 رات کے دس ساڑھے دس پہنچ کام کاج سے فارغ  
 ہو کر اپنے کارندوں میں چلے جاتے تھے جو بنگلے کے  
 ساتھ کچھی سے دوسرے کے قاصطے پر واقع تھے۔ ان  
 کے جاتے ہی کارروائی کا آغاز اینٹوں اور چٹروں  
 سے شروع ہو جاتا تھا۔ کئی بار ایسا ہوا کہ باہر موسلا  
 دھار بارش ہو رہی ہے اور کمرے کے اندر جو اینٹیں  
 اور چٹریاں وہیں چھڑا دیں بالکل خشک ہیں۔ صبح  
 سویرے منہ اندر میرے میں اس لیے کوٹھروں کے  
 حساب سے سمیٹ کر ان کے تالاب میں پھینک آتا  
 تھا کہ اس مادے کی خبر پا کر رمضان اور ڈرائیور  
 خوفزدہ ہوں۔ کارروائی روزمرہ کا دستور تھی۔  
 اینٹوں کی بارش کے بعد گھر کے سب دروازے  
 کھڑکیاں اور روشن دان کھٹ کھٹ کر کے خود بخود  
 کھل جاتے تھے اور اپنے آپ بند ہو جاتے تھے۔  
 بند ہوتے وقت دروازوں اور کھڑکیوں کے پتے  
 ایک دوسرے سے اس زور سے ٹکراتے تھے جیسے  
 شعلہ آگ آئی ہوئی ہو۔ تھوڑے تھوڑے وقفہ کے  
 بعد یہ عمل کیمرہ بدایا جاتا تھا۔ گھر کی سب بنگلیاں  
 بھی اسی رفتار سے جلتی اور بجتی رہتی تھیں۔ کبھی کسی

کھلے دروازے کو بند کرنے کی کوشش کرتا تو وہ بند نہ ہو سکا تھا اور گندہ دروازے کو کھولا جاتا تو وہ کھلتا تھا۔ ایک بند دروازے کو کھولنے کے لیے ذرا زیادہ زور لگایا تو اس کی چوکت اکڑ کر جھڑام سے زمین پر گر گئی۔ چند لمحوں کے بعد وہ خود بخود اچھل کر پٹا چمک لٹ ہو گئی۔

آدمی رات کے قریب میرے باہر رنگ روم کی صحت چچ کر اس کی طرح پوچھنے لگا تھا۔ میں نے اس پر بے حد دُور لی ہوجہ والا جہاز ہوسکتی تھی میں نے عرض ہوئے تھے کہ اس کا ریس بوجھ کے تلے صحت ٹوٹ کر پھٹے آپ نے کی بھر صحت پر لکھی آواز میں ابھرتی تھی جیسے بہت سے لوگ کھڑی کی کھڑی اپنی اپنی جگہ پر رہے ہوں ساتھ ہی بڑے بڑے دھول دھام سے استغذور سے جتنے کھلے کسان کی دھک سے میرا کمر گونج اٹھتا۔ دھول کے ساتھ ہی دھڑے دھڑے ساز بھی بجنا شروع ہو جاتے تھے جن میں جلدی پڑنا ستار نفیری اور شہنائی کی آواز خاص طور پر نمایاں ہوتی تھی مگر ایک سچے سچے گیتا اور درپیک لگا تار بجا رہا۔ رفتہ رفتہ سکہ کی طریش گونج پانی سب آوازوں پر پوری طرح غائب جاتی۔

میرے بیڈ روم کے ساتھ علی لان کی طرف برآمدہ تھا۔ کمرے کی ایک کھڑکی اور دروازہ برآمدہ میں سے کھلتے تھے۔ رات کے وقت میں دونوں کو بند کر کے اندر سے کھڑکی لگایا تھا۔ ایک روز صحت پر سکہ کی آواز بلند ہوئی تو میں سنائی دینے لگا جیسے برآمدہ کے کمرے پر بہت سے شہزاد گھوڑے ایک وقت سر پٹ بھاگ رہے ہوں۔ سمن کے چاؤں کی آواز کے ساتھ ان کی دم کے بالوں کی سرسراہٹ اور منتھوں سے زور زور سے سانس لینے کی میز بھڑاہٹ بھی واضح طور پر سنائی دیتی تھی۔ یہ آواز میں بڑی دیر تک جاری رہی

تو میں نے کھڑکی کا ایک پٹ ذرا سا کھول کر برآمدہ میں جھانک دیاں پر گھوڑا تو کوئی نہ تھا۔ لال لال انگڑی ان گھوڑوں والا انوکھی شکل و صورت کا ایک بھاری بھر کم پر بندہ پر پہلائے ہوا میں منتقل ہو کر اس طرح جھکے کہ اس کا ہاتھ چھو دھواں بھانسنے کو نہ ہونے کی جگہ پر سوار ہوا۔ میرے بھانسنے ہی وہ اس قدر زور سے چیخا کہ میں نے فوراً کھڑکی بند کر لی۔ کافی دیر تک وہ جھج بھج سے میری سازن کی طرح جھکی رہی اور اس کے بعد کچھ عرصہ میں صحتوں ہوتا رہا جیسے وہ عجیب اقلقت پر بندہ اپنے چپوں سے کھڑکی کو کھینچ کر کر توڑنے کی کوشش کر رہا ہے۔ ان دنوں میرے پاس ساکان کی کھڑکی کا بہت بڑا ڈانگہ تھیل قاجح کا وزن ڈیڑھ دو سو ہوگا۔ ایک رات کو کئی چیز لینے کے لیے میں نے ڈانگہ روم کی الماری کھولی تو چنیل سے لپٹا ہوا ایک باریک سا پٹ مل کھاتا ہوا اچھل کر میرے پاؤں پر آگرا۔ ساتھ ہی الماری میں رکھے ہوئے کچھ کیسے کے برتن کھٹ کھٹ کھٹ کرتے ہوئے اڑن طشروں کی طرح میز پر آجھ ہوئے۔ اس کے بعد ڈانگہ تھیل آہستہ آہستہ ہوا میں اٹھنا شروع ہوا اور اس قدر بلند ہو گیا کہ اس کے اوپر چڑے ہوئے چھٹی کے برتنوں کی ٹکڑے کھٹکی کے ٹکڑے کے ساتھ کھانے لگے۔ کچھ کچھ چھوڑ کر میری نفلت جھڑام کر کے فرش پر داہلی آگیا۔ اس کا ایک پایہ میرے پاؤں کے پاؤں کے انگوٹھے پر اس قدر زور سے لگا کہ انگوٹھے کا کچھ حصہ آج تک بائیں ہاتھ میں ہے۔

ایک سال کے بعد میرے کمرے میں اینٹوں اور چمروں کی جگہ دروازہ بند ہوا۔ میں نے انٹوں میں چند انسانی کو چڑیاں بھی بھیں۔ چاہتا تھا کہ ان کو چڑیاں کو چڑیاں کا یہ اجارنا کر یہ اندھ نظر قاسم کج انتھار کے بغیر میں نے انھیں اٹھار کر کے ایک چاد

میں باغداد اور انھیں تالاب میں پھینکے کے لیے باہر لان میں نکل آیا۔ لان میں پچھتے ہی مجھے یوں محسوس ہونے لگا جیسے زنجیروں کے پچے سے میرے دونوں منتھوں پر سپرد ہونے والے زور کی ضربیں لگ رہی ہیں۔ تالاب سے اس کی آواز برآمد ہوئی جیسے کئی غوط خور پانی سے باہر ابھرتا ہے۔ ساتھ ہی تالاب کے کنارے سبز کالی میں لپٹا ہوا ایک کالا سیاہ سایہ سا نمودار ہوا اور خوں خوں کرنا ہوا گولے کی طرح میری طرف بڑھنے لگا۔ میں نے چڑیاں کا کھانا وہیں پھینکا اور چپہ پچھ کر اپنے کمرے کی طرف بھاگا۔ بھانسنے ہوئے یوں محسوس ہوا جیسے میرے پاؤں رسیوں کے تانے پانے میں الجھ گئے ہیں۔ برآمدہ کے قریب پہنچ کر میں میری طرح لوکڑیاں اور منہ کے علی زمین پر گر پڑا۔ کمرے ہونے کی سکت باقی ڈھکی اس لیے میں پینٹ کے بل رینگنا دیکھنا پڑی مشکل سے اسے کمرے میں داخل ہوا۔ میرے منتھوں میں شہ پھڑک سوساں اور علی ہورھی گھٹنے پر ہی طرح چھل گئے۔ میں نے خود اس کے بل کرنے کے باعث ٹھوڑی سے خون بہہ رہا تھا۔ منہ ہاتھ دھوئے کے لیے میں نے جان کر واہی مشین کا کچھ کھلا تو کچھ دیر سوں سوں کی آواز آتی رہی۔ اس کے بعد نکا ایک فٹ فٹ کر کے کھٹے سے گرم گرم گاڑے گاڑے خون کی دھار بہنے لگی۔

ایک رات چڑیاں کی بوجھ بھار کے بعد نکا ایک سارے کمر میں ایسا چہرہ بودار کھینچ چھل گیا جیسے غلاقت سے مبرا اور کڑ پٹ گیا۔ وہ بھی ہوا میں بھی ہوئی چڑیاں کی دھواں اٹھنے لگی تھی۔ یہی سوسی بوجھ سے اور بڑی پھٹنے کی پوائے تھی تھی۔ یہی سوزی ہوئی کھلی کی بساط کھینچ جاتی تھی۔ ایک بار دن ہوا یا رات میں جھوٹا بھنے کے پینے کی چیز منہ میں ڈالتا تھا اس میں کھڑکائی اور دیر کی

خاواٹ ہوتی تھی۔ چلوں کے اندر بھی کھڑکے تھے۔ میں نے ایک کیلا کھیل کر درمیان سے توڑا تو اس کے کنارے سے جوسین کی ہوئی ہے اس میں بھی ریت اس طرح جھی ہوئی تھی جیسے قرعہ میٹر کی نالی میں پارہ بھرا ہوا ہوتا ہے۔

ایک روز آدمی رات کے بعد ڈانگہ روم میں ٹیلی فون کی کھٹکی بجی۔ ڈانگہ روم میں جانے کے لیے میں نے دروازہ کھولا تو وہ ادھا کھل کر زور سے بند ہو گیا۔ میں ہتھاروں لگا تھا دروازہ کھولا سا کھلا تھا اور پھر لوہے کے اسپرنگ کی طرح اچٹ کر بند ہو جاتا تھا۔ آخر میں نے اپنا کندھا دروازے کے ساتھ جڑ کر پوری قوت سے زور لگایا تو میرا داؤڈ پڑنے سے پہلے ہی دونوں پٹ آرام سے واہو گئے اور میں زور میں بھرا ہوا لوکڑیاں ہوا پہلے ایک کمری سے گرایا اور پھر جھڑام سے قاتلین پر چار گز لپٹن پر سنیہ چاروں میں لپٹی ہوئی انسانی جسم کی طرح کوئی چیز لاش کی طرح بے حس و حرکت پڑی تھی۔ اس کو چھوئے میں ہی غیب کر اٹھا اور بیڈ روم میں داہلی آکر دروازہ بند کر دیا۔ ٹیلی فون کی کھٹکی زبردستی کھٹنے تک متاثر نہ تھی رہی۔

ایک روز سبز باغش ہورھی تھی رات کے دو بجے میرے بیڈ روم کے باہر لان میں بائیکل کی کھٹکی بجی اور پھر آواز آئی کہ "تاروالا تاروالا تاروالا۔" میں نے دروازے کی دروازے سے جھانک تو واقعی باہر تاروالا کھڑا تھا۔ اس نے خاکی وردی پہنی ہوئی کمرے پر جھار دالی خاکی پکڑی تھی کھٹے میں چڑے کا تھیل لگا ہوا تھا اور سرخ ڈھنگار دالی بائیکل کے ساتھ ٹپ لگاتے کھڑا تھا۔ اس ماحول میں ایک جیتے جانتے انسان کو بسنے لان میں دیکھ کر میرا دل بڑا اطمینان ہوا۔ میں خوش خوش دروازہ کھول کر برآمدہ میں آ گیا۔ تاروالا نے مجھے سلام کیا۔ کیا یہی چڑی میں

کان کے لہر ٹوٹتی ہوئی چٹل نکالی اور قبیلے سے تار کی رسید کا قادم نکال کر مجھے دیا۔ میں نے قادم پر دھنک کر دواہن کرنے کے لیے ہاتھ آگے بڑھایا تو میرے سامنے تار والے کی جگہ انسانی ہڈیوں کا ایک ٹھوڑا کڑا ہاتھ نکلا اٹھا۔ بے لیے ہاتھوں والی ہڈیوں کی ہڈیوں نے کاغذ اور پتھر سے میرے ہاتھ سے ٹکڑا دے کر کھینچ لیے اور زور سے کھینچ کر ہاتھ کو کٹ کر کے اس طرح دانت بھاننے لگا جیسے دروازہ سے ہٹنے کی کوشش کر رہا ہو۔ منہ سر پر پاؤں رکھ کر ہمارا گھر سے کاروازہ بند کر دیا۔ اس کے بعد کافی دیر تک ہمارے کے کچے فرش پر ہڈیوں کے ٹکڑے اور دروازے پر ہاتھوں سے کھرچنے مارنے کی آواز آتی رہی۔

اس قسم کے کچھ کچھ اور بہت سے فن کے واقعات رات کو سامنے دس یا گیارہ بجے شروع ہوتے تھے اور صبح کے ٹھیک تین بجے خود بخود بند ہو جاتے تھے۔ میرے طوطی جیڑھیں لان کی گھاس میں بے شمار میزوں اور ہینکروں کا بکرا تھا۔ شام پڑنے ہی ان کے فرائے کی آواز اور پتیل کے دھست پر اٹنے لگی ہوئی چٹکڑوں کی چیخ و پکار آجانا سر پر اٹھنے لگی تھیں جیسے ہی واقعات کا تسلسل شروع ہوتا تھا میرے لان پر عمل سکوت چھا جاتا تھا۔ تین بجے کے کچھ جب پہلے میز پر ایک چمچکریا چوگرد کی آواز کان میں پڑتی تھی تو میں کسی نہ کسی سانس لیتا تھا جیسے آج کی رات کی منزل بھی ملے ہوئی لیکن رات کے پچاس ساڑھے چار گھنٹے تک چھا گزرا نہ ہی جان بچوں کا کام تھا۔ میں بڑی آسانی سے وہ گھر کی وقت بھی چھوڑ سکتا تھا یا در اندر غاساں کو گھسی کے اندر سلا سکتا تھا یا پھر دوست احباب میں سے کسی کو گھرانہ بنا کر اس گھر سے میں شریک کر سکتا تھا لیکن میں نے ایسا کبھی اور اقدام نہ کیا

اور ابی ذات کو جان بوجھ کر تنہا کیے سینے لگا کر بناک مذاب میں جھکا رکھا۔ آج چوتھے چلتی برس گزرنے کے بعد بھی مجھے اپنے غیر متعلقہ روئے کی کوئی مسئولیت تھی۔ میری اہلیہ کی انتہائی دشمنی سے ان عجیب و غریب واقعات کے ختم کرنے پر اصرار کیا۔ گفتگو دوسری قسم کے اس غار میں میری تیار ہوئی شخص شوقی ہی نہ تھی بلکہ اس کی میں غالباً یہ خطرہ بھی کارفرما تھا کہ دوسرے شرکات سے کہیں بھانٹ جائے۔ اس کا جین جوت سے قمار جب تک میرا اہلکار اور در اندر کوئی کے اندر رہتے تھے کسی قسم کی غیر معمولی واقعہ رونما نہ تھا۔ کاروائی کا آغاز ہی اس وقت ہوتا تھا جب دووں کام کاغ سے قاری ہو کر اپنے اپنے کو کاروائی میں چلے جاتے تھے۔

اس سارے عرصے میں میرا جسمی طار رمضان اور چٹائی دارانچ روز گھر کو طوطی طور پر ہر کی لٹا سے محفوظ رہے۔ فقط دو تین باران کے کچھ بھلی سی چمچکاری ہوئی۔ ایک رات رمضان کی کاروائی کنڈی چا کر اندر سویا ہوا قاقا کسی اس کی چار پائی الٹ دی۔ ان دنوں بنگال ہمارے کچھ حصوں میں بڑے شدید ہندو مسلم فساد ہو رہے تھے۔ رمضان نے یہ سمجھا کہ یہ کسی ہندو کی شرارت ہے۔ اپنے مسلما دور کا خائب کرنے وہ باہر کی طرف ہمارا گھر سے میں اس کا مذاق لگا کر دروازے کے ساتھ گر گیا کیونکہ کنڈی بدستور بند نہ تھی۔

"اگر وہ ہندو باہر سے آیا قاتل دروازے کنڈی کی طرح بند ہوئی؟" میں نے اس پوچھا۔

اصید

خستہ سفینہ  
دور سے منزل  
کھنکھن ہے رستہ  
دو منزل تک  
کے کچے پتھر  
کھنکھن ہے  
دھن کا  
ہاتھ ہے  
کھنکھن رستے پر  
چل  
تو پڑا ہے!

گھبت اکرم

صرف محل سے بڑھا قاتل سے پڑنے کی ذہنی توجہ نصیب ہوئی تھی نہ ضرورت تھی آئی کسی لین خوف و ہراس کی شدت میں بڑا مجبور اثر ہوتا ہے۔ چنانچہ اب جو بے کسی و بے کسی کے عالم میں بھی مجھ پر ساپ گھبتا تھا۔ میرے پاؤں کا انگوٹھا ہماری میز کے پائے سے لٹکا جاتا تھا۔ کبھی چمچراتے تھے۔ کبھی انہیں برقی تھیں۔ کبھی انسانی ہڈیوں کا ڈھانچہ میرے سامنے کھڑا ہو کر کٹ کٹ دانت بھانٹتا تھا۔ اس طرح کے خوف کے دباؤ میں آ کر صرف زبان ہی سے نہیں بلکہ کبھی کبھی دل سے بھی نکھر طبع کارور ہو جاتا تھا۔

ان دنوں میرے پاس ایک چھوٹا سا جاپانی گراموفون تھا جو چالی چار جاکر بھایا جاتا تھا۔ ایک رات میں نے سبکی کا ایک پندریہ وہ یاد رکھنے کے لیے گراموفون کو چالی دی تو وہ آگے کی طرف گھومتی کی بجائے اچر کی طرف چل کر چپچپ کی جانب

مریم شاہ

## مقام تھا نہیں گے

آدمی رات کے وقت وہ خاموشی سے گھر سے نکل اور قبرستان جانے والی سڑک پر چلے گی۔ اس کا دل بری طرح دھک دھک کر رہا تھا۔ ابھی وہ دوپہر چڑی سے قدرے دور تھی کہ ایک کبک سا یہ.....

دوہڑی پڑا ایک شیطان کو مظلوم ہی نہ مگر کوئی اس کا معاملہ تھا۔

وہ دیکر کہ ایک مرد رات تھی سیر شام سے ہی گاؤں میں سناٹا تھا کیا تھا۔ گاؤں والے اپنے اپنے گھر گراں میں نرم گرم بستروں میں دیکے گہری نیند لینے تو کبھی ناخبر کرویتے۔ جیسے سرسری ہوئی سرو

لوٹ آئی۔ چاہی خود ہی اپنے آپ پہلے سے چمکی ہوئی تھی۔ میں نے گرامیوں پر دیکھا رکھ کر چلایا تو اس میں سے کہ ایل بھل کے گانے کی جگہ سب دھڑپ خوفناک آوازیں آنے لگیں۔ کچھ آوازیں ایسی تھیں جیسے کسی کا گھبراہٹا ہوا ہرج مرج میں عورت کی سسکیاں سنائی دینے لگی تھیں۔ کبھی کسی نے سے بچنے کے رونے کی آواز بھی آتی تھی۔ میں نے ایک کانڈ پر کھڑے سبیل لکھ کر گرامیوں پر دیکھا تو فوراً یہ آوازیں بند ہو گئیں اور دیکھا کہ اس کی کانڈ بچنے لگا۔ اب میں کانڈ اٹھاتا تھا تو خوفناک آوازیں شروع ہو جاتی تھیں۔ وہاں رکت تھا تو اسی گانے بچنے لگتا تھا۔ تجربے کے طور پر میں نے کھڑے سبیل کا اردو ترجمہ کر کے گرامیوں پر دیکھا تو کوئی اثر نہ ہوا۔ نئے کے الفاظ کو روکن حروف میں لکھ کر دیکھا تو پھر بھی کوئی اثر نہ ہوا۔ کھڑے سبیل کی یہ شہ سرف عربی زبان میں پائی۔

کھڑے سبیل کے علاوہ میں اپنی تقویت کے لیے آیت الکرسی سورۃ الفلق اور سورۃ الفاتحہ کا ورد بھی اکثر کرتا رہتا تھا۔ ایک رات میرے گرد وحوش ہول و صیحت کی فضا اپنے کاندے عروج پر پہنچی ہوئی تھی۔ انتہائی سنگین مایوسی، اضطراب اور اضطراب کے عالم میں میں نے قرآن شریف کھولا تو سورۃ الفلق نکل گئی۔ اس کی ایک سو یا کسی آیات کا ایک ایک حرف میرے لیے آج حیات کا گھنٹ ڈالت ہوا۔ خوف و ہراس کے ماحول میں جب بھی میں نے اس سورۃ کی تلاوت کی ہر بار تازہ زندگی اور تندرستی پائی۔

کئی ماہ کی نگار صیحت و صحت اور اسپتال کی تھم میں انجام کار یہ راز نکلا کہ افادہ میں برس پہلے اس گھر میں آئی تھی اس کا ایک لوباں وافر بارگرا تھا۔ شادی کا جھانڈ دے کر اس نے فز آد میں کالج کی ایک طالبہ بلا کماری کو درنگیاد و رخصت طور پر اسے اپنے ساتھ نکال لے آیا۔ شادی اس نے کرنا



ہوا میں سانس سانس کر رہی تھیں۔ ہر سوہو کا عالم تھا۔ کبھی گھبراہٹ کتے کے بھونکنے کی آواز سے اس خاموشی میں ارتعاش پیدا ہوا جاتا یا کوئی گیدڑ دیکھتوں سے نکل کر اپنی مخصوص آواز سے اس سکوت میں چیل چلا دیتا۔

ایسے میں رحمت اللہ کو کمرے کے گھر میں اس کی اشارہ سلاڑی سر دی کی پروا کے بغیر بھی میں ہے قرار دی سے پکارا دی میں گونگ تھا جسے وہ کہیں جانے کے لیے بے چین ہو۔ آخر یہ کہہ دیوں میں نے کے بعد وہ خاموشی سے کمرے کے نکل کر انوکھ قبرستان کی طرف جانے والی جگہ پکڑ لی تھی جہاں وہ رخت دھاتے گی۔ دونوں طرف کے ہونے قد آواز سے وہ رخت دھات کی اس تاریکی میں کسی دیو کی مانند گدے سے نہیں کہہ وہ اور گرد سے بے نیاز ہے خوف و خطر غیر رحمت اللہ کی جانب بڑی جلی جاری تھی۔ سر وہاں شدت آگئی تھی۔ اس نے اپنے گرد بھٹی سیاہ چادر کو اوپر بھی تختی سے خود پہ لپیٹ لیا۔ کچھ دیر میں وہ قبرستان کے آخری کونے پہ نئی جو پٹری میں داخل ہو گئی۔ جو پٹری میں موجود بدلتے شکل والے آدمی نے چونکہ آگ نہیں کھینک سکیں۔ وہ زمین پہ چڑھ کر مارے بٹھا ہوا تھم میں بکڑی سولے اور رنگ دار دانوں والی فصیح کو تیزی سے گھما رہا تھا۔ اس کی طرح کی کئی لاکھیں اس کے گلے میں بھی تھیں۔ وہ اپنے لیے اور اعزاز سے کوئی سا حلو نگہ نہ تھا۔

”آؤ۔ آؤ۔۔۔۔۔ میں تمہاری انتظار تھا۔“ لڑکی کو دیکھ کر اس کی لال لال موٹی آنکھوں میں چمک ابھری اور بڑی بڑی مونچھوں سے لوں پہ پراسرار سکراہٹ نمودار ہوئی تھی۔ لڑکی سر جھکا کر اس کے سامنے بیٹھ گئی۔

”میں معلوم ہے تم کس لیے آئی ہو؟“ سا دھو کر رب دارہ واز جو پٹری میں گئی۔

”آپ آنکھوں والے ہیں سب سمجھ گئے ہیں۔ میری کیا حال جو آپ کے سامنے بول سکوں۔“ لڑکی کا انداز میں عقیدت برآئی۔

”میں۔۔۔ تمہارا کام ہو جانے کا لیکن۔۔۔ وہ بولنے لگے۔

”لیکن کیا مہاراج؟“ وہ پچھتی سے بولی۔

”جس میں ہمارے پاس روز آتا ہوگا۔“ سا دھو کی بات پر وہ پریشان ہو گئی۔

”میں مہاراج۔۔۔ میں روز نہیں آ سکتی۔“ اس کے انداز پر سا دھو ج میں ڈوب گیا اور کچھ دیر بعد سر اٹھا کر بولا۔

”تمہیں کیا پوچھنی تو اوری رات۔“

”تمہیں کیا لیکن کیوں مہاراج؟ کیا میں زیادہ لمبا ہے؟“

”لڑکی کے استفسار پر سا دھو پر جلال لکھ میں بولا۔

”میں زیادہ سوال مت کرنا کر کام کر دانا ہے تو آ جاؤ۔۔۔۔۔“

”مارا مت ہو مہاراج۔۔۔ میں آ جایا کروں گا۔“

”ٹھیک ہے اب تم جاؤ۔“ سا دھو نے دوبارہ آٹھیں بند کر لیں اور تیزی سے فصیح گھمائے گا۔ وہ لڑکی اٹھی اور بڑی عقیدت سے سا دھو کے ہاتھ کو چوم کر باہر نکل آئی۔ اب اس کے قدم واپس گھر کی جانب تھے۔

”پانو۔۔۔ پانو۔۔۔۔۔ اٹھ جا۔۔۔۔۔ سہم ہو گئی اے۔“ پانو کی اس حید اس سے منجمد کر اٹھانے کی کوشش کر رہی تھی۔

اس نے سستی سے لوں کہہ کر دوبارہ سے لحاف اوپر لے لیا۔ ”اماں۔۔۔ اسونے دے ماں۔۔۔“

”کل ہٹ۔۔۔ اتنی دیر سو جا چکا لیکن اٹھ جا

تیرا ابا جے جا رہا ہے پانو پھر؟“ حید اس نے اسے اٹھانے کی آخری کوشش کی تھی لیکن وہ پھر سے کدو بدل کر سوتی بن گئی۔ حید اس سے گھورتی ہوئی کمرے سے باہر نکل آئی اور چھوٹے سے باورچی خانے میں آ کر کدو کھانے لگی۔

”شہر ہے“ وہ بول نکل آئی۔ کتنے دنوں بعد سورج نے اپنی شکل دکھائی ہے۔“ رحمت آج بھی کی طرف دیکھ کر بڑبڑایا اور حید اس کے پاس بیٹھ صاحبی کر بیٹھا۔ ”پانو جی نہیں اٹھی؟“ اس کے لیے بھی سچ بنی کے لیے محبت تھی۔

”میں۔۔۔ ایک نبر کی ڈھیل ہے یہ لڑکی۔“

حید اس تو بے چنگی روٹی پہ دیکھ کر لگاتے ہوئے بولی تو رحمت خس دی۔

”کمرے پہنچنے لہجہ سنی ہے اور غیر اکا ک دمی ہے ہماری۔ لاؤ کدو کھانے کی جاں۔“

”وہن دے تو رحمت“ بچی باشا اللہ جہاں ہو گئی ہے۔ تیرے لاؤں سے بگاڑا ہے اے۔“

حید اس نے اس کے آگے روٹی اور ساکن رکھتے ہوئے کہا۔

”لے زامیں نے ی تو نہیں بگاڑا اے؟“ آخر تیری بھی تو دمی ہے۔“ رحمت روٹی کا ٹوٹا توڑتے ہوئے بولا۔

”ہاں پھر بھی جی ہے میں انکار ہی توڑی آں میں یہ کہتی ہوں کہ گھر گھر دار کی سیکھ لے کر کل کل اس کا دیہا بھی تو کرنا ہے؟ تب جانے اس کے نصیبوں میں کیا کھائے؟“ اور لگاتے دیکھوں کے مقد سے رحمت بور کل کوئی نہیں۔“ حید اس گھر بندی سے بولی تو کچھ دیر کے لیے رحمت بھی خاموش سا ہو گیا۔

پھر جھک کر بولا۔ ”بھلی ماں ہوئے تے۔ نہ بچہ نہ ہوا کر میں اٹھا گئے گا کیا کر کہ وہ ہماری دمی

## الغزل

اور اللہ کی رحمت سے ناسیر مت ہونے لک اللہ کی رحمت سے وہی لوگ ناسیر ہوتے ہیں جو کافر ہیں۔

(سورہ یوسف آیت ۸۷)

ی نہیں بلکہ سب کی دیکھوں کے نصیب اٹھ کرے۔“ حید اس نے زہرب ”آمین“ کہا اور اپنے دل میں آنے والے دوسوں کو جھینکے کی کوشش کرنے لگی۔

”اماں! میں پانی لینے کو ہے جا رہی ہوں۔“ شام ہو چکی تھی۔ پانو نے کھڑا اٹھا اور ماں کو گویا اٹھا روٹی ہوئی چمپاک سے باہر نکل آئی۔ حید اس غصہ کی سانس بھر کر رہ گئی۔ پانو یہ واحد کام بڑی تندی سے انجام دیتی تھی۔ حید اس کے لیے سبھی قیمت تھا کیونکہ اس کی بڑبڑوں میں اپنی طاقت نہیں رہی تھی کہ وہ دور پرانے کھوہ سے پانی لا سکے۔ وہ تو پانو کے جانے پہ ساری جتن بھی بھجوری تھی گھر میں کوئی کٹی اور تھا بھی تو نہیں رحمت تو سارا دن چوہ دیوں کے کام کرتا تھا۔

پانو نے کھوہ کی طرف جانے والے رستے پر قدم بڑھا دیے تھے کہ اس کی کھلی زبنا بھی آگئی۔ دونوں سیلیاں پا میں کھرتے ہوئے ہل پڑیں۔

”پانو اتیرا کیا خیال ہے وہ تھ سے لٹے آئے گا؟“

”ہاں کیوں نہیں وہ ضرور آئے گا۔“ پانو نے سکراتے ہوئے کہا۔

”اچھا! آتا لیکن وہ بھی ایک اچھی پر؟“ زہرب نے شرارت اور خوشی سے کہا۔

”ہاں اور سن تو اسے ابھی تو مت بول جو دل

میں بس جاتا ہے ناں وہ بھر اجنبی نہیں رہتا اپنا ہوتا ہے تو بیٹے کی کیا توں جانی تو دل کا کتنا کیا اور سچا ہے؟ بانو کے لیے میں یقین تھا۔  
 "بانو! تو بے چارے ہے وہ اس گاؤں میں آیا ہے ہر طرف اس کے اطمینان اور کردار کا چرچا ہے۔" زلف نے بات ادھوری چھوڑی۔ بانو نے اس کا منہ پھیر دیا۔  
 "کون سا؟"

"جیسے وہ کون ہے اس کا تو کوئی آگے پیچھے بھی نہیں نڈھالت بات کا پتہ اور پھر نہ جانے وہ زلف کیسے کہتے رہی۔ بانو اس کی بات کا مطلب خوب سمجھتی تھی۔

"دیکھ! اسے غلامت کیوں کے بارے میں ایک بھی غلط حرف نہ سنوں گی کبھی تو سچا پتہ ہے وہ میرا اور پھر بیاد ذات بات رنگ نسل اور ملت کو دیکھ کر تو ہی کیا جانتا ہے بیاد تو یہاں سے ہوا ہے بانو کے چہرے پر محبت کے تمام رنگ بکھرے ہوئے تھے اس کی موٹی موٹی سیاہ کانٹیل بھری آنکھیں کبھی کبھی نہیں۔ وہ بھی خود بخود دھمکے۔

زلف نے اسے دھمکا تھا۔ اگر چہ کچھ سوچتا مگر وہ جانتا ہے چاہتا تھا وہ خود کو سامنے سرخ و سفید رنگت، کمزوری، ناگ اہر میں سے لب اور ان کے پاس چھوٹا سا سیاہ من جب وہ سرکاری ہوتی تو وہ کل بھی مسکراتا۔ سیاہ لیے بالوں کی چٹنی اس کی نازکی سی پتلی کمر پر بھونکی گئی، اضافہ ہر کسی کی عمر میں اس پر بھرا جاتی تھی۔

مکھوہ پہنچ کر بانو پر گھر کے بڑے سے درخت کے نیچے جا بیٹھی جبکہ زلف نے مکھوہ سے پانی بھر لیا۔ تو ہی میں بھی خواہصورت تو جوان بانو کے پاس آ بیٹھا۔ بانو نے منگی سے اسے دیکھا اور رخ مڑا لیا جبکہ اس کے خواہصورت ہونوں پر سکر اہٹ

کھیل رہی تھی۔

"معاف کرو! تو ہی دیر ہوگئی ایک ضروری کام پر گیا تھا پھر دیکھو میری طرف۔" تو جوان کے دھجے دھجے محبت بھرے لہجے میں نہ جانے کیا چادر تھا کہ وہ بنا اعتبار سے بکھینچے۔

تو جوان کی ٹیلی آنکھوں میں محبت ہی محبت تھی اس کا خواہصورت سفید چہرہ سیاہ بالوں کے بالے میں کسی چاند کی مانند مسکرتا تھا جب وہ سرکراتا تو اس کے سفید موتوں جیسے داغوں سے ایک روشنی بھونکی محسوس ہوتی۔ اسے گاؤں میں اسے ایک سال ہوئے کو تھا کوئی نہیں جانتا تھا کہ وہ کون تھا اور کہاں سے آیا تھا۔ یہی کسی اس کے اطمینان کے دہانے تھے اس کی شخصیت میں ایک دھماکا تھا۔

"یوں کیا رکھو ہو؟" اس نے سر کوئی کی۔  
 "پتہ ہے شہر یا رات بہت خواہصورت ہو۔ اگر تم لڑکی ہو تو ناں اب تک گاؤں کے تمام لڑکے تمہارے پیچھے لگ چکے ہوتے اور کوئی نہ کوئی۔" اس نے شرارت سے بات ادھوری چھوڑی تو وہ نہیں دیکھ کر غصے سے بولا۔

"بانو! اگر تم دونوں ایک نہ ہو سکتے۔" تو میں اپنی جان دے دوں گی سنا تو؟ نہیں رہ سکتی میں تیرے بغیر۔" بانو نے چارہ حادھا دیا میں کیا۔

"تو ہی محبت کرتی ہو مجھ سے؟" شہریار کے وجود سے اچھی محبت نے اسے دھو بی کر دیا۔ "بہت زیادہ۔" بانو نے مکھوہ کھنکھنے لہجے میں کہا۔

"سچ بانو!۔" اس نے یقین کیا۔  
 "بانو! کل کج۔" تو پھر دنیا کی کوئی بھی طاقت ہمیں الگ نہیں کر سکتی۔ شہریار نے بانو کے دونوں ہاتھ اپنے

ہاتھوں میں قلم لیے۔

دور کمزری زلف نے اسی وقت ایک عجیب منظر دیکھا اسے جس محسوس ہوا جیسے ہر کوئی ان کی محبت مجبور رہا ہو اسے ہر گھر کے درخت کی شاخوں سے تیلی شہا میں بھونکی محسوس ہوتی تھی۔

وہ چنچری اتار کر رات تھی ہلال پوری شدہ سے آسمان پر چمک رہا تھا۔ بانو اور بانو ہی کی چار پائی پر بیٹھے رات کا کھانا کھا رہے تھے۔ کھانا کھاتے ہوئے بانو کا ذہن تو ساہو کی طرف تھا جس نے آج رات اسے بجایا تھا۔ تمام کام ختم کرنا اس کا رخ ہوئی تو رات کے نو بج رہے تھے۔ وہ اپنے کمرے میں سے قریبی سے ابھر کر آکر چمک رہی تھی۔ اسی بے چینی میں وہ باہر نکل کر سامنے ہی لپا کھڑا تھا۔

"دیکھئے! کمزری اور وہ دن وہ بھی طرح بند کر لیا۔" وہ جاتے جاتے چلا۔ "مکھوہ تو کمرے سے باہر کیوں آئی؟"

"بکھینچیں! اب یہاں اس کی جی بانی ہے آئی تھی۔" "اچھا! ٹھیک ہے میں ادھر کھڑا ہوں پانی پی آؤ۔" وہ کچن کی طرف آئی۔ "مکھوہ سے پانی کال کر پیتے لگی۔" وہاں آئی تو باہر بیٹھی تھی۔

"ابا! اب تو جا کے سو جا۔" اس نے کہا تو وہ کمرے میں چلا گیا۔

آدھی رات کے وقت وہ چار پائی سے اچھی اور باہر آ کر اس لپا کے سونے کا اچھی طرح اطمینان کر لینے کے بعد وہ چپکے سے دروازہ کھول کر باہر نکل گئی۔ اس کا رخ قبرستان کی جانب تھا۔ رات بے حد تاریک اور سرد تھی۔ کچھ دیر پہلے تک تو چاند خوب چمک رہا تھا اچانک ہی سیاہ بالوں نے آسمان کو ڈھانپ لیا اور جیو ہوا بھی پھلنے لگی تھی۔

وہ تیز قدم اٹھاتی چھوٹی سی قریب آئی تو آگرتیوں کی تیز خوشبو نے اس کا احتیال کیا۔ وہ ایک لمحے کے لیے چھوٹی سی کے باہر نکلی اور پھر اندر داخل ہوگئی۔ ساہو کے سامنے عقیدت سے دوڑا تو بیٹھ کر اس نے سلام کیا۔ اس نے سر کے اشارے سے جواب دیا۔

"مہاراج!۔۔۔ میرا کام؟" وہ دھیرے سے بولی۔  
 "اتنی جلدی کیا ہے؟ تم پنشنو جس کے اثرات ہیں جس کے لیے مجھے تیس دن کا چلنا پڑا ہوگا۔" "اثرات! کیسے اثرات؟" وہ چونکی۔

"کالے چادر کے۔۔۔" ساہو نے ہمارا لہجے میں کہا۔  
 "کالا چادر؟ مجھ سے کسی کی بھلا کیا دشمنی ہو سکتی ہے؟"

"ضروری نہیں کوئی دشمن ہی وار کرنے کوئی عزیز کوئی دوست حسد میں بھی ایسا کر سکتا ہے۔ تمہاری خواہصورتی سے بل کر یا پھر۔۔۔" ساہو نے معنی خیز انداز میں بات ادھوری چھوڑی۔

"ابا پھر کیا؟" اس نے پوچھا۔  
 "ابا پھر تمہاری عزیزان تو جان چیز حاصل کرنے کے لیے۔" وہ عجیب سے انداز میں مسکراتے ہوئے بولا۔ "لیکن تمہیں فکر کرنے کی ضرورت نہیں سب ٹھیک ہو جائے گا میں تمہیں دم کرتا ہوں جس سے کوئی تم پر کھاری وار نہیں کر سکتے گا تم حفاظت میں رہو گی اور وہ تمہیں پہلے سے زیادہ جانے گا اور بانو تمہارے لمن کی رکاوٹ دور کرنے کے لیے چلے گا۔ ضروری ہے۔ تم مستقل آئی رہنا لگے۔" وہ خاموشی سے ساہو کی بات میں رن میں تھی۔  
 "ٹھیک ہے مہاراج۔۔۔" ساہو نے منہ میٹھ کر اس کی خوش چہرہ اور اس





”فہمیں بانو مت مہانا۔“ اسے اپنے قریب سے آواز آئی تو دوپچر کھینچ لی، اس کو گئی تھا۔ آدھی رات ہوئی تو وہ سناٹوں سے گھر سے نکل کر قبرستان کی طرف جانے والی مرکز پر چلنے لگی۔ اس کا دل ہر طرح دھک دھک کر رہا تھا جیسے اس کی سبھوئی کے ہونے کا احساس دلا رہا ہو۔ وہ خوفزدہ سی تیز تیز قدم اٹھا رہی تھی۔ وہ قبرستان کی آج اسے اتفاقاً کیوں محسوس ہو رہا تھا اس نے یہی محسوس کیا کہ آج قبرستان کا گھر جیسی قدرے طویل ہو گیا تھا جس کی اس کی پہچانی جس نے باور کیا کہ اس کے پیچھے کوئی آ رہا ہے۔ یہاں کی بانو نے پلٹ کر دیکھا لیکن درودک کی زدی روح کا کام نہ تھا۔ وہ چند قدم بڑی تو کوئی نرمی بنے اس کے پیروں سے ٹھکر کر گزری۔ اس کے قدموں میں اور تیزی آ گئی۔ ابھی وہ جھوٹیڑی سے یکجہڑی کا ایک سایہ سا تھیرے اس کے پاس سے گزر گئے اسے نکل گیا۔ خوف اور گھبراہٹ کے عالم میں وہ جھوٹیڑی میں داخل ہو گئی لیکن اندر کے سطر نے اسے مزید زیادہ دہشت زدہ کر دیا۔ سادھو کی مادیہ قوت سے نیرو زار تھا۔ سادھو کے سر سے خون بہہ رہا تھا گلتا تھا جسے اس کے سر میں کسی نے کوئی خت شے دے ماری ہو۔ اس کا سادھو کی نظر بانو پر پڑی۔ ”تم۔۔۔“ وہ بھول گیا تھا وہ غیر مرئی شے ملتی گئی ہو۔ ان کا سفید رنگ دہشت سے پھیلا پھٹا تھا۔

”ہاتھ بھاگ جائو“ وہ جو کوئی بھی تھا اس کا  
خبر خود تھا۔ ایک ہاتھ اٹھایا اور باہر کی جانب بھاگی  
لیکن ساحر نے اسے قابو کر لیا۔  
”کہاں چلی؟ اب میں تجھے پس جانے دوں گا  
بہت مبرور اور انتظار کیا ہے۔“ وہ سٹکی سے ہونے  
والے اس کے قریب آگیا۔ ہاتھ نے اپنی سانس روک  
لی۔ ساحر میں سے بد کے پتے نکل رہے تھے۔  
”پسے جانے دو.....“ وہ گڑگڑائی۔  
”تجھے جانے دوں؟“ وہ بڑی مشکل سے توجہ مگی  
ہے۔ اچھا ہوا تو خود ہی رو نہ میں کوئی اور طریقہ  
اختیار کرتا۔ ”ساحر نے اسے دھکا دیا۔ ہاتھ کوڑھ کر  
گھر پڑی۔ وہ اس کے اوپر جتنا تو اس کے ملنے سے  
جج بٹتی۔ ساحر نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا وہ  
خواب گئی۔ اس سے پہلے کہ وہ اپنے پیشانی منصوبے  
میں کامیاب ہوتا کسی نے ساحر کو اس کے لیے  
ہاؤس سے پکڑ بھیجے تھا۔  
”ذلیل.....“ غصے سے۔ تو باز نہیں آیا اپنے  
گھر سے اراؤں سے آج تو میں بے گناہ نہ نہیں  
چھوڑ دوں گا میں تجھے.....“ کسی نادیہ وہ خود کی آواز  
کو گئی ساتھ ہی ساحر کے ملنے سے دردناک جج  
برآمد ہوئی۔ اس کی پشت پر ملنے کا نشانہ ابھرا۔ ہاتھ  
وہ سادے سبب کی طرح تھی۔  
”رومان چھوڑ دے تجھے جلا کر کھم کروں گا۔“  
ساحر چلایا لیکن دھم سے ہی مل کر روپ گیا۔  
رومان ہی اس نادیہ شخص سے اس کی گردن دہائی  
تھی تاہم ساحر خود کو اس کی گرفت سے چھڑانے  
میں کامیاب ہو گیا اور فٹ سے چلایا۔  
”میں چلی ہوں چلا جا سکتا ہے۔“ اس بار  
ناٹوشی چھائی۔ ”.....“  
”.....“ وہ دھم سے کہا تھا ہاتھ کی طرف  
چلا گیا۔ وہ گھر کو دروازے کی طرف سرک گئی۔ ساحر

نے اس کے قریب جانے کی کوشش کی تو ٹھک گیا۔  
 "تم پھر آگے" شاید وہ زبان پاؤ اور ساہو  
 کے درمیان دوچار رہی کہ کڑوا تھا۔  
 "اب تم نہیں جانتے تھے مجھے مہراج....." اس  
 نے کہا اور دوسرے ہل چکی اس چکی ساہو کے سنبھلنے  
 سے پہلے ہی اس کا سر تن سے جدا ہو گیا۔ بانو خوف  
 سے بے ہوش ہو گئی تھی۔

[illegible]

”میں کیا کیا قسمت نوٹنے والی ہے اس گاؤں  
 کا درد کم کرے“ روت بہتی سی ہوئی۔  
 ”ہوا کیا ہے بانو کے ہاں“ عیدیاں نے  
 ہمدردی سے پوچھا۔  
 ”وہ“ غمزدان میں جو درویش نہیں رہتا  
 اس کے گرد کیا گیا ہے رات۔ اس کے اس کا  
 کسے سنگ کر دیا ہے۔“ روت لے لے رہی تھی بانو کی  
 سانس کے چہرے پر ہوائیں اڑنے لگیں۔  
 ”سنگ“ کیا کدہ ہے ہوتی ہے؟  
 ”سنگ کدہ ہاں عیدیاں نے بانو کی ہنسی کرتی ہوئی

فانپ کرو گيا ڪيودو جاني جي قاتل کون ٿي؟

رات کے اس پہرہ بھی وہاں موجود تھی اور اگر کوئی  
نے گھر داخل ہوا تو اس کے آگے دو چوہا بھی نہیں  
چلتے تھے۔ وہ قافلے میں بھی لیکن اس کھل میں چر  
تو تھا ناں اگر انساں کو کچھ چل گیا تو بڑی مصیبت  
ہو جائے گی۔ اسی نے گھبرا کر ماں باپ کو دیکھا جو  
اپنی باتوں میں مگن تھے۔ وہ خاموشی سے دوبارہ  
کمرے میں آکر لیٹ گئی۔

پولیس نے قاتل کو پکڑنے اور اس کا سراغ لگانے کا کام رمضان ماہی کے حوالے کیا تھا۔ وہ گاؤں کا بڑا ماہر اور مشہور کھوجی تھا آج تک کوئی قاتل اس کی نظر سے پوشیدہ نہیں رہا تھا لیکن رمضان ماہی کو اس وقت حیرت کا شکار ہو چکا تھا کہ سب وہ سامرو کے قاتل کا سراغ لگانے قبرستان پہنچا کیونکہ وہاں کسی بھی قسم کا کوئی نشان موجود نہیں تھا۔

انہوں نے چھپ چھپ چھان مارا ہر ایک جینی سے ہار ہار کر لیا لیکن اسے سراغ نہ ملا۔ وہ حیران بھی تھا اور نشان بھی۔

وہی ایسے ہی یارِ حیات پریشانی سے اپنے دفتر  
میں مل رہا تھا۔

”خدا کی کون ہے؟“ اور پھر اتنا جاہل کہ سارے  
مجموعی مسائل دیکھ کر پوسٹ مارٹر کی رپورٹ کے  
میں اس کو تیز دھماکے سے لٹک گیا کہ قاتل  
کے جسم پر چھوٹے نشان بھی پائے گئے تھے  
سے ظاہر ہوا تھا کہ وہ لٹک ہونے سے پہلے قاتل  
سے تھک سہم گیا تھا لیکن خود کو بھانے میں کام  
رہا تھا کہ اپنا کام کر دکھایا۔ وہ ان ہی خیالات  
میں اس کا کام کر سکتی تھی اسے بتایا کہ ایک  
مٹلانا جاتا ہے۔

”مجھ سے؟“ ڈی ایس پی بڑبڑایا۔ ”اچھا، بھیج دو۔“  
 ”سنتری واپس مڑ گیا۔ تھوڑی دیر بعد ایک  
 ان اندر داخل ہوا۔

"اسلام ٹیکہ" اس نے امداد آتے ہی سلام کیا تھا۔  
 "ولیکم السلام" یاد حیات اسے دیکھ کر بے اختیار آجے بوجھا۔ وہوں بھل کیر ہوئے۔ کیسے ہو؟ ڈی ایس نے اس سے کہا۔  
 "بالکل ٹھیک شکاک" تو جبران کے لیوں پہ سرکراہٹ تھی۔  
 "بھئیو" یاد حیات نے کڑی کی طرف اشارہ کیا اور خود بھی اس کے سامنے بیٹھ گیا۔  
 "ہاں بلو جناب شہریار صاحب" کہاں غائب تھاتے روزے؟ یاد نے اس سے پوچھا۔  
 "کہاں جانا ہے یا زہر شہریار تھاکا کسی کام سے۔" وہ کڑی کی پشت سے ٹپک لگے ہوئے بولا۔  
 "اچھا بھولا کھا کاگے؟ ویسے تو میرا دل چاہتے تھے کو کاہ رہا ہے۔" ڈی ایس نے یاد نے کہا تو وہ مسکرا دیا۔  
 "تو سنکالو۔"  
 "تم کچھ پریشان لگ رہے ہو؟" ڈی ایس نے بی شہریار کو بخورد بیٹھے ہوئے کہا۔  
 "میں..... کچھ نہیں بلکہ کچھ زیادہ ہی پریشان ہوں۔" شہریار کے چہرے پہ فکر مندگی کی لکیریں ابھری تھیں تو اس نے چونک کر اسے دیکھا۔  
 "کیوں؟"  
 "مانتا ہوں پہلے چاہے تو سنکالو؟" شہریار نے کہا۔  
 "اگے ہاں۔" ساتھ ہی ڈی ایس نے اپنے فون اٹھایا اور جانے لانے کا کہا۔ ٹھوڑی دیر بعد ہی وہوں چائے پی رہے تھے۔  
 "ہاں اب بلو کیا بات ہے؟" یاد نے چائے کا گھونٹ بھرے ہوئے کہا۔  
 "یادوہ جوں ہوا ہے ناں اسی سلسلے میں تم سے کچھ کہنے آیا ہوں۔" شہریار کی بات پر ڈی ایس نے

نے چونک کر ہاتھ میں پکڑا ہوا کپیرہ دیکھا۔  
 "مجھے اس کل نے انجمنوں میں ڈال رکھا ہے یا زہر کچھ نہیں چلے آتا کس کیس کا سرا کیسے نے گا؟" یاد پریشان سے بولا۔  
 "اسی انجمن سے توئی لے آیا ہوں۔ تمہارا کیا خیال ہے؟ اس کل کے پیچھے کون ہو سکتا ہے؟" شہریار نے سوال کیا۔  
 "بڑا زنجیر تہ پہ چلاؤ مشکل ہے۔" یاد نے کہا اور ساتھ ہی مختصر گفتگوں میں اسے واردات کے متعلق تفصیل سے آگاہ کیا۔  
 "ہوں..... میرے خیال میں یہ کام کسی ناویدہ ہستی کا ہو سکتا ہے درہم خور سوچو یہ کسی انسان کے بس کی بات نہیں ہے کہ وہ کل بھی کرے اور اپنا نام و نشان بھی مچھوڑے۔ میری معلومات کے مطابق وہ ساہوکاری چل رہی کاٹ رہا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ وہ چلے اٹھ ہو گیا ہو اور اس بارانی شے نے جسے وہ قابو کرنے کے پکڑ میں تھا اسے چل کر دیا ہو۔"  
 شہریار کی بات پر یاد اسے بروئے نظروں سے دیکھ کر ابولا۔  
 "تجھے تو تم ٹھیک ہو لیکن مجھے نہیں یقین آ رہا کہ کسی جسم پر چھوٹے نشان بھی ہیں۔"  
 "ارے تم ہی ان آدمی کا حلقوں کے اختیار میں سب کچھ ہوتا ہے۔ ہو سکتا ہے اس کا مقابلہ کسی طاقت ور جن سے ہو جاوے اور تم بھی جانتے ہو کہ کون کسی بھی روپ میں آسکتا ہے خواہ وہ چاقو کا روپ ہو یا بجر انسان کا ویسے مقتول کی لاش کہاں ہے؟" شہریار نے پوچھا۔  
 "وہ ابھی ہسپتال کے مرده خانے میں ہی ہے۔" یاد نے بتایا۔  
 "جتنی جلدی ہو سکتے اس کی لاش کو کھانے لگا دو بلکہ اسے ملا دو۔" شہریار نے پراسرار لہجے میں کہا تو یاد نے چونک کر اسے دیکھا۔

اسی کمرے ہو جہاں اس کی لاش جلا دوں لیکن وہ تو مسلمان ہے ناں بھر گویا۔" وہ ہنسنے لگا۔  
 "سنو۔" شہریار غصے کی سانس بھرے ہوئے بولا۔  
 "وہ مسلمان عالی میں تھا بلکہ ایک ہندو آدمی خود مختار تھا کالے جادو کا بار تھا اور یہ وہ بھر کر اس گاؤں میں رہ رہا تھا اور مزید ٹھیکانے حاصل کرنے کے لیے وہ پہلے کانٹے میں مصروف تھا۔ وہ کالے شیطان دیتا کا پچاری تھا۔ اسے خوش کرنے کے لیے ہر وہ کھانا اور گندہ مل کر تا قاس کی ہمارے اسلام میں سختی سے مخالفت ہے۔ اسے ہر وہ کام کرنا تھا جس سے شیطان دیتا خوش ہو کر اپنی ناپا پر اسرار ٹھیکانے اسے سوچ دیتا۔ وہ اپنی نفسانی خواہشات کی تکمیل کے لیے خواہ صورت لائیں کو اپنا شکار بناتا اور پھر انہیں شیطان دیتا کے چروں میں جا کے ذبح کر کے ان کا گوشت کھاتا اور جن چتا تھا۔ اس نے تین ماہ تک یہ گناہ تکمیل یہاں سے پھینک کے پہلے پہ واقع گاؤں میں کیا لیکن جلد ہی اس کا پل ٹکڑ کیا دیوان سے وہ اپنی جان بچا کر بھاگ نکلا اور مختلف جگہ پر بدو اس گاؤں میں آکر کھانا کھاتا۔ اس نے یہاں سے رحمت ملی اختیار کی کہ وہ اپنا شکار گاؤں کی لڑکیوں کے بجائے آس پاس کے علاقوں سے حاصل کرتا اس کی طاقتوں میں اضافہ ہوا تو اس نے اپنے استاد کے کہنے رائی لڑکی کی تلاش شروع کر دی جس کا ختم ایس کی تاریک رات میں ہوا ہو جس کا گوشت کھا کر اور خون پی کر وہ اور جگہ کا سب سے بڑا شاہنشاہ بن گیا تھا۔ ایس کی رات میں پیدا ہونے والی لڑکی کی نشانی یہ تھی کہ اس کے جسم پر گردن پہ کالا گردن نشان ہوگا۔ اس سے پہلے کہ وہ اپنے افرادوں میں کامیاب ہوا اسے لگ گیا تھا لیکن اصل کہانی تو اب شروع ہوئی۔ اگر اس کی لاش کو جلا دیا نہ کیا تو اس کا گرد اور اس کی قدامتوں میں اسے نکال

لے جا کیس کی اور اس کا جو مقصد اور حورارہ کیا ہے وہ پورا کر کے اسے دوبارہ زندہ کی دے دیں گی بھر بہت چاہی گئی جانیے تمہیں معصوم بڑیا کیس شیطان کی ہوس کی ہیئت چمکے گی؟ خون کی بولی کھلی جانے کی ہمارے کلک پہ شیطانوں کا قبضہ ہو جائے گا۔" شہریار خاموش ہو گیا جبکہ یاد حیات ساکت بیٹھا تھا۔  
 "کو۔۔۔ ہائی گاؤ؟" اس کے لیوں سے نکلا۔  
 "حق۔۔۔ تم نے یہ سب معلومات کیسے کھنکھ کر لیں؟"  
 "میں اسی سلسلے میں گاؤں سے باہر گیا ہوا تھا۔ دراصل مجھے اس پر بہت پہلے ہی شک ہو گیا تھا۔ میں نے چھپ کر اس کی کھانی کچی کی تھی۔ اگر تمہیں میری بات کا یقین نہیں تو جاؤ جا کے اس کی جھونپڑی کی تلاش کرو۔" وہیں معلوم ہو جائے گا۔ میں تو اسے زندہ گرفتار کر رہا کے دنیا والوں کے لیے عبرت کا نشان بنانا چاہتا تھا لیکن افسوس وہ میری غیر موجودگی میں قتل ہو گیا۔ اچھا اب میں چلا ہوں۔ تم اب ان معلومات کی روشنی میں اپنی تفتیش کو آگے بڑھاؤ۔ اٹھ حافظہ! شہریار تھانے سے نکل کر سیدھا کمرے کے درخت کے پاس پہنچا جبکہ ڈی ایس نے یاد حیات نے فوراً کارروائی کا فیصلہ کر لیا تھا۔ اسے یقین تھا کہ شہریار جھوٹ نہیں بول سکتا۔ وہ دونوں تقریباً ہم عمر ہی تھے۔ وہ چار ماہ قبل شہر سے فرار ہو کر دھڑور پور آیا تھا جہاں اس کی اتنی جان بچان نہ تھی لیکن یہ شہریار ہی تھا جس نے اس کی برقعہ پہ دھار و رہنمائی کی اور یوں وہ اس مختصر سے عرصے میں گاؤں کے کسی کو کوں کا جان کیا تھا۔ چھوٹے سونے کیسوں میں بھی شہریار کا کھنکھائی کی مدد کرتا تھا۔ یہ کیس ذرا مختلف نوعیت کا تھا اس لیے وہ سوچ بیکہ برقعہ ڈھانڈھا جاتا تھا۔ بہر حال جو بھی تھا وہ اپنی اور شہریار کی دوستی پہ غور کرتا تھا۔

پانو کو شہر یار کی آمد کی خبر ہوئی تو وہ بھاگتی ہوئی  
ہائے کھوہ پر آئی اور سیدی پر گم کردے درخت کے  
پائے چٹکیاں سے محب کو دیکھ کر اس کے قدم  
لڑکھائے اس کا محب اس کا یاد درخت کے سنے  
سے سر ٹکائے آٹھیں سونے بٹھا تھا۔ وہ اس کے  
قریب ہوئی تو شہر یار نے اپنی آنکھیں کھول دیں۔  
”بانو“ وہ نکلا۔  
بانو بے قراری سے اس کے قریب آ گئی۔  
شہر یار نے اسے اپنی بانہوں میں بھر لیا۔ آج پہلی بار  
ایسا ہوا تھا کہ وہ اس کے اندر تڑپ دیکھتی ہوئی تھی۔  
شہر یار کے سینے سے کی وہ دور رہی تھی۔  
”کہاں چلے گئے تھے؟ کیوں گئے تھے؟ پتہ تو  
تھا ان میں تمہارے بغیر نہیں رہ سکتی کیوں دور سے  
مجھ سے ازلیہ کبھی مجھے چھوڑی مگر کی وہ میں کتنا روٹی  
اور تری لیکن تم نہیں آئے۔“ وہ سبک دہی تھی۔  
شہر یار اس کے بالوں میں اٹکیاں بکیر رہا تھا پھر  
دھیرے سے اسے خود سے الگ کر کے اس کے آئندہ  
صاف کیے۔  
”چپ کر نہ صاف کر دو آپ کہیں نہیں جاؤں گا“  
کسی بھی نہیں ”تمہارے پاس رہوں گا۔“  
”وعدہ؟“ بانو نے اپنی پھٹی آگے کر دی تو  
شہر یار نے سر کا پناہا تھا جس کی پٹلی پر کھڑی۔  
”پناہ دے؟“  
پھر دونوں ہنس دیئے۔  
اب تک شہر یار نے اس سے پوچھا۔  
”ایک بات پوچھوں تم نے انوکھیں مناؤں گی؟“  
”کو بھلا میں کیوں تمہاری بات کا برا ماننے  
گئی؟“ بانو نے سبب ہماری غلوں سے شہر یار کو  
دیکھتے ہوئے کہا کہ شہر یار بچیدہ تھا۔  
”کیونکہ تم اس معاملے کے پاس تو نہیں جاتی رہی

جوتل ہوا ہے؟“

بانو ایک دم گریو اپنی پھر سنبھل کر بولی۔ ”نہ  
نہ نہیں سہم۔ میں کیوں جاؤں گی اس کے  
پاس؟“ شہر یار نے بخور اس کے چہرے کو دیکھا اس  
نے غصہ کر لیا۔  
”اچھا چھوڑو ان باتوں کو نہ کہو۔“ کچھ تو تمہارے لیے کیا  
لایا ہوا۔“ اس نے جب میں ہاتھ لایا کہ سر پر شور بیز  
رنگ کی چڑیاں پاؤں کی آنکھوں کے سامنے کر دیں۔  
”ارے یہ تو بہت پیاری ہیں۔“ ایک دم سے  
خوش ہو گئی۔ ”خوبہ یاد۔“ اس نے فوراً اپنی کھانسی  
کے سامنے کر دی۔ اسی وقت بانو کی چادر سر کر  
چپ کر رہی شہر یار نے چپک کر اس کی گردن کی  
طرف دیکھا۔  
”یہ نشان۔“ اس کے ذہن میں جھماکا سا  
ہوا۔ اس کے چہرے سے پریشانی محک اپنی۔ بانو  
نے اپنی چادر درست کی۔  
”کیا ہوا؟“  
”آج میں کچھ نہیں لادو کھانسی چڑیاں بہت اڑیں۔“  
بانو نے سر کر اس کی طرف کھانسی کا ڈھالی۔  
”تو کچھ خیال رکھا کر دور ہیں آج تمہارا دم۔“  
”کیوں؟“ وہ یوں سے بولی۔  
”ارے ویسے ہی کہہ رہا ہوں اچھا وہ تو خوب  
کدھر ہے؟“ شہر یار نے پوچھا۔  
”تو؟“ بانو انھیں سے بولی اور پھر ساری  
بات شہر یار کو بتادی۔  
”یہ تو۔“ اس نے اپنے گلے سے تو بھرا۔  
”اب اسے حفاظت سے رکھنا۔“ بانو نے اسی وقت  
تو بھگت گئیں یہاں تک۔  
.....  
ایسی بی بی یاد حیات نے ہسپتال فون کر کے  
ساھو کی لاش منگوانے کے لیے وہ چابی ہسپتال

روانہ کر دیتے تھے اور اب بے چینی سے انتظار کر رہا  
تھا اس کے موہاں کی تھل تھلی۔  
”ہیلو ایڈیس بی بی یاد حیات اسٹینک۔“  
دوسری جانب سے گھرانی ہوئی آواز سنائی  
دی۔ ”سرم۔“ میں ڈاکٹر احمد بول رہا ہوں۔“  
”کیا ہوا ڈاکٹر احمد؟“  
”خبر ہے میں ہے سر اس کی ساھو کی لاش مردہ  
خانے سے قلاب ہے۔“  
”واٹ؟“ یہ خبر سننے ہی اسے جھکا لگا تھا۔  
”جیسن یہو کیسے؟“ وہ غمزدی سے بولا۔  
”معلوم نہیں مگر مالاکہا میں اس کی سیکورٹی بہت  
خفہ ہوتی ہے کوئی اندر داخل نہیں ہو سکتا۔ کچھ نہیں  
آتا۔“ سب کیسے ہوا؟ آج تک تو وہ لاش موجود  
تھی لیکن جب آپ کے بندے پہنچے اور ہم وہاں  
گئے تو لاش غائب تھی؟“ ڈاکٹر دھو کی بات پر وہ  
پریشان ہو گیا۔  
”آپ نے اچھی طرح چیک تو کیا ہے ناں؟“  
”جی سر مردہ خانے کا چپہرہ دیکھ لیا مگر کچھ نہیں  
آتا کہ لاش کہاں؟“  
”ٹھیک ہے بعد میں بات کرتا ہوں پھر بھی  
آپ دوبارہ چیک کریں۔“  
”کو کیسے؟“  
رابطہ منقطع ہوا تو یاد حیات نے فوراً ایک سائی  
بجج کر شہر یار کو بلا بھیجا۔ ”تو ہی ای دیر میں وہ تو  
روہ دیکھتے تھے۔“  
”میں سمجھا تھا ہوں یقیناً یہ اس کے گرد اور غلام  
راجوں کا کام ہے وہ اسے اپنے طرسانا جنگل میں  
لے گئے ہوں کہ جو یہاں سے چال کی طرف ہے  
انہوں نے اس کے جسم کو اپنے چادر کے ذریعے  
طرسانا بنا دیا ہے۔ اس کے اندر کوئی بھی عام انسان  
داخل نہیں ہو سکتا جو بھی اس کے قریب جائے گا جیل

کر جسم ہو جائے گا۔“ شہر یار آنکھیں بند کر کے بول  
رہا تھا۔  
”ہوں اس کا مطلب؟ میں سب سے پہلے ایسے  
عنصر کو اصرار ہے جو اس کا طلسم ختم کر سکے۔“ یاد  
حیات نے کہا تو شہر یار نے اثبات میں سر ہلادیا۔  
”بالکل اپنی جلدی ہو سکے ایسے عنصر کو اصرار  
ورنہ بہت برا ہوگا کیونکہ ان کا ہدف اسی گاؤں میں  
موجود ہے اور نتیجے میں ہے وہ اس پر ضرور حملہ کریں  
گے۔“ وہ بے قراری سے بولا۔  
”ایسی بی بی نے چپک کر اسے دیکھا۔“ کون  
ہے وہ؟“  
”بانو۔“ رمت اندھ کو کھڑکی بیٹھی۔  
.....  
رات گوی اور خاموش تھی۔ بانو اپنے کمرے  
میں سو رہی تھی کس سے لگا جیسے اس کی پٹلی کی طرف  
کوئی کڑا ہوا ہے اس نے فوراً آنکھیں کھول کر  
سامنے دیکھا لیکن وہاں کوئی نظر نہ آیا اسے خوف  
محسوس ہوا تو وہ سوچ کر دو دروازے کی طرف بڑھی  
کہ اس کا لپاؤ کچھ کیوں کر جیسے اس نے ہاں ہر قدم  
لگاؤا درخت سے لگ رہی تھی۔ اس کے سامنے نہایت  
بسیا تک اور بڑھل تھوکی کڑی تھی۔  
اس کا قدم گھور کے لیے سنے کی مانند تھا اس کا  
رنگ تارکول سے بھی زیادہ سیاہ تھا چہرے سے موٹی اور  
سرخ آنکھیں خون سے مبرے سے دو پیالے لگ رہی  
تھیں اس کے دانت لیے تھے جو منہ سے باہر نکلے  
ہوئے تھے اس کے چوڑے اور سونے ہونٹ لگ کر  
پینے تک آ رہے تھے اس کے گلے ہوئے کالوں سے  
دھواں نکل رہا تھا اور پورے جسم پر سیاہ جال تھے۔  
اس غلوں کی حرکت کی اور بانو کی طرف  
بڑھی۔ اس نے سم کر اسے دیکھا اور اس کے لبوں  
سے زوردار چیخ نکلی اور وہ پھرا کر زمین پر گر گئی۔

ابن ابی حنیفہ سے کہہ دیا کہ وہ بڑے ہنسے تھے جہاں  
ہاؤس بے ہوش پڑی تھی۔

جی نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔  
”پریشان مت ہو وہ جہاں بھی ہوگا“ خیر مت  
سے ہوگا۔

”ہا ہا جی اس کی طبیعت خراب ہو گئی تھی۔  
”جیسا ہے؟“  
”میں نے کہا تھا وہ ٹھیک ہے۔ تم چلو۔“  
”ابھوں نے شفقت سے کہا۔ ہارنے کا گڑی اسٹارٹ  
کی اور بھگنے کے لئے پڑا دی۔

ہا ہا ہا نے جلی فرست میں بھگنے کے قریب ڈیرا  
لگا دیا پھر اپنا عمل شروع کیا۔ آدھی رات کے وقت  
”ابھوں نے مٹی کا جیل اور مٹی کی چاروں طرف مٹی  
کا تیل چھڑک دیا۔ مٹی میں کچھ پڑا کہ وہ حصار کی  
ہاندھ رہے تھے یا تو گڑی بھی اس بھگنے سے نکل نہ  
پائے۔ جب وہ تیل چھڑک کر فارغ ہوئے تو ابھوں  
نے فوراً آگ لگادی پھر تو انسانی چیخوں کا ایک شور  
بلند ہوا۔

”بھوکو۔۔۔ بھاؤ۔۔۔ ہمیں صاف کرو۔“ وہ دو  
رہے تھے چار رہے تھے۔ ”موتوں میں آگ نے تمام  
جنگل جاکر رکھ کر دیا۔ مٹی میں خشک گڑ اور اس کی  
تمام روئیں بھی جلی کر رکھ ہوئیں۔ ہا ہا ہا نے فوراً  
تمام رکھ کر کھڑے ہوئے۔ وہاں بھی کھڑے ہوئے۔ ڈی

ایس کی یاد دہانے پر وہ اپنے بندوں کو کھڑکی میں لگا کر اور  
خود ہا ہا کی کمرے کے چوڑی حلقہ کے اندر سے پھاڑا۔  
”ابھی تھوڑی دیر کی گزری تھی کہ مت دھوا آئی۔  
”سرکار میری مدد کریں میری بیٹی کو بھانسیں۔“  
ہا ہا ہا فوراً اٹھے۔ ”چلو۔“ ان کے ساتھ  
چہرہ کی یاد اور یہی جلی چڑے۔

ہا ہا ہا نے ہاتھوں دیکھا جو بے ہوش پڑی تھی۔ وہ  
مراتے میں چلے گئے جبکہ وہاں چوہو جھوٹا کے  
چہروں پر پھیلائی نمایاں تھی۔ کچھ دیر بعد ہا ہا ہا نے  
آٹھیں کھول دیں۔

”پریشانی والی کوئی بات نہیں ہنگامی ہاتھوں  
نے بے خوف زندہ ہو گئی تھی۔ دراصل اس بچی کی  
پیدائش ماں کی تاریک رات کو ہوئی ہے جس کی وجہ  
سے بیچانی تو میں اس پڑاؤ انداز ہونے کی کوشش  
کرتی رہی جس میں وہ کسی حد تک کامیاب بھی  
ہو گئیں۔ یہی وجہ تھی کہ یہ ساڑھو کھڑے جال میں  
پھنس گئی اور یہ اس کے پاس جانے لگی لیکن ساڑھو  
اس پر وار نہ کر سکا کیونکہ یہ سخت حفاظتی حصار میں رہی  
ہر بار اسے کوئی بھارتا پڑا۔ کل رات بھی ساڑھو کی تمام  
روئیں اسے لینے آئی تھیں جنہیں وہ دیکھ کر بے ہوش  
ہو گئی۔ وہ روح اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکی  
کیونکہ اس کے گئے تھے تو یہ قمار جو اس کی حفاظت  
کر رہا تھا۔ سب سے بڑھ کر اس بچی کا محافظ وہ ہے  
جس نے اسے یہ خوف دیا ہے۔“

”لیکن ہا ہا ہا آخر وہ کون ہے جو ہانوی  
حفاظت کر رہا ہے؟“ حیدر اس نے بے چینی سے  
پوچھا۔

وہ بزرگ مسکرا دیے۔ ”وہ اس کا بچپن کا ساتھی  
اور عاشق ہے۔“  
”سب کے منہ حیرت سے کھلے رہ گئے۔  
”عاشق؟“

”ہاں جو صرف اس کے لیے سب چھوڑ کر آیا  
ہے۔ تم لوگ اسے اچھی طرح جانتے ہو اور پہچانتے  
بھی ہو۔“ ہا ہا ہا نے ان کے گھس میں اشارہ کیا۔

”اس کا نام شہر یار ہے۔“  
”شہر یار؟“ بے اعتبار سب کے ہونٹوں سے  
نکلے۔

”ہاں شہر یار وہ ابھی آتا ہوگا ہا ہا ہا تم وہی  
ماتے گا۔“ کچھ دیر میں شہر یار بھی آ گیا۔ اس کے  
چہرے پر مسکراہٹ تھی۔  
”ہا ہا ہا آپ کی اعجازت ہو تو ہاتھوں دیکھ لوں؟“

## دو بوند پانی

زمین سے اٹھ کر  
ہا ہا ہا میں تیرنے لگا  
میرے جیسے کاغذ بوند پانی  
مبارک کے گم سے  
ہا ہا ہا نے اسے ہمک دیا  
برسات کی صورت

☆  
اک بوند پانی زمیں نے چھی  
کہ وہ اسے ذخیرہ کرے گا  
میرے مستقبل کے لیے  
اک بوند بھدے  
دو آؤں تالیاں اور پانچوں سے!

☆  
میرے مستقبل کا پانی  
میرے بڑھانے  
پورے کر کے نکال لیا  
اور

میرے گم کرنے والی بوند کو  
اک دوسرا پانی  
کشتن پے سے منجھ لیا  
میں پیاسی رہ گیا!!

☆  
ہر دہائی ی کہتے ہیں  
بڑا ہوا بڑا گیا  
انصاف کہیں بھی نہیں ملتا!!

## آخر شہاب

## شہید کی کہانی | ہمارے وطن کا دفاع کرنا والے شہیدوں کے حوالے سے ایک گلداز سونچ

منزلہ سہام مرزا



علامہ اقبال کی یاد و ذلیل  
شہادت ہے مطلب و حضور مومن  
نہ مال قیمت نہ کشور کشائی

قوم کو حیات بخشے والے شہیدوں کی سونچ پر مبنی ایک دل گداز سلسلہ

بہت دل چاہتا ہے کہ جب آپ سے مخاطب ہوں کوئی خوشی کی خبر ہو کوئی اچھی بات ہو جس پر میں اظہار مسرت کر سکوں اپنے دور سے متاثر کر سکوں دل چاہتا ہے کہ بہر سکون کتاب حالات پہلے سے بہت اچھے ہیں مگر میں سختی رہتا ہوں کہ خوشی کی خبریں سکون بختری رہتا ہوں خوشی سے چپکے دیکھ چہرے دیکھ سکوں اختصر ہی رہتا ہوں کہ تجویز کی آواز میں کانوں میں پریں مگر کیا کروں صرف آؤ فغان ہے غم سے سیاہ پڑتے چہرے ہیں آنسو سے بھری آنکھیں ہیں۔ میں یہ سب محسوس کر سکتا ہوں میں یہ سب دیکھ سکتا ہوں کیونکہ میں شہید ہوں اور شہید ہر انہیں کرتے۔ مجھے یاد ہے ایک بار گاؤں میں چاچا رحمت کے کمرے آگ لگ گئی تھی شاید تھوڑا جلا رہ گیا تھا۔ چاچا پانی کا جینا نہ بھول گئی تھی بس بھر گیا تھا آگ سارے کمر میں پھیل گئی تھی صحن میں گلاس بھروس کا ڈھیر تھا آگ پہلے اس نے پکڑی پھر تو سارا گرجا ڈھیر بھگنے لگا۔ میری مردوں بارہ سال ہوئی۔ اللہ نے خبر کی مگر والے سب محفوظ رہے نہ چاچا رحمت کا چھوڑا والا پتا رہے جو میرا بھی بہت اچھا دوست تھا اس کے چار بکتر مل کر مر گئے تھے۔ خبر سے میں بندھ گیا اس لیے اڑ گئی نہ سکے وہیں مل رہے۔ میں ملور برکتے کتے دن ان کو یاد کر کے روتے رہے تھے اس لیے کہ ہم سارا دن ان کے ساتھ کھیتے تھے ان کو داد کھاتے تھے انہیں میں نے کر یاد کرتے تھے۔ جب وہ ہمیں اپنی چھوٹی چھوٹی جنگلی آنکھوں سے دیکھتے تھے تو بہت خوش ہوتے تھے ہم یہ سب جب یاد آتا تو وہ آجاتا کتے دن ہم سے پیٹ بھرنا نہ بھی نہ کیا گیا۔ ان کے ساتھ وقت گزارا تھا ان کو ایسے کیسے بھول جاتے پھر میں بڑا ہو گیا تو جن میں چلا گیا مگر جب بھی گاؤں آتا تو برکتے سے ملنے ضرور جاتا۔ جب اس جگہ پر ضرور نظر پڑتی تھی جہاں وہ بیٹھ رہا تھا۔ جن میں ہمارے پیارے چار بکتر مل کر مر گئے تھے۔

قول کر لیں اور پہلے کی طرح نور پور میں رہنے دیں۔ میں وعدہ کرتا ہوں میری ذات سے کسی کو نقصان نہیں پہنچے گا۔ میں آپ مجھے ہاتھ سے رحمت کر رہا۔ یہ کچھ روزوں کی آنکھیں میٹھیں گئیں اور وہ عاقب ہو گیا۔ وہاں موجود افراد حقیقت جان کر سناکت دجلہ سے کھڑے تھے جبکہ ہاتھ اپنے عاشق کی وفاداری پہ پھوٹ پھوٹ کر روئی۔ ہاتھ نے شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ پیرا۔

”چپ کر مٹی کو وہ ہمیں چھوڑ کر چلے جائے گا۔“ پھر وہ چوہدری حشم سے مخاطب ہوئے۔ ”یہ راز صرف آپ لوگوں کے علاوہ کسی کو معلوم نہیں اسے راز ہی رہنے دینا اور وہ راز (شہید یا) کو کسی جدا مت کر دینا۔ یہ آپ سے ایک بیٹے کے باپ کی درخواست ہے۔ میں وہاں کا باپ ہوں۔“ یہ کہہ کر وہ رنگ میں غائب ہو گئے۔

اس واقعے کو پانچ سال ہو گئے ہیں نور مان شہید کے روپ میں ہی اسی گاؤں میں رہا ہے۔ ہر جگہ کا پور حادرت شب بھی ہاتھ اور شہید کے لیے بائیں داہنے ان کا انتظار کرتا ہے۔ گاؤں والے نور مان کی حقیقت سے واقف نہیں جن چند افراد کو معلوم ہے وہ پہلے سے بھی زیادہ اس سے محبت کرتے گئے ہیں اور بانو۔ تو وہ ہے ہی اس کی دیوانی اس نے شادی نہیں کی ہے جب بھی وہ ہے قرار ہوتی ہے ہر جگہ کے درخت کے نیچے کھڑا ہو کر ”شہید یا... شہید یا...“ پاتی ہے تو اس کا محبوب فوراً حاضر ہو جاتا ہے۔ اس طرح اس کا بیکر وہ عظیم محبت کا سلسلہ جاری و ساری ہے۔

میں سے جب اور بھی محبت کی کہانی نور مان کی اجازت سے مدم کی ہے اب اس میں گاؤں کا نام اور کرداروں کے نام فرض ہیں کیونکہ نور مان نے مجھے اسی شرط پر اس کہانی کو کہنے کی اجازت دی تھی۔

”ہاں“ کیوں نہیں بھلا ہے ہوش میں بھی لاؤ۔“ وہ میرے سے چلنا ہوا ہاتھ کے پاس آیا۔ اس نے کچھ بڑھ کر ہاتھ پر بھونکا ”تب رحمت اور حیدان جہان رہ گئے۔ انہوں نے اپنی بیٹی کو ہوش میں لانے کے کتنے جتن کر ڈالے تھے لیکن بے سود۔ اور اب شہید یا کی ایک پھونک سے ہی وہ اٹھ بیٹھی اور اسے دیکھ کر کھڑا نہ گئی۔

ہاتھ اٹھے اور پیلار سے اس کے سر پر ہاتھ پیر کر سکر لائے۔

”اب تم کو نور خوردار کون ہو تم؟“ شہید یا چلا اور میرے سے سر جھکا دیا۔

”یہ رحمت آپ کا گم کیسے مل سکا ہوں؟ میں قوم اجنا سے ہوں۔ میرا اصل نام نور مان ہے۔ لیکن روز میں اس گاؤں سے گزرا تو ایک غصہ پورستی کی بچی کو دیکھا جو کہہ کے پاس گئے ہر جگہ کے درخت کے نیچے ہم جڑیوں کے ساتھ کھیل رہی تھی۔ میں بھی اس وقت نور ہی تھا۔ وہ مجھے بہت پیاری لگی۔ اس کی ہم چڑیاں اسے ہاتھ کر پھار رہی تھیں۔ اس بچی کو دیکھنے کے بعد میرا دل میں چاہ رہا تھا کہ میں داہنی جاؤں لیکن مجھے داہنی اپنی دیا میں لوٹنا پڑا۔ تاہم میرا دل مجھے روز ہر جگہ کے درخت کے پاس کھینچتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے ایک خاص انعام سے نوازا ہے کہ میں باطنی اور مال میں ہونے والے واقعات و حالات جان لیتا ہوں پھر جب ہاتھ کے متعلق مجھے پتہ چلا تو میں بہت پریشان ہوا۔ ہاتھ جان ہوئی تو میں اس کی محبت میں جیسے سرتاپا ڈوب گیا اور اس کی حفاظت کے لیے انسانی روپ میں نور پور چلا آیا۔ میں نے ہاتھ کو قبرستان میں ڈال دیا تھا اس کے کمرے میں آگے اسے روکا بھی لیکن پھر جو کچھ ہوا سب جانتے ہیں آپ لوگوں سے بس میری یہی درخواست ہے مجھے اس سے روپ میں





”جیسے ضرور کوئی غلطی ہوئی ہے۔“ بابر خان نے ایک مرتبہ پھر ایسا جیپ میں ہاتھ ڈالا چاہا۔

ارسلان نے آگے بڑھ کر اس کے منہ پر زنا کے کایک پھڑر سید کر دیا اور بولا۔ ”میں نے کہا ہے ہاں کہ اپنے ہاتھ ہی کو تو میں رکھوں۔“ پھر وہ تھوڑے سے بولا۔ ”اس ڈھیل آؤ گی کی جی جی لو۔“

”تم کیا کر رہے ہو تھوڑے میں تم سے بہت سنتر ہوں۔“

تھوڑے سے اپنا کپ پٹ سے اس کی گردن دبوکتی اور بولا۔ ”میں جانتا ہوں کہ تم کتنے سنتر ہو۔“ پھر اس نے بابر خان کی بیٹوں سے ایک ریوا لوزر تیل فون اور تقریباً پانچس ڈیڑھ امریکن ڈالر پر آدھ کیے اس نے وہ سب چیزیں میری طرف بڑھا دیں۔

”کب اپنے دونوں ہاتھ سر پر رکھو اور کہنے ہو چاہو۔“ تھوڑے سے اسے جھٹکے سے کھڑا کر دیا پھر ارسلان نے بولا۔ ”اس کی پنڈلیوں کے ساتھ جی ایک ایسا لہرا اور پھر بندھا دیا ہے میں وہ اتالی میں پھر اس سے بات کر گیا۔“

”تھوڑے میری بات مالا تم بہت بڑی غلطی کر رہے ہو۔“ میں اس کی حکم میں تب سے سنتر ہوں۔“

اس دوران میں تھوڑے اس کی پنڈلی سے بندھا کر ایک ریوا لوزر پٹے اندر لیے پھل کا دو دھاری جھڑھی نکال لیا پھر اس نے بابر خان کے چہرے پر زنا سے ڈاک پھڑ مارے ہوئے کہا۔ ”تم نے عہدائد بھائی کو مارنے کے لیے شہدی سے کتنے پیسے لیے تھے؟“

”میں..... میں..... عہدائد کو ماروں گا؟“ بابر خان بڑھائی سے بولا۔ ”وہ میرا بھائی تھا دوست تھا میں.....“

”کب یہ ڈاکا بولنا بند کرو بابر خان!“ میں نے مٹکی دفعہ زبان کھلی۔ ”کبھی شہدی نے خودی ہمیں بتایا ہے کہ تم نے عہدائد کو ہلاک کیا ہے۔ تاؤ تم نے ایسا کیوں کیا ہے؟“

”شہدی نے تم سے جھوٹ بولا ہے۔“ بابر خان نے پنڈلی لیجے میں کہا۔ ”تا کہ تم لوگ میرے خلاف ہو جاؤ۔“

”تم شاید بھول رہے ہو کہ تمہارے علاوہ وہاں عہدائد بھائی کا ایک آؤٹی اور بھی موجود تھا۔“ تھوڑے نے اندر میرے میں تیر چلایا جڑتے پر لگا۔

”میرے علاوہ وہاں کوئی تھا وہاں؟“ بابر خان نے کہا۔

”کوئی تھا نہیں.....“ ارسلان نے کہا۔ ”میں اس بحث میں نہیں پڑنا چاہتا۔ تم تاؤ کہ تم نے عہدائد بھائی کو کیوں مارا ہے؟“

”میں نے اسے نہیں مارا۔“ بابر خان نے وضاحت کی۔

”لیکن میں یقین ہے کہ تم نے اسے قتل کیا ہے اس لیے اب تم میرے منے کے لیے تیار ہو جاؤ۔“

”دیکھو میری بات سنو تم مجھے مار کے..... نقصان..... اس کا جملہ اصرار وہ کیا کیونکہ بابر سے فائرنگ کی آواز آئی تھی۔“

ارسلان نے چونک کر اُور دیکھا، میں اسی لمحے بابر خان نے ہت لگائی اور وہاں کے ہونے کی طرح کر کے سے بابر لنگر کیا۔

میں اٹھ کے اس کے پیچھے دوڑا لیکن وہ تو چلا وہ کی طرح باؤ ڈری وال تک پہنچ گیا تھا۔ میرے پیچھے پیچھے تھوڑا اور ارسلان بھی جا رہے تھے۔ تھوڑے اس پیچھا کر گیا لیکن اس وقت تک وہ باؤ ڈری وال میوکر چکا تھا۔

وہ دونوں دھما دھام سے پیچھے دوڑے اس سے پہلے کہ وہ باؤ ڈری وال تک پہنچے۔ بابر کی گاڑی کے

نہارت ہونے کی آواز آئی۔ دوسرے ہی لمحے گاڑی وہاں سے روانہ ہو گئی۔

ارسلان نے ہاتھ لٹے ہوئے کہا۔ ”تھوڑو دل رکھ گیا۔ اس کا ہاتھ آہٹشکل ہے۔“

”یہ فائرنگ کس نے کی تھی؟“ تھوڑے نے کہا۔

”بچے کا لائن گیٹ وہاں سے خاصے قافلے پر تھا۔ میں لائن گیٹ کی طرف بڑھ گیا۔ گیٹ پر کھڑا موجود تھا۔“

”یہ فائرنگ تم نے کی تھی؟“ میں نے پوچھا۔

”میں نہیں۔ ایک باگس کن اس طرف آ گیا تھا۔ کچھ لوگ اس کے پیچھے تھے وہ کار پریشن کے لوگ تھے۔“

”وہاں سے بتایا کہ کس نے فائر فون پر اس پائل کسے کی رپورٹ کی تھی۔ وہ دو آدمیوں کو گات چکا تھا۔ اس اس وقت تک بہت آگے لکل چکا تھا۔ ایک سانے سے ایک گاڑی آئی تو اس پلٹ کر پھر ہمارے بچے کی طرف لگا۔“

”میں نے فائرنگ کر کے اسے ہلاک کر دیا۔“

”میں نے بابر کا رڈ کیا۔“ کچھ قافلے پر ایک کسے کی لاش پڑی تھی اس کی گردن پر خاصا بڑا زخم تھا۔ گاڑی کوئی سا ایک سی گولی میں ڈھیر کر دیا۔ ہوا۔ دوسری گولی تو اس نے فٹول میں چلائی تھی۔“

”میرے بچے میں جڑاؤ دہی آقا تھا وہ کہاں سے آقا تھا؟“ تھوڑے نے پوچھا۔

”میں نہیں جانتا سر وہ کہاں سے آقا تھا؟“ کارڈ نے پوچھا کہ کیا۔

”مجھے معلوم ہی نہیں ہے کہ وہ بچے میں کہاں سے داخل ہوا؟“ تھوڑے درشت لیجے میں پوچھا۔

”نہ مجھے یہ تو معلوم ہے۔“ کارڈ جلدی سے بولا۔ ”وہ میں سے آقا تھا۔ میں نے آپ کو لوں سے پوچھا“

”کی تھا کہ کوئی بابر خان آپ سے ملنا چاہتا ہے۔ آپ کے کہنے ہی پر میں نے اسے اندر بھیجا تا کہ میں مجھے یہ معلوم کیا کہ وہ کہاں سے آقا تھا؟“

”وہ پیل آقا تھا؟“ میں نے پوچھا۔

”خیر سر وہ پیل ہی تھا۔“ کارڈ نے جواب دیا۔

”اس کا مطلب ہے کہ اس نے اپنی گاڑی باؤ ڈری وال کی اس جانب پارک کی تھی جہاں سے وہ فرار ہوا۔“

”تھا ہے یہ بھی شہر کا کہ میں اس کی حقیقت معلوم ہو چکی ہے۔“ میں نے کہا۔

”لیکن ہے گاڑی میں اس کا کوئی سا بھی موجود ہو۔“ ارسلان نے کہا۔ ”مگر ہم اس کی باتوں پر یقین کر لینے“

”وہ دل کر کے اپنے ساتھی کو باؤ ڈری وال سے رخصت کر دیتا پھر اسے بھی بلاتا۔“

”کب تو اس کا ہاتھ آہٹشکل ہے۔“ تھوڑے نے کہا۔ ”وہ عہدائد بھائی کا سبب راست تھا کوئی معمولی آدمی نہیں تھا۔“

”خفت بیکھو اس پر.....“ میں نے کہا۔ ”اس سے بھی خفت لیں گے۔ فی الحال تو ہمیں عدالت کو رخصت کرنا ہے۔ میرا تو خیال ہے کہ تھوڑے اس کے ساتھ ہی چلا جائے اور اسے وہاں چھوڑ آئے۔“

”پھر ایسا کریں کہ آپ ہی عدالت کے ساتھ چلے جائیں۔“ ارسلان نے کہا۔

”تم شاید بھول رہے ہو کہ پولیس نے مجھ کی یہ مقدمات مانے ہوئے ہیں۔ میرا یہاں رہنا بہت ضروری ہے۔“

”ان مقدمات میں سے کوئی چلا جائے۔ میں مقدمات کا فیصلہ ہونے تک سنبھل کر دوں گا۔“

”ان مقدمات میں سے کسی ایک میں ملے گا۔“ میں نے کہا۔ ”تھوڑے نے کہا۔“ میں اس کے مطابق نظام سے آپ



بھی واقف ہیں۔

”انصاری صاحب ہائی کورٹ میں پولیس کے خلاف میری طرف سے ایک عیشیہ دائر کر رہے ہیں۔ فیصلہ ہونے میں باقی درپیش لگی۔ ہمارے پاس ثبوت بھی نہیں ہیں اور گواہی بھی۔ انصاری صاحب مجھ پر بہت با اثر و کل ہیں نہ وہ کسی کو چار چھ بیسیوں ہی میں بنادیں گے۔“

”اب سب سے پہلے تو آپ بے بیگ چھوڑیں۔ باہر خان یہاں دوبارہ آنے کا دوسرا سربجدہ اور کیا کرے گا۔“

”تو کیا اس کے خوف سے میں اپنا گھر چھوڑ کے امامدارا چروں؟“ میں نے کہا۔

”وہ بچے نہیں سمجھا۔۔۔“ ارسلان نے کہا۔ ”یہ مصلحت ہے۔“

”میں ارسلان؟“ میں نے غلی میں سر جلاتے ہوئے کہا۔ ”میں جہاں بھی جاؤں گا گھر میں بند ہو کر رہنے سے تو رہ۔ باہر خان یا اس کے آدمی مجھے گولی بھی دیکھ سکتے ہیں اور نقصان پہنچا سکتے ہیں میرا بچپن اگے کے میرے دوسرے ملکا کے نام کا مسلم کر سکتے ہیں۔ میں اس کے خوف سے کہاں امامدارا چروں گا؟“

”سمجھا“ فیک کہہ رہے ہیں۔ ”تجور نے کہا۔ ”گھر میں ایسا کرنا اس کا بچے اعتبار کے کچھ لوگوں کو یہاں لیتا ہوں۔ وہ باہر خان کے آدمیوں کو پہچانتے ہیں۔“

”تم چھوٹے لڑکوں کو اور معلوم کر کہ عدنان کا سسر شروع ہو گا؟“

”میں اس سے ابھی بات کر لیتا ہوں۔“ تجور نے کہا۔ ”وہ ابھی سوچا نہیں ہو گا۔“ اس نے گھڑی دیکھتے ہوئے کہا۔ ”وہاں کے اور پاکستان کے وقت میں آخر بارہ کتنے کا فرق ہے۔“ یہ کہہ کر اس نے سئل فون نکالا اور ماہد کا نمبر ڈائل کرنے لگا۔

میں کمرے سے باہر آ کر خافقی انتظامات کا جائزہ لینے لگا۔ بیٹنگ کی باؤنڈری والی تقریباً سات فٹ تھی اس پر اور کوئی کوئی بھی چھلانگ نہ لگا تھا۔ مجھے باہر خان ہی سے نہیں بلکہ شہزیادہ پولیس سے بھی غصہ تھا۔ پولیس واسطی بہت بڑے لوگوں کا بچانے کے لیے کوئی بھی حرکت کر سکتے تھے۔ وہ بیٹہ اور بد معاشرہ کو کمرے سے گھر کا کر حلقہ کر سکتے تھے اس کے ذریعے بیٹنگ میں شکایت اور واسطی غیر ہو سکتے تھے۔

گینٹ پر چرکاڑا تھا وہ جس کے حلقہ آدمیوں سے ٹپنے کے لیے کافی تھا۔ تجور فیک ہی کہہ رہا تھا۔ کچھ تیرہ یا تھوڑے لوگوں کی ضرورت تھی۔ میں نے سوچا کہ سب سے پہلے تو مجھے باؤنڈری والی حریف بلنڈ کرنا پڑے۔ پھر دوبارہ لگاؤ نہیں۔ بیٹنگ کے لان میں دو آدمی بائیں آئے سائے والے لٹکائی ہوئے تھے۔

اسی وقت ارسلان بلور جیوڑی کمرے سے باہر آ گئے۔

”سمجھا۔۔۔“ ارسلان نے کہا۔ ”ابھی عدنان کا سسر شروع ہونے میں دو مہینے باقی ہیں لیکن اس سے فرق پڑتا ہے۔ وہ اس وقت تک ماہد کے ساتھ رہ سکتا ہے۔ پھر وہ کچھ سوچ کر بولا۔ ”میں عدنان کے ساتھ ارسلان کو کھینچ رہا ہوں۔“

”میرے خیال میں یہی مناسب رہے گا۔“ میں نے کہا۔

”میں سمجھا آپ کو آپ کیلچر چھوڑ کر کھیل جاؤں گا۔“ ارسلان نے فیصلہ کر لیے میں نے کہا۔

”سمجھا یہاں کیلچر ہیں؟“ تجور نے کہا۔ ”میں یہاں موجود ہوں تاہم میرے مقصد یہاں میری کسی ٹوگ ہیں۔“

”کچھ بھی ہو۔“ ارسلان نے کہا۔ ”ابھی عدنان کا سسر شروع ہونے میں دو مہینے باقی ہیں۔“

”لیکن میں نہیں جانتا کہ عدنان یہاں رہے۔“ میں نے کہا۔ ”وہ اس بار دھار اور کل و تجارت گری کا عادی کب ہے؟ یہاں تو کبھی بھی وقت کچھ بھی ہو سکتا ہے۔“

”فیک ہے۔“ ارسلان نے کچھ سوچ کر کہا۔ ”میں ایک ٹھکانے سے جاؤں گا اور دوسری سے واپس آ جاؤں گا۔ میری بہن ابھی دشمنوں کے قبضے میں ہے اور آپ کہہ رہے ہیں کہ میں ملک چھوڑ کر چلا جاؤں؟“ ارسلان نے بھراؤ ہوئی آواز میں کہا۔ ”شدت جذبات سے اس کی انگوٹھیں میں اس کو آسوا کر دے گا۔“

”کو۔۔۔“ تجور نے کہا۔ ”پھر ایسا کرتا ہوں عدنان کو عدیم کے ساتھ بھیجتا دیتا ہوں۔“ تجور نے کہا۔ ”حاکم اس کی بھی ایسی کوئی خاص ضرورت نہیں ہے۔ آج کل تو چھوٹے چھوٹے بچے تھپتا سطر کر لیتے ہیں۔ لائسنس کا ملنا نہیں خفایت سے خفایت کے خالے کر دیتا ہے۔“

اس وقت عدنان کمرے سے باہر نکل آیا۔ وہ شاہی کمرے میں ہماری ساری باتیں سن رہا تھا۔ اس نے کہا۔ ”سمجھا آپ تو ابھی تک مجھے کسی دن کا دعی عدنان سمجھتے ہیں۔ میں یوں لڑ چکا ہوں۔ میں اکیلا دھاکے دوسرے سرے تک بھی جاسکتا ہوں۔ میں اب کچھ نہیں رہا ہوں۔ سمجھا اب میں اکیلا ہی جاؤں گا۔ آپ تو لوگوں نے تو اسے بھی انشویا لیا۔“

اس کے انداز پر ہم بھی کوئی آہی۔

”اب تک مجھے ہاشم کا خیال آیا۔ میں نے تجور سے پوچھا۔ ”ہاشم کہاں چلا گیا؟“

”وہ بہت تھکا ہوا تھا میں نے اسے آرام کرنے کے لیے بھیج دیا ہے۔“

میں نے ارسلان کو جالیات دیکھ کر بیٹنگ کی باؤنڈری والی آہی لڑی کہ وہ اور اس پر خاوار دار بھی لگوا دو۔

”میں نے پہلے ہی افضل سے کہہ دیا ہے۔“ ارسلان نے کہا۔ ”وہ اسی سطلے میں سینٹ بلاک اور دوسرا سائڈ لینے گیا ہوا ہے۔ میں سب سے کام شروع ہو جائے گا۔“

”میں نے اپنے چار بھائیوں میں انہیں کو بھی بلا دیا ہے۔“ تجور نے کہا پھر وہ کچھ سوچ کر بولا۔ ”سمجھا میرے ایک ساتھی عدیم کے پاس اعلیٰ سٹل کے کی کئی کئی ہیں۔ میں اس سے کہتا ہوں کہ وہ کون کو بھی اپنے ساتھ لیتا آئے۔ کون کورات کو کھل دیا جائے گا۔“

ساتھ کے تجور کے ساتھی بھی وہاں پہنچ گئے۔ وہ چار آدمی تھے اور ان میں سے ہر آدمی اپنے فن میں یکساں تھا۔ تجور نے ان چاروں سے میرا اتفاق کر لیا۔ ”سمجھا میرے۔“ اس نے ایک دو جوان کی طرف اشارہ کیا۔ ”بھائیوں نے تھانہ باز بڑا رک۔“ پھر اس نے نام سے کہا۔ ”یہ میرے سمجھا ہیں۔“

اس نے مجھ سے ہاتھ ملایا تو مجھے ایسا لگا جیسے میرا اچھوٹے بھائی تھے میں آ گیا ہوں۔ میں نے بھی جوابی طور پر اس کا ہاتھ دیا تو مجھ سے چہرے سے حیرت نظر آئی۔ ”یقیناً اسے بھی میری قوت کا اندازہ ہو گیا ہو گا۔“

تیسرا تو جوان صحت تھا۔ اس میں بھی وہ تمام خصوصیات تھیں جو تجور میں تھیں۔ چوتھا تو جوان عاصی تھا۔ وہ بھی کمرے کا ایک تھانہ تھا لیکن تم کو تھا۔ چہرے سے بھی مجھ سے کھیلنے کا انشوا لگتا تھا۔

عدیم اپنے ساتھ کتوں کے دو جوڑے لایا تھا۔ ان میں سے ایک ڈوبہ میں تھا اور دوسرا اجڑا گرے باؤنڈری

کا تھا۔ دونوں جوڑے ہی بہت خوف ہاک نسل کے تھے۔ مجھے بھی کتے پالنے کا شوق تھا۔ میں نے اسکا کالج کے زمانے میں کتے پالنے بھی تھے لیکن ایسی کتنی کتے جس کو جس گھر میں کتے ہوں وہاں رحمت کے فرشتے آتے۔ اب میں انہیں کیسے سمجھا تا کہ رحمت کے فرشتے تو وہاں بھی نہیں آتے جہاں تصویریں ہوں۔ بھارتی اور انگریز ہی نہیں دکھائی جاتی ہوں بلند آواز میں موسیقی کی آواز گونجتی ہو۔ یہ سب کچھ گھر میں ہوتا۔ بچہ کتوں نے کیا تصور کیا ہے؟ لیکن یہ باتیں میں ان سے کہیں سنا تھا اس لیے صرف سوچی کر رہ جاتا تھا۔

خدمت نے فی الحال کتوں کا ایک خالی روضہ کار میں بند کر دیا تھا۔ اس نے جوں ہی دروازہ کھولا اس کتے کے گرد نہلائے گئے لیکن مجھے دیکھتے ہی ان کے چہرے جگڑے سب خوف ہاک انداز میں نظر آتے تھے۔

میں جانتا تھا کہ ان چاروں نے شکایت صرف ادا میں ہی نہ تھی بلکہ مراد یہ تھی کہ وہ مجھے اذیت کر رہے تھے۔

”تو...“ خدمت نے بلند آواز میں کہا تو کتے کچھ پر سکون ہو گئے لیکن وہ اب بھی مجھے گھور رہے تھے۔ ”گھر آ کر دو چاروں ان کا دیکھ بھال کریں گے تو یہ آپ سے مانوس ہو جائیں گے۔“ خدمت نے کہا۔ ہم دو ایک بیٹے میں بیٹھتے تو ہمیشگی ڈرائنگ روم میں موجود تھا اور خاصا ہشاش بشاش نظر آ رہا تھا۔ مجھے کچھ کہہ کر وہ اتر آ کر ابھرا ہوا۔

”بھئیواری۔“ میں نے کہا۔ ”میں کوئی نیا چیل چیل پاؤں نہیں ہوں کہ تم میرے احترام میں کھڑے ہو گئے۔“ آپ ارسلان کے بڑے بھائی ہیں۔ ”اس نے کہا۔ ”تو میرے لیے بھی قابل احترام ہیں۔“

”ہاشم! تمہیں سمجھا تھا کہ وہ بڑے شائستہ کتوں کو کھائے۔“ ”مجھے اگر توڑا سا اعزاز بھی ہوتا تو میں انہیں بھی وہاں سے نکالنے کی کوشش کرتا۔“ ہاشم نے کہا۔ ”ہاں! خان کو ضرور علم ہوگا۔ وہ ان کی کوشش کے بہت قریب ہے۔ لیکن ہے“ خدمت نے اسے بھی بتایا۔ ”چونکہ کر لولا۔“ ”ہاں! ایک آدمی اور ہے جس پر مشدیدی بہت بھروسہ کرتا ہے۔“

”کون ہے وہ؟“ میں نے پوچھا۔ ”وہ دھم جانا ہے۔ ہر شخص کے موقع پر مشدیدی کے ساتھ ہوتا ہے اور اس کا مشیر خاص ہے۔ اس میں وہ غریبی ہے۔ ہے کہ اس کی سول اور انتہائی ملتوں میں اس کی بہت لمبی آ رہے۔ وہ خاصا بڑھا کھٹا آدمی ہے۔ مرے تک نہ کہ انتہائی کچھ ہاں لیے قانونی ڈاؤنچ بھی خوب جانتا ہے۔“

”وہ رہتا کہاں ہے؟“ میں نے پوچھا۔ ”رہتا تو وہ انیسویں سی ہے لیکن اپنے بیٹے پر صرف خاص خاص موقعوں ہی پر آتا ہے۔“

”کیا وہ اپنے بیٹے میں تمہارا ہے؟“ میں نے پوچھا۔ ”جیسی اس کی بیوی ہے۔ وہ بیٹے ہیں اور وہ بیٹیں ہیں۔“

”بیٹیں بھی ہیں؟“ ارسلان نے چونک کر پوچھا۔ ”بھئی! اس کی بیوی ہیں۔“ ہاشم نے بتایا۔ ”ایک بہن میڈیکل کالج میں پڑھ رہی ہے اور دوسری کالج میں ہے۔“

”میرے ذہن میں ایک تجویز ہے۔“ تیمور نے کہا۔ ”ہم لوگ محمد جان کو کھاتے تھے ہیں۔ وہ ہاتھ پڑیں گے تو وہ سب کچھ بھگ لے گا۔“

”اس شخص میں رہتا بھی مت۔“ ہاشم نے کہا۔ ”محمد جان بھی مشدیدی کی طرح سے سات برسوں میں رہتا ہے۔ وہ کوئی اسکول کا بچہ نہیں ہے کہ تھوڑے ہی دنوں میں اسکول کی کلاں لے کر اپنے ساتھ لے آئے۔“

”وہ کمرے یا اپنے کھانا سے بھی باہر نکلتا ہی ہوگا؟“ میں نے کہا۔ ”وہ کمرے سے بھی باہر نہیں نکلتا۔ اس کا ساتھ چلتی ہے لیکن اس کے محافظ نظر نہیں آتے۔“

”کیوں؟ کیا وہ ایسا ہی ٹوٹی ہوئی بہن کر اس کے ساتھ چلتی ہے؟“ ارسلان نے ہنس کر کہا۔ ”وہ اس کے ارد گرد ضرور ہوتے ہیں لیکن کسی کو احساس نہیں ہوتا کہ وہ اس کے محافظ ہیں۔ کچھ لوگ اس کی بازی کے پیچھے ہوتے ہیں اور کچھ آگے۔“ ہاشم نے کہا۔

”وہ کیا کسی ملک کا سربراہ ہے؟“ تیمور نے کہا۔ ”مستے خاں قیامت تو صدر پاکستان یا پانچم فٹ کے ہوتے ہیں۔“

”ہاں! لیکن وہ نظر بھی آتے ہیں۔“ مشدیدی اور جان محمد کے معاملے میں ایسا نہیں ہے۔ دیکھتے والوں کو یہ علم ہی نہیں ہوتا کہ کوئی شخص ان کی تحریکیں کر رہا ہے اور کسی بھی مشتبہ نظر آنے والے شخص پر گولیاں برس سکتی ہیں۔“ ہاشم سر کر لولا۔

”تھوڑے میرے لیے یہ چیلنج کیس ہے۔“ تیمور نے کہا۔ ”اب تو میں جان محمد کو کھانے کی کوشش ضرور کروں گا۔“

”پہلے تو ہم یہ کوشش کریں کہ مشدیدی کے کسی بھی حملے سے بچ سکیں۔“ ہاشم نے کہا۔ ”وہ کوئی معمولی آدمی نہیں ہے۔ لیکن ان کے قانونی دھت کر رہے ہیں۔ اس کا نتیجہ وہ کچھ پوری دنیا میں پھیل چکا ہے۔“

”تم ہمیں مرعوب کرنے کی کوشش کر رہے ہو؟“ میں نے کہا۔ ”میں تو آپ کو حقیقت بتا رہا ہوں۔ دشمن کو گھڑو دیں بھی نہیں سمجھتا ہے۔ اس کے پاس غیر قانونی ذرائع

سے کہتی ہوئی اربوں ڈالرز کی دولت ہے۔ قوت ہے اس کا اثر و رسوخ ہے۔ لیکن یہ سب باتیں ذہن میں رکھنا ہوں گی۔“

”ہاشم ٹھیک کہہ رہا ہے۔“ ارسلان نے کہا۔ ”اچھا! زبیر! کیا ہاتھ میں خالی ہے؟ تو کچھ بھی نہیں سوچئے گا۔“ تیمور نے موضوع بدلنے کی خاطر کہا۔

”کھانا تیار ہے۔“ ارسلان نے کہا۔ ”ابھی اچھا کھانا ہے۔“

”کچھ بھی کھا لے۔“ اس وقت کچھ زیادتی ہو کر گئی تھی۔ اس کے باوجود مجھ سے کہا نہیں کھانا چارہ تھا۔ مجھے ہر موقع پر شائستگی یاد رہی تھی۔ کھانے کے وقت وہی ہم سب کی ضرورتوں کا خیال رکھتی تھی۔

میں نے دوسروں کی وجہ سے مجھے تھکا ہونے لگا تھا۔ کھانا کھا کر کچھ تھک رہا تھا۔ ”اچھا۔“ میرے پیچھے ارسلان تیمور اور ہاشم بھی آ گئے۔ ارسلان نے ایشل کو ہدایت کی کہ مہمانوں کا کھانا ان کے کمروں میں کھانا دو۔ مہمانوں سے راجہ تیمور کے وہ چاروں ساتھی تھے۔ تیمور اور ارسلان بھی ان کی ہدایت تھی کہ ان لوگوں کو کمر میں بھی رہا کرے۔ تیمور نے اس کے ساتھ نظر نہیں آتا ہے۔

”دو لوگ کھا کھا چکے ہیں۔“ تھوڑے کہا۔ ”میں نے پہلے ہی ان لوگوں کے لیے کھا بجوایا تھا۔ اٹھانڈا چلنی پر ہوں گے۔“

”ڈیوٹی پر؟“ میں نے حیرت سے پوچھا۔

”ہاں، سیدنا آدھی رات کی وقت چھت پر ہوں گے تاکہ وہ درگزر کر سکیں اور دو آدھی رات کے دوران پر پوزیشن سنبھالے بیٹھے ہوں گے۔ عدم نے تو اب تک مجھے کسی کھول دیئے ہوں گے۔“

”نہیں وہ کہتے۔“

”آپ پریشان نہ ہوں میں نے تین ملازموں کو ہدایت کر دی ہے کہ وہ رات کو گیارہ بجے کے بعد اس طرف شہ آئیں۔ فی الحال تو آپ لوگ بھی احتیاط کیجئے گا۔“

”لیکن کیٹ ہماری گاڑی بھی تو سوچو رہے؟“ میں نے کہا۔ ”وہ توں سے کیسے محفوظ رہے گا؟“

”میں نے گاڑی سے کہہ دیا ہے کہ وہ بغیر کسی وجہ کے اپنے کمرے سے باہر نہ نکلے۔ گیارہ بجے کے بعد کھولنے کی ذمہ داری بھی عدم کی ہے۔“

”تم لوگ لاؤنج میں دیر تک بیٹھے رہو۔ شائد کہ ساتھ ساتھ مجھے مدد ان کی بھی کھرچی۔ مدد ان خود کو صورت حال سے بہت پریشان ہیں۔“

”اچانک میرے تل فون کی بیل بجنے لگی۔ میں نے چونک کر تل فون جیب سے نکالا۔ سکرین پر انصاری کا نام تھا۔“

”یہ ہر صبح صاحب اس وقت ٹیلی فون کیوں کر رہے ہیں؟“ میں نے خود کھائی کے انداز میں کہا اور تباہ کان سے گایا۔ ”السلام علیکم اور اگلے؟“ میں نے کہا۔

”وہیکم السلام؟“ انہوں نے جواب دیا۔ ”میرا ان اتم سوچ نہیں سمجھتے تھے؟“

”نہیں اگلے؟“ میں نے جواب دیا۔ ”میں اتنی جلدی کب سوتا ہوں؟ خیر یہ تو ہے؟ آپ نے اس ٹیلی فون کیسے کیا؟“

”مجھے آج اپنی مصروفیات میں جھپٹا دیا تھا وہ اندر باہر کھیں بانی کو رت جاتا ہے کل صبح آٹھ تک کو رت پہنچ چکا تھا۔“

”ٹھیک ہے اگلے؟“ میں نے کہا۔ ”میں پہنچ چکا ہوں گا۔“

”سلسلہ متقطع کرنے کے بعد میں نے ان لوگوں کو بھی بتایا کہ انصاری صاحب کل صبح مجھے کو رت بلا دیں۔“

”ٹھیک ہے آپ چلے جائیں۔“ ارسلان نے کہا۔ ”میں اور تھوڑا آپ سے کچھ غافلے پر رہ کر آ جاؤں گا۔“

”میں بھی تم دونوں کے ساتھ رہوں گا۔“ ہاشم نے کہا۔

انصاری صاحب نے میری طرف سے کو رت میں پولیس کے خلاف پیشین داز کر دی تھی۔ انہوں نے تمام ثبوت بھی کو رت میں پیش کر دیئے تھے جو میرے پاس تھے۔ وہاں سے میں اگلے پختہ کی تاریخ پر مل گیا۔

بانی کو رت میں تو دو مہینے سے پہلے تاریخ میں ملتی تھی۔ یہ بھی اگلے انصاری ہی کا کمال تھا۔

میں کو رت سے واپس آیا ہی تھا کہ افضل نے مجھے کاپولیس اسٹریک آؤ کے بارے میں بتایا۔ اس وقت تک ارسلان وہ دیر دھکی گھر پہنچ چکے تھے۔ میں نے افضل سے کہا۔ ”تم ان صاحب کو ڈراؤنگ روم میں بٹھاؤ۔ میں ابھی کچھ دیر میں آ رہا ہوں۔“

”وہ بہت جلدی ہیں میں صاحب؟“ افضل نے کہا۔

”آپ جیسے بسایا۔“ ارسلان نے کہا۔ ”میں دیکھتا ہوں کہ اب پولیس کیوں آئی ہے؟“ وہ اٹھ کر ڈراؤنگ روم کی طرف بڑھ گیا۔

میں بھی اس کے پیچھے پیچھے اترتا تو میری نظر پولیس کی ایک جیب پر پڑی جو کیٹ کے باہر کھڑی تھی۔ میں نے گاڑی کو ہدایت کر دی تھی کہ گارڈز بھی گاڑی داخل نہیں ہوں سوائے ان گاڑیوں کے جن کی اجازت ارسلان یا محمود دیں گے۔

میں ڈراؤنگ روم کے پاس کو رت پر ویش جا بیٹھا۔

اندر سے ارسلان باورچی دوسرے شخص کی آواز میں آ رہی تھی۔

”ڈیوٹی آئی جی صاحب؟“ ارسلان نے کہا۔ ”اب آپ کیا چاہتے ہیں؟ کیس تو کو رت میں ہے اس کا فیصلہ بھی کو رت ہی کرے گی۔“

”آپ ہائیز عمران صاحب کو بلا کر مجھ سے بات کرنا ہے۔“

تھوڑی دیر میں میرے ساتھ ہی کھڑا تھا۔ میں نے اسے بھی اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا اور ڈراؤنگ روم میں داخل ہو گیا۔

ڈیوٹی آئی جی مجھ کو کچھ کرنا ہو گیا اور میری طرف مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھا دیا۔

میں نے اس سے ہاتھ لاکر کہا۔ ”تقریب رکھیے کیسے کیسے زحمت کی؟ اب پولیس میرے کمرے کی بار آؤ کرنا چاہتی ہے؟ راکٹ لانچر یا کوئی میزائل؟“ میرے لیے کچھ میں تھی۔

”میں نے تو ہر طرح سے تمہاری مدد کرنے کی کوشش کی تھی۔“ ڈیوٹی آئی جی نے کہا۔

”ہاں اس لیے آپ ملک سے باہر ہونے کا ارادہ کر کے بیٹھ گئے تھے۔“ ارسلان نے کہا۔ ”آپ میرے دوست کے والد ہیں اس لیے میں آپ کا بہت خیال کر رہا ہوں۔“

”مجھے کیا کم یاد آ گیا کہ ارسلان کے کسی دوست کے والد ڈیوٹی آئی جی تھے اور انہوں نے ہماری مدد بھی کی تھی۔“

”ارسلان؟“ میں نے درشت کیے ہیں کہا۔ ”پیدائش کی بات سن لو وہ کہنا کیا چاہتے ہیں؟ اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ انہوں نے ہماری بہت مدد کی تھی۔“

”لیکن جب ہم سمیت میں گئے تو یہ ملک سے جہاز ملک جانے کا ارادہ کر کے بیٹھ گئے۔ مجھے بھی یقین تھا کہ آپ واقعی ملک سے باہر ہیں لیکن یہ بات ختم نہیں ہو رہی تھی کہ آپ کے ساتھ آپ کا بیٹا بھی ہے۔ میں نے بعد میں تصدیق کی تو معلوم ہوا کہ آپ صرف ایک دن کے لیے اسلام آباد گئے تھے۔ بانی تمام وقت آپ ہمیں موجود تھے۔“



”آپ کو شاید احساس نہیں ہے کہ آپ کی یہ جھگڑا بھی ریکارڈ ہو چکی ہے۔“ میں نے اندازہ سے میں نے  
 چھوڑا حال انکس وقت میں نے ان کی بات چیت دیکھ کر ہنس کی تھی۔  
 ان کا سارا مانتھن ہوا ہو گیا اور وہ صوفے پر گویا ڈھے گئے۔  
 ”تم خود کو بہت ہوشیار سمجھتے ہو لیکن جیسے اندازہ نہیں ہے کہ۔“  
 ”ڈی آئی جی صاحب پلینز۔“ میں نے کہا۔ ”آپ کو شاید یاد نہیں ہے اور آپ نے ایک دفعہ میرے  
 بھی کی تھی اس لیے میں اب بھی تک آپ کا احترام کر رہا ہوں، بس اگر آپ اسی طرح بولتے رہے تو میری یاد  
 برداشت نہیں کروں گا۔“  
 تو جین کے احساس سے ڈی آئی جی کا چہرہ مرجھا کر رہ گیا۔ شاید آج تک کسی بھی شخص نے ان سے اس کے  
 میں بات نہیں کی تھی۔  
 ”میں اپنے وعدے پر اب بھی قائم ہوں۔“ میں نے کہا۔ ”آپ اگر تین دن کے اندر اندر شرائط کو تسلیم  
 آتے ہیں تو میں تمہیں ایسے ایسے لوں گا۔“  
 ”شانسیا پیے آدی کے قبضے میں ہے جو۔۔۔“ وہ کہہ رہے تھے کہ کب گئے۔  
 میں نے تپا لے کر کہا۔ ”اس کا مطلب ہے کہ پولیس کو شاید اس کے ہاں سے ملے گا۔“  
 ”میں نے یہ تو نہیں کہا تھا میں نے کہا کہ پولیس کو کوشش کر رہی ہے۔“  
 ”آپ تو بھی ابھی اپنی اپنی بات سے انکار کر رہے ہیں۔“ میں نے کہا۔ ”ابھی تو آپ نے کہا ہے کہ  
 شاید اس آدی کے قبضے میں ہے۔“  
 ”تم اگر صاف صاف سننا چاہے ہو تو سنو۔“ ڈی آئی جی کو بھی فضا آ گیا۔  
 میں نے اس سے پہلے ہی اپنا ریکارڈ رن کر دیا تھا جب انکس یہ بتا دیا تھا کہ ان کی باتیں ریکارڈ ہو رہی ہیں۔  
 وہ مسلسل ہو کر پھر بھول گئے تھے کہ وہ جو کچھ کہہ رہے ہیں ریکارڈ ہو رہا ہے۔  
 ”شانسیا شہیدی کے قبضے میں ہے۔“ انہوں نے کہا۔  
 ”آپ کو یقین ہے؟“ میں نے پوچھا۔  
 ”مجھے کیا پتہ ہے ہوم لبارنسٹ کو معلوم ہے کہ شاید کیا ہے؟“ انہوں نے کہا۔  
 ”تو پھر اسے بازیاں کرنا ہے میں کیا قیامت ہے؟“ میں نے پوچھا۔  
 شہیدی کے ہاتھ بہت لمبے ہیں۔ ”انہوں نے کہا۔  
 ”گویا عوام کی جان والے کو محفوظ رکھیں گے اس میں؟ پولیس کا ایک ڈی آئی جی ایپی ہے کسی کا احترام کر رہا  
 ہے؟“ میں نے تسکین سے کہا۔  
 ”پولیس اس سے خوفزدہ نہیں ہے۔“ ڈی آئی جی نے کہا۔ ”بس ہمارے ہاتھ ہر بندھے ہوئے ہیں۔“  
 ”اور یہ ہاتھ ہر باندھے کس نے ہیں؟“  
 ”ہوم لبارنسٹ کے ساتھ اور دونوں۔“ وہ بولتے بولتے چونک کر رک گئے۔ ”تم۔۔۔ تم۔۔۔ یہ باتیں  
 ریکارڈ کر رہے ہو؟“  
 ”آف کورس۔“ میں نے ہنس کر کہا۔ ”میں کسی بھی پولیس والے سے بات کرتے وقت اپنا ہیڈ ریکارڈ  
 آن کر لیتا ہوں۔ اب آپ جا چیں تو جانتے ہیں۔“ میں نے کہا۔ ”بائیں میری شرط اب بھی وہی ہے کہ تین دن

کے اندر شرائط مجھے مل جائے تو میں بس کچھ بھول جاؤں گا اور شاید موت آپ کے خلاف بھی میرے ہاتھ لگ  
 گیا ہے۔“  
 ڈی آئی جی نے اپنے چہرے کا پسینہ پونچھا اور اکر کھڑا ہوا۔ ”جیسے اندازہ نہیں ہے کہ شہیدی جب جا رہے  
 جونی کی طرح مسل سکتا ہے۔“ وہ انتہائی۔۔۔  
 ”آپ جانتے ہیں۔“ میں نے کہا۔ ”ورنہ میرا وہ بدل ہی سکتا ہے۔“  
 ڈی آئی جی نے پھر گھر کر بیٹھ کر دیکھا اور اپنی چھتری ہلاتا ہوا تیزی سے باہر نکلی گیا۔  
 ”جیس۔۔۔ جیس۔۔۔“ میں نے کہا۔ ”یہ بات کچھ نہیں نہیں آئی؟“  
 ”ہاں میں خود حیران ہوں۔“ میں نے کہا۔ ”پھر بھی آخر معاملہ کیا ہے؟ میں نے واقعی ہر سٹر انصاری  
 صاحب کو پوچھا ہے۔“  
 ”تو پھر آپ نے اس ڈی آئی جی کو جاننے کیوں دیا؟“ حیدر نے کہا۔  
 ”وہ تو وہ اور وہ ہر سٹر صاحب کی ایک نئی خون کال میں یہاں آ سکتا ہے۔“  
 اسی وقت اسٹیل نے آکر بتایا۔ ”ہر سٹر صاحب آگئے ہیں صاحب جی۔“ یہ کہہ کر اس نے ہر سٹر صاحب کو  
 اندر آنے کا راستہ دیا۔  
 میں نے بس کچھ نہیں تفصیل سے بتایا۔ وہ ہر ایک اس معاملے پر غور کرتے رہے پھر بولے۔ ”اس ڈی  
 آئی جی کو پھر بلاؤ۔ میں اس سے بات کرنا چاہتا ہوں۔“  
 ”انکل! کیا آپ نے اس کی بات ماننے کا فیصلہ کر لیا ہے؟“  
 ”عمران! میں تمہارا بدخواہ نہیں ہوں۔ تمہارا باپ میرا بچپن کا دوست تھا۔ میں کوئی ایسی بات نہیں کروں گا  
 جس سے تمہیں یا تمہارے بھائیوں کو کسی بھی قسم کا نقصان پہنچے۔“ پھر وہ کچھ توقف کے بعد بولے۔ ”تمہارے  
 ہونے سے کاروبار بھی متاثر ہو رہا ہوگا۔“  
 ”انکل! کیا آپ ابھی ایسی بات کر رہے ہیں؟“  
 ”جین! میں تمہارا انکل ہی ہوں۔“ انہوں نے کہا۔ ”میں کسی کوئی ایسا کام نہیں کروں گا جس سے جیس  
 نقصان پہنچے۔ تم اس ڈی آئی جی کو بلاؤ۔“  
 میں نے ارسلان سے کہا کہ ڈی آئی جی کو ٹیلی فون کر دو۔ ایک کس کا نمبر ارسلان کے پاس تھا۔  
 اس منٹ بعد وہ ڈی آئی جی پھر آیا جو وہ تھا اور انکل انصاری کے سامنے خاصا متوجہ نظر آ رہا تھا۔  
 ”ڈی آئی جی صاحب! انکل نے پوچھا۔“ اگر میں نہیں واپس آؤں تو اس بات کی کیا گارنٹی ہے کہ  
 پولیس کی عمران کو تمام عین اثرات سے بری کر دے گی؟“  
 ”اس بات کی گارنٹی میں لیتا ہوں۔“ ڈی آئی جی نے کہا۔  
 ”تو پھر ایسا کر میں پہلے عمران کے خلاف تمام کس قسم کے کریمنل میسجس کو واپس لے لوں گا۔“  
 ”یہ کام تو کس ہی کو ہونا ہے۔“ ڈی آئی جی نے ہر جوش لے کر میں بولا۔  
 ”تو پھر آپ کا کام بھی ہونا ہے گا۔“  
 ”نہیں سر۔۔۔!“ ڈی آئی جی نے کہا۔ ”اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ۔۔۔“

"کوئی ضمانت نہیں ہے۔" انکل نے اطمینان سے جواب دیا۔ "ضمانت صرف میری زبان ہے۔ اگر آپ اس پر اعتبار کرتے ہیں تو ٹھیک ہے ورنہ بات کو سنبھال کر دیکھیں۔"

"ٹھیک ہے مجھے آپ کی زبان پر اعتماد ہے۔" ڈوی آئی کی نے کہا۔

"اب آپ بات اور۔" انکل نے کہا۔ "عمران کی بہن کا معاملہ دیکھو۔"

"اُس کا وعدہ تو میں ان سے پہلے ہی کر چکا ہوں۔" ڈوی آئی کی نے کہا۔ "تم نے مجھے تمہیں دن کا وقت دیا ہے؟"

"جی ہاں آپ کے پاس میں سے بھی ایک گھنٹہ کم ہو گیا ہے۔" میں نے کہا۔

"ٹھیک ہے، جیسے میں دن سے پہلے ہی تمہاری بہن مل جائے گی۔"

"تو تمہیں میں کسی تین دن بعد واپس لوں گا۔" میں نے کہا۔ "آپ کی بات کی کیا گارنٹی ہے؟"

"جب میں نے ہر سڑک صاحب کی زبان پر اعتبار کیا ہے تو میں بھی مجھ پر اعتبار کرنا ہوگا۔" ڈوی آئی کی نے کہا۔

"میں نے انکل انصاری کی طرف دیکھا۔ انہوں نے اُنہات میں سر ملادیا۔"

"میں نے کہا۔" ٹھیک ہے ڈوی آئی کی صاحب! میں آپ کی زبان پر اعتبار کیے لیتا ہوں۔"

"اوکے عمران! ڈوی آئی کی تمہارا ہوا۔" یہ میری بات ہے ورنہ ہے کہ تمہاری بہن، جنہیں ضرور جانے گی تین دن کے اندر عمر۔ یہ کہہ کر اس نے مجھ سے اداوار انکل انصاری سے ہاتھ ملایا اور دھکت ہو گیا۔

"انکل! ہم نے اس کی بات مان کر کوئی غلطی تو نہیں کر دی؟" میں نے پوچھا۔

"نہیں بلکہ میں فائدہ سے محروم رہے ہیں۔" انکل نے کہا۔ "تم ان تمام مقدمات سے میری ہو جاتے لیکن پولیس نے تمہارے خلاف قتل کا جو مقدمہ بنا رکھا ہے وہ تمہارے گھر پہنچا جاتا۔"

"قتل کا مقدمہ؟" میں نے کہا۔

"ہاں قتل کا مقدمہ۔" انکل نے کہا۔ "ڈوی آئی کی غلطی نہیں کہہ رہا تھا۔ تم پولیس کے جھگڑوں کو نہیں جانتے ان لوگوں نے تمہیں راشہ کے قتل میں ملوث کر دیا ہے وہ آؤ قتل بھی تمہارے گھر سے براہِ کرچے ہیں۔"

"اب؟" میں نے کہا۔

"جب وہ تمہارے گھر سے اسطے گئے تھے تو اس میں ایک مرد اور میری قمار اس سے عداوت کر لیا گیا ہے۔ وہ لوگ جنہیں گرفتار کر کے پولیس اسٹیشن لے جاتے اور اس پر بلاور پر تمہاری انگلیوں کے نشانات حاصل کر لیتے۔"

"میں حیرت سے منہ پھاڑنے ان کی باتیں سن رہا تھا۔"

"اب تم سوچ رہے ہو کہ مجھے ان باتوں کا علم کیسے ہوا؟ جیہا ایک کامیاب دیکھ بننے کے لیے بہت کمزور ہوتا ہے۔ پولیس میں بھی میرے ہاتھ جوڑ ہیں ان ہی کے ذریعے مجھے اطلاعات کی ہیں کہ وہ لوگ تمہارے خلاف کیا چالیں چلے والے ہیں۔"

"لیکن راشہ کا سڑو؟"

"میں جانتا ہوں کہ تمہارا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔" انکل انصاری نے میری بات کا تکیہ دی۔ "لیکن پولیس چاہے تو آپ کو بیٹے اور شوگر بوہی کے قتل میں ملوث کر کے پھانسی پر چڑھا دے یا عمر قید کی سزا دے۔" پھر وہ غری کی دیکھ کر بولے۔ "اب مجھے بھی جا ہے۔ اپنا خیال رکھنا۔"

"میں نے ابھی کھانے کے لیے روکنا چاہا لیکن ان کے پاس وقت نہیں تھا اس لیے وہ عذر دے کر وہاں سے چلے گئے۔"

"بھیا!۔" امرسلان نے کہا۔ "مجھے اس ڈوی آئی کی کی بات کا اعتبار نہیں ہے۔ اگر اس نے وعدہ غلطی کی تو میں خوراس کا کام تمام کر دوں گا۔"

"اتنے چند پانی مت بنو اور سنو۔۔۔۔۔" میں نے کہا۔ "انکل انصاری نے کچھ سوچ کر ہی ایسا کیا ہے۔ ان کے اعزاز سے غلط فہمی ہو سکتے۔"

دوسرے دن واقعی مجھ پر تمام عین الزامات فتح کر دیے گئے۔ جب ٹھکر، اداوار انکل، امور میں ملوث ہو تو مجھ کو بھی ہو سکتا ہے۔ انکل نے حسبِ وعدہ واپس اپنا حساب واپس لے لیا۔ اب مجھے پولیس کی طرف سے کوئی خطرہ نہیں تھا اب شہر کی طرف سے اب بھی خطرہ ہے کہ لو اگر میرے سر پر رنگ دے دیں گی۔

مجھے اس وقت کا انتظار تھا جب شائستہ بھل جاتی۔

تیسرے دن میں نے ڈوی آئی کی کو ٹیلی فون کیا تو اس کا کل فون آف تھا۔ دفتر میں ٹیلی فون کرنے پر معلوم ہوا کہ وہ آفس میں موجود نہیں ہے۔

"بھیا!۔" امرسلان نے کہا۔ "میں نے آپ سے پہلے ہی کہا تھا کہ مجھے اس ڈوی آئی کی پر اعتماد نہیں ہے لیکن آپ نے میری بات نہ مانی۔"

"فکر مت کرو امرسلان!۔" میں نے کہا۔ "ابھی تو پورے چار گھنٹے باقی ہیں۔"

"تو کیا وہ ڈوی آئی کی جتنی غصوں اور سنوں کا حساب کر رہا ہوگا؟" امرسلان نے چڑکھا۔ "کہہ رکھتے ہو پورا ہوا وہ شائستہ کو ہمارے حوالے کرے۔"

"میں انکی تھوڑی دیر میں انکل انصاری سے بات کرتا ہوں۔" میں نے کہا۔ "ان کا کل فون بڑی ہے وہ کسی کلائنٹ سے بات کر رہے ہوں گے۔"

ابھی میں امرسلان سے بات کر رہا تھا کہ میرے تل فون کی بیل بجنے لگی۔ اسکرین پر انکل انصاری کا نام تھا۔ یہ انکل امرسلان سے کہا۔ "تو انکل کا کل فون آگیا۔" یہ کہہ کر میں نے تل فون کان سے لگا لیا اور بولا۔

"سلام! سلام! انکل! میں بھی آپ کی کال کر رہا تھا لیکن آپ کا کل فون بڑی تھا۔"

"وہیکم السلام؟" انہوں نے جواب دیا لیکن ان کا کھجہ بجا بجا سا تھا۔ میں اس اپنے ایک کلائنٹ سے دیکھ کر رہ گیا تھا۔

"انکل! ابھی تک ڈوی آئی کی صاحب نے رابطہ نہیں کیا ہے۔ کیا آپ سے ان کا رابطہ ہوا ہے؟ آج تیسرا دن ہے اور شائستہ۔۔۔۔۔"

"عمران! جیہا۔۔۔۔۔! انکل نے میری بات کا تکیہ دی۔ "وہ ڈوی آئی کی ہے چارہ اپنے وعدے کی لاج رکھنے کے سلسلے میں اپنی جان سے گیا۔"

"کیا کہہ رہے ہیں آپ؟" میں نے کہا۔

"ہاں جیہا!۔" انہوں نے مجھے ہونے لگا دیا۔ "میں ٹھیک کہہ رہا ہوں۔ وہ ابھی تھوڑی دیر پہلے اسے آفس سے نکالنا تھا کہ ایک گاڑی سے اس پر حملہ ہوا اور اسے لاکھ کی گئی۔ اس کے ساتھ ساتھ رانا بھی ہلاک

ہو گیا۔ تم شاید فی دی نہیں دیکھ رہے؟  
 "لیکن انکل اب شائستہ....."

"جیسا ہی بیان کیوں ہوئے ہو؟ شائستہ بھی اٹھا مائل مل جائے گی۔" میں نے ڈوبتے ہوئے دل کے ساتھ مطلع کر دیا خود بھی صوفی کی پشت سے ٹپک لگی۔

"کیا ہو گیا؟" ارسلان نے پوچھا۔

"میں نے اسے تیار کیا۔ آئی کی بی بی کا جناح معلوم افروانے کا رنگ کر کے ہلاک کر دیا۔  
 چور نے ہاتھ بڑھا کر صوفی کو کشتہ زل اٹھایا اور لی وی آن کر دیا۔

فی دی کے ہر شخص پر بھی گرجی کہ کچھ معلوم افروانے کی بی بی صادق ملی کو گولیاں مار کے جاں بحق کر کے ساتھ ہی ان کا زرا تھوڑی جاں بحق ہو گیا اور رنگ سے ایک ماہ گیر ہلاک اور چار ڈی ڈی بھی گئے۔

"اس کا مطلب ہے کہ ڈی آئی کی بی بی نے واقعی جھجکی سے گوشہ کی گئی کہ وہ شائستہ کو ہمارے حرا کر دے۔ اسے قائم شائستہ کے بارے میں کوئی سراغ مل گیا تھا اور وہ پوری دیانت داری سے اسے ہاتھ کرنا چاہتا تھا۔

"ٹھڈی آئی کی صاحب کی مغفرت کرے اور مجھے معاف کرے۔ میں ان کے بارے میں بہت غلط رہا تھا۔" ارسلان نے کہا۔

ہم بھی غم زدہ تھے اور کمرے میں صرف گڑی کی تک ٹپک سنائی دے رہی تھی۔

اس سکوت کو میری تل فون کی تپل نے توڑ دیا۔ میں نے چونک کر اسکرین پر نظر ڈالی وہاں کوئی اجنبی نے قبا پہننے میں نے سے نظر انداز کرنا چاہا اور تپل بجتی رہی۔

"کون ہے؟" تھوڑے پچھا۔

"کوئی اجنبی خبر ہے۔" میں نے جواب دیا۔

اس دوران میں تپل بجنا کچھ خاموش ہو چکی تھی۔

چند من بعد تپل بجنے لگی۔ اس مرتبہ بھی اسکرین پر وہی اجنبی خبر تھا۔ میں نے جھنجھکا کر دوسری تپل بعد تپل فون کاٹن دیا اور اسے کان سے لگا کر بولا۔ "ہیلو۔"

"تم سو رہے تھے یا پھر بھرے ہو گئے ہو؟" دوسری طرف سے کوئی نہایت اکڑنے والی اور توہین آمیز انداز میں بولا۔

"کون بول رہا ہے؟" میں نے اپنے فیس پر قاپو پاتے ہوئے پچھا۔

"میرے کی نام ہیں۔" اس نے چڑانے والے انداز میں کہا۔ "خیر، اہل ملک الموت عزرائیل۔"

"خیر عزرائیل صاحب۔" کہنے زحمت فرمائی؟ "میں نے بھی اسی لیے کہا۔" اگر آپ بدو فیس چاہتے ہیں تو ملی فون پر تو گفتگو نہیں اس کے لیے آپ کو یہاں تک آنے کی زحمت نہ ہوگی یا پھر آپ کو یہ آنے میں کوئی قیامت ہے تو میں حاضر ہو جاتا ہوں۔" شرعیہ غم سے جو راجہ باریش آئے۔

"بہت چپک رہے ہو۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔ "ابھی ساری شوقی ہوا ہو جائے گی۔"

"ظاہر ہے جب آپ زہد فرمائیں گے تو شوقی کیا؟ میں خود بھی ہوا ہوا جاؤں گا۔"

"میں نے آج کل کا سڈی لیسٹریز زیادہ دیکھ رہے ہو؟" اس نے سچے لہجے میں کہا۔  
 "پچھلی ہی انکسوں سے خوف فرماتے ہیں؟" میں نے پوچھا۔

"زیادہ کوساں مت کرو تم شاید مجھے جانتے نہیں ہو؟"

"ابھی آپ نے خود ہی تو اپنا تعارف کرایا ہے۔" میں نے فیس کر کہا۔ "پہلے بھی جانتا تھا لیکن اب اس کا منظر کرنے کا موقع مل گیا ہے۔"

"میں جنہیں صرف یہ بتانا چاہ رہا تھا کہ اس ڈی آئی کی کے انجام سے بہت بچو۔"

"میں تو ہر مرنے والے کو دیکھ کر مہریت پکڑتا ہوں اور اپنی موت کو پکڑتا ہوں۔" اس کی بی بی تو آج کل روزانہ بہت سے لوگ قہما قہما سن رہے ہیں۔ آئی کی کال تک مہریت پکڑے۔ مہریت ہی پکڑتا رہے تو پھر وہ کی بددعا میں اور بوشت گرد کو کب اور کیے پکڑے گا؟

"میرا نام سنو گے تو تمہاری چٹون میں جو جائے گی۔"

"پہلی بات یہ کہ میں تمہارا نام ابھی تم ہی سے سن چکا ہوں دوسری بات یہ کہ میں اس وقت چٹون میں نہیں ہوں اور تیسری بات یہ کہ جو کچھ میں نے کہیں رکھا ہے وہ بلا لکھ ہوا۔"

میں نے پوچھا کیا تھا کہ بی بی نے منہدی کے کسی آئی نے کیا ہے جو بھڑکی آئی کی کے انجام سے خوف زدہ کر رہے ہیں لیکن میں بھی جان لو پھر کیا جاننا ہوا تھا۔

"تم نے شاید غلط فہم لایا ہے۔" میں نے کہا۔ "میرا نام سن کر تمہارا بھی وہی حال ہو گا اس لیے بھر ہے کہ تل فون بند کر دو۔"

"خود کو بہت بڑا معزز سمجھتا ہے؟" وہ مختصر ہو کر تم سے تو پر آ گیا۔

"بہت بڑا تو کہیں ہوں۔" میں نے کہا۔ "اس ملک میں مجھ سے بھی بڑے معزز ہیں مثلاً منہدی۔"

"تکلف ہے اچھے اپنی بہن کی بالکل پروا نہیں ہے۔"

"میری بہن کو خراش بھی کچھ تو چھوے اور میرے اس معزز سے ہاس کو چھائی کے تختے پر پہنچا دوں گا۔ وہ فاسک ایک تک اس میں ملی ہے اور اب تو میرے پاس ایک مانگر وہ بھی ہے۔" پھر میں عجیبہ ہو کر بولا۔ "اب سیدھی طرح کہنا نام اور کام بتاؤ میں فون بند کر رہا ہوں۔"

"میں جان کر ہوں لیکن مجھے موت کا ہر کار بھی کہتے ہیں۔"

"بہت خوش ہوئی ہے جان کر یہ بات تو گھر میرے لیے بھی کہتے ہیں۔" میں نے سچے لہجے میں کہا۔ "اگر تمہیں صحت سے قوت سامنے آ کر بات کر میں بھی تو دوں گا کہ ان کی موت کا ہر کار ہے۔"

"ہاس نے کہا ہے کہ اگر وہ فاسک اسے چوس گئے کہ اندازہ نہ دے تو پھر تیری بہن کی زندگی کی کوئی ضمانت نہیں ہے۔"

"تمہارا اس کا گویا ہے یا مجھ سے بات کرتے ہوئے شراب مارے؟" میں نے سچے لہجے میں کہا۔ "اس سے کہنا کہ شرابا چھوڑے اور مجھ سے براہ راست بات کرے۔ مجھے کسی اور صافی الو کے پھنکے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ کہہ کر میں نے سلسلہ مطلع کر دیا۔

تھوڑا ارسلان اور ہاتھ میں ہی میری بات پر فیس رہے تھے۔ ارسلان کو میں نے ایک مدت بعد ہنسنے دیکھا

شیرا عبدالقیوم

جہان کی

کمرے میں سنانے کا راز تھا۔ دو حیران حیران ہی آٹھ ٹیلی اور  
چہرے ساہنے اس کی نظر اپنے ہاتھ پر پڑی بڑی بڑی سفید اگلیاں  
اچھڑے میں چمک رہی تھیں اور تیسری اگلی میں۔

ایک دم دل جھٹکی جھپٹ گئی اس نے سوچا کہ



تھا۔ اسے ہنسنے لگا کہ مجھے خود بھی پسی آگئی۔ میں نے اسے ہنسنے بتایا کہ ٹیلی فون پر کون تھا اور کیا کہہ رہا تھا؟  
ٹیلی فون کی تیل دو بار دہرائی تو میں نے ہنسنے ہی اسکرین پر نظر ڈالی۔ اس سر جیوگی کوئی اجنبی نبر تھا۔  
نے دوسری گھنٹی پر کال ریسیو کر لی۔ "ہیلو۔" میں نے ہنسنے ہوئے کہا۔

"بہت ٹہنی آرہی ہے عمران؟" دوسری طرف سے مشہدی کی آواز آئی۔  
"ہاں ہی ہنسنے کی ہے نا مگر تمہارا ایک آدمی مجھ سے کہہ رہا تھا کہ وہ میری بہن کو ہلاک کر دے گا۔" میں  
زبردستی ہنسنے ہوئے کہا۔ "اُسے تم کو دھوکا دے رہا ہے؟ تم تو مجھے اس کی ڈیڈی بگوار ہے تھے؟"

"میں نے تم سے جھوٹ بولا تھا۔" اس نے کہا۔ "تمہاری بہن کا نام بھی ذمہ ہے۔"  
"اب میں کیسے یقین کر لوں؟" میں نے کہا۔ "تم نے پہلے جھوٹ بولا تھا اب بول رہے ہو؟"  
"جیسے کیسے یقین آئے گا؟" وہ کاٹ کھائے والے کچے میں بولا۔  
"تم اس سے میری بات کراؤ مجھے یقین آ جائے گا۔" میں نے سنجیدہ ہو کر کہا۔  
"تو کرا اس سے بات کرو۔"

دوسرے ہی لمحے مجھے شائستگی بھرائی ہوئی آواز سنائی دی۔ "بسیا۔"  
"تو کیسی بے گڑھا؟" میں بے تاب ہو کر بولا۔ "تجھے ان لوگوں نے کوئی تکلیف تو نہیں پہنچائی؟"  
"نہیں بسیا! میں بہت آرام سے ہوں۔ آپ۔"

اس کا جملہ ادھورا رہ گیا کیونکہ مشہدی نے اس سے ٹیلی فون چین لیا تھا۔ وہ کشت لکھے میں بولا۔ "بہن  
یقین آ گیا؟"

"ہاں اب مجھے یقین آ گیا۔" میں نے کہا۔  
"اب تم کو اپنی بہن کی دوا کبھی چاہئے ہو تو مجھ سے ایک سودا کر لو۔"

میں خاموش رہا۔  
"ہیلو عمران! کیا تم میری آواز سن رہے ہو؟" اس نے کہا۔  
"ہاں میں سن رہا ہوں تم بولتے رہو۔"

"تم جو سہ سو فاکل حاصل کر کے اور باغیر وقم میرے حوالے کر دو۔ تمہاری بہن خیر و عافیت تم تک پہنچ  
جائے گی۔"  
"وکیو مشہدی! جو میرا ہمت جیسے کہ میں اس سے کہوں گا اور وہ فاکل مجھے دے دے گا۔ دوسری بات  
ہے کہ اسے تو اس کی فاکل کا کلم نہیں ہے۔ تم نے اس کی دوا اور بہن کو ہلاک کر دیا اس کے باپ کی جان لے لی۔  
اگر فاکل اس کے پاس ہوتی تو تم تک پہنچا دیتا۔ نا ہی بہن اور ماں کو بوس موت کے منہ کے حوالے نہ کرتا۔"

"تم کسی بھی طرح اس سے فاکل حاصل کرنے کی کوشش کرو۔"  
"میری ملاقات تو اس سے بھی ہو چکی ہے۔ میں اپنی بہن کی رہائی کے لیے یہ کوشش بھی کر لوں گا۔"  
اس پر ہنسنے لگا کہ تو کروں گا لیکن ایک بات یاد رکھنا مشہدی! اگر میری بہن کو ایک غرض بھی آئی تو۔"

یہ پرتھو منشی خیر اور بدو رنگ آپ جی بھی جاری ہے  
بقیہ واقعات آجیدہ منکر سے ملنا ملاحظہ فرمائیے





"بیمار وہ کسی کا کیا لیتا ہے غریب؟ آپ اس کی اس پہلے دن حالت دیکھتے، پتیلیاں اور کھٹے نہ صرف پھلے ہوئے بلکہ جمل بھی کھتے تھے۔"

مہر اقسام جب بولے برائی تو ان اسٹاپ بولتی چلی جاتی تھی۔ اماں نے نگلی سے اسے کھولا۔

"بڑا بھائی ہے تمہارا؟ کچھ سوچ کر ہی بول رہا ہوگا۔"

"اماں!....." وہ بچوں کی طرح ناراض ہو گئی۔

مٹھلی نے بھی اسے کھولا۔ "بھڑکھٹھ کھل کے ناخن لے لو یا زور مجھے کون ہے؟ کیا ہے کل کا کون کچھ نقصان دے بیٹھا تو؟" وہ خاموشی سے چاول کھا رہی تھی۔

"بھائی راجد پاس کر دیں پلیز۔"

"یا زیدی ذمیت ہو تم سے۔" مٹھلی تو جمل ہی مٹھلی تھی۔

"بیمار تو موسم تبدیل ہو جانے تو میں اسے یہاں سے چلا کر دوں گی بس گرمیاں گزارنے دیں۔" اس نے مصیبت سے چپکس بچنے سے ہوئے منصور کو دیکھا۔ منصور کو انجی پی دو بیٹیں بہت عزیز تھیں۔ لہذا میاں کے انتقال کے بعد اسی نے انہیں خود ہی سمیٹ لیا تھا وہ سکرادیا۔

"اگے کمر صرف گرمیوں تک۔"

"ایک دم نکلا۔" وہ دس دی تھی۔ منصور ہاتھ نیچیں سے صاف کرتا اٹھ کھڑا ہوا۔

"نرنا ایک پے چائے کرے میں لے آؤ یا نہ بہت تھک گیا آؤ۔"

"اگے بس کمانہ کالوں آپ بیٹھیں میں لاتی ہوں۔" نرہہ پلیٹ صاف کرتے ہوئے بولی۔

.....

اس روز مہر اقسام لان میں بیٹھی کچھ خوش محفل کر رہی تھی کہ وہی فقیر گھسٹا ہوا اس کے قریب

آدھ کا مہر نے چمک کر اُسے دیکھا۔ مہر کی آنکھیں اسی پر مرکوز تھیں۔ سختی ساٹ اور کھلی نظر میں اس کی ذہن بہن ہوئی۔

"کیا بات ہے کچھ چاہتے ہیں؟" مہر کی آنکھیں اس کے کانوں میں اتر آئیں۔ جواب اس نے گراہ دیا۔

"کیا چاہتے ہو چکر اگرتا دیا ہوتا ہے؟"

"نہیں! اس کے بس میں نہیں تھا جیسی ہے آپ کے پاس آئی ہوں۔" مہر بہت ہی طرح اس کے آواز میں اٹھنے لگی۔

"کیا چاہتے؟" وہ دانستہ لہجہ لہرا رہا ہوا۔

"آپ....." اتنا کمر کھڑا خاموش ہو گیا۔

"کیا!؟" مہر کی ساتھ کھڑی ہوئی۔ فقیر نے اس کی بدلتی کیفیت کو بغور دیکھا۔

"آپ مجھے اسے بھائی کی قیاس دے سکتی ہیں؟" اس نے اپنی نیکی پہنچتی ہوئی قیاس کی طرف اشارہ کیا۔ "یہ بہت چھٹ گئی ہے۔" مہر نے سکون کا سانس لیا۔

"حق آؤ!..... وہ دل ہی دل میں بڑا ڈالی۔"

"کیا آپ مجھے کچھ کہہ رہی ہیں؟" فقیر نے ہاتھ امیرانہ سے دیکھ رہا تھا۔

"نہیں تو....." وہ گڑبڑا گئی۔

"اور آپ کا شکریہ کہ آپ نے مجھے یہاں گرمیاں ختم ہونے تک کی اہوازت دلا دی۔"

قدر خوب صورت آواز ہے اس فقیر کی۔ بولے سے دل چاہتا ہے کہ..... آپ کیا چاہتی ہیں؟" وہ آؤ کے بالکل سامنے آ گیا۔

"نہیں۔" مہر اقسام نے جوابی سے آہٹیں پھیلانے لگی۔ "کیا مطلب میں تمہیں کیڑے بھوکا ہوں ماسی کے ہاتھ۔" وہ کتابیں اٹھائے بغیر تیز قدموں سے اندر جا رہی تھی۔ فقیر کے چہرے سکرانہٹ نمودار ہو گئی تھی۔

اب کمر والے بھی کافی مطمئن تھے۔ مہر نے ہونے کو آپ کا مہر اس فقیر نے کوئی ایسی حرکت نہیں کی تھی کہ وہ اس پر فخر کر سکتے بلکہ اب وہ اس کی بھی مٹھلی بھی کمانے کے لیے اسے کچھ نہ کہہ سکتا تھا۔

وہ فقیر جب تک بیٹھا رہتا تو کھانا میں نظر میں مرکوز رکھتا آ رہی تھی۔ مہر کی بات یہ ہوئی تھی کہ منصور کا بڑا بس بہت تیزی سے اوپر جانے لگا تھا۔ اب وہ ایک مشہور صنعت کار کی حیثیت سے پہچانا جانے لگا تھا۔ مٹھلی کے لیے بھی ایک بے حد امید و کھیر گھرانے کا رشتہ آگیا تھا۔ ان کے گھریلو حالات حیران کن بہتر ہوئے جارہے تھے۔ اماں بھی اس فقیر کا خیال رکھنے لگی تھیں۔ مہر ایک رات مہر اقسام نہایت گہرائی ہوئی اماں کے کمرے میں آ گئی۔

"اماں چائی" گویا اس نے آپ کے ساتھ سو جاؤں؟" وہ بہت برا ساں تھا۔

"ہاں بیٹا آ جاؤ۔" وہ بچھے کو ہٹ گئیں اور مہر اقسام لان کے ساتھ چکر کھڑی۔

"رات کو کیا ہو گیا تھا؟" مٹھلی نے ناشہ کرتے ہوئے انہیں رات کی بات یاد آئی۔ مہر وہ ناشہ کرتے کرتے رکت گئی۔

"نہیں! کیا بات سے اماں چائی؟ کچھ راتوں سے مجھے بہت کچھ خواب نظر آئے گئے ہیں اور کل رات تو بہت ہی عجیب سا....." اتنا کمر کھڑا کر گئی۔

"کیا ہوا بیٹا؟" اماں گہرے انداز میں پوچھی۔

"کچھ نہیں اماں چائی!..... اس بہت ڈراؤنا خواب تھا۔" مٹھلی نے آپ کے کمرے میں آ گئی تھی۔

"وہ سکرادیا۔" اماں اماں چائی۔ "اس میں کتنی ہون آؤ اس کا کھٹ تب کھڑا ہے۔" وہ ان کے ہاتھ کو چومتی ہوئی باہر نکلی۔

مہر اقسام مستقل اس کالی مٹی کے ہارے میں سوچ رہی تھی جو حوض اس کے خوابوں میں دکھائی دے رہی تھی۔ اس خواب نے اسے کوفت میں چنکار دیا تھا۔ یہ مٹی اس کی ہے وہیں میں لوہا کرتی تھی تو ابھی اس کی پتیلیاں چاٹ کر تھی۔ خواب کی حد تک تو دست تو سر کر لیا۔ رات ہے کیفیت اتنی اور جمل تھیں کہ آٹھ کھٹلے کے بعد بھی اس کی کلام و وجود اسے خود سے قریب محسوس ہوتا تھا اور کمرے میں کسی کی موجودگی کا احساس اتنا قوی تھا کہ وہ غور و ہور کہاں جاتی کے کمرے میں چلی آئی تھی۔

"کیا بات ہے مہر اقسام؟" اس کی پوندیسر حیدر خاتون نے اُسے مستقل کپیلیاں دہاتے ہو چڑھایا تھا۔

"کچھ نہیں میڈم آئی ایم فائن۔" وہ زبردستی مسکرائی۔ وہ بخور اس کا چہرہ دھکتی رہیں۔ کچھ تو تھا جو انہیں بھی ڈسٹرب کر گیا۔ مہر اقسام قائل ترین اسٹوڈیو میں شہر کی جاتی تھی۔

"نکر کچھ ہے تو آپ کچھ سے share کر سکتی ہیں۔" وہ زہری سے مسکرائی۔

"فقیر میڈم۔" وہ سر جھٹکتی اٹھ کھڑی ہوئی۔

آج کل کھانے کیا ہو گیا تھا کہ وہ کمرے زیادہ دور نہیں رہ رہی تھی۔ عجیب کی گھبراہٹ اس پر غلامی ہونے لگی تھی۔ قدم بول ہونے لگتے تھے حالانکہ اس کا سوشل سرکل کافی بڑا تھا اور اس کا زیادہ تاخیر ہی میں گزارا کرتا تھا۔ وہ بیڑا ماری سے کارڈ رائج کر رہی تھی۔ نچانے کیا تھا جہاں اس کچھ سے باہر تھا۔ ہر جہ سے کیفیت اس پر غلامی رہا کرتی تھیں۔ دوست احباب سب سے دور رہنے کا دل چاہتے کا تھا۔

.....

رات کے ڈھائی بج رہے تھے مہر اقسام نے نظر

افکار وال کا کہ کو دیکھا اور کتاب بند کر کے ایک طرف رکھ دی۔ نیند سے آنکھیں پھول پھول رہی تھیں۔ اس نے لمبی بھائی لیے ہوئے لیپ بٹھا دیا۔ کچھ دیر میں دوسرے گہری نیند سو گئی تھی۔ کمرے میں مکمل اندھیرا اور خاموشی مچی کبھی کمرے میں ٹپکی روٹی آنے لگی تھی جو آہستہ آہستہ ہر اشیاء کے چہرے پر چھا رہی تھی۔ ہر اشیاء کے چہرے کے تاثرات بدل رہے تھے۔

یادوں کی سی۔ "میں تم سے بہت محبت کرتی تھی۔ آواز ہوں۔ کیا تم میری ہونا چاہو گی؟" آواز میں عجیب سا سرخشاں ظرف آواز گونج رہی تھی۔ "مگر میں تمہیں نہیں جانتی اور تم کو کون؟" لمبی اس کے پیروں میں بھی اسی تک رہی تھی۔

"کیا تمہارے لیے یہ کافی نہیں کر میں تمہیں بہت چاہتا ہوں بہت محبت کرتا ہوں؟" آواز کا کھلم بڑھ رہا تھا۔ ہر اشیاء کو یہ سب کچھ بہت فخری تاؤں میں گہرت بگڑا اچھا لگ رہا تھا۔ وہ جو کوئی بھی تھا اسے چاہتا تھا۔

"یہ تمہارے لیے۔" بڑے بڑے گینگوں سے بگڑائی انگلی اس کے پاس تھی۔ "اے یمن لو ہر اشیاء یہ میری محبت کا حصار ہے جو ہمیشہ تمہارے ارد گرد قائم رہے گا۔" آواز خوشی کی نمان تھا۔ یہ خود پیٹاؤ گئے تھے؟ "ہر اشیاء دیر سے ہوئی۔

"ہاں! کیوں نہیں؟" "لوں میں انگلی ہر اشیاء کے ہاتھ میں بگڑا رہی تھی۔ ہر اشیاء نے دھیرے سے گڑھ لی۔ حد سے زیادہ غلغلہ کا احساس تھا جس کی وجہ سے اس کی آنکھ کھل گئی تھی۔ کمرے میں سنانے کا راجح فاکس رہا نے پتیلی کی لپاں مسکرا رہی تھیں۔ وہ حیران حیران سی اٹھ بیٹھی۔ "یہ سب کیا

ہو رہا تھا؟" بے ساختہ اس کی نظر اپنے ہاتھ پر پڑی غزوی سفاک انگلیاں اندھیرے میں پک رہی تھیں اور تھری لگی تھی سب انگلیوں کو جوڑی۔ ہر اشیاء نے حیرانی سے اسے چھوا اور اسے جزم کر سکا رہی۔ آنکھیں پھر پھول پھول رہی تھیں۔

"واؤ۔" ہاتھ پٹائی۔ "مٹھنی سے ہر اشیاء کی انگلی میں بگڑائی انگلی دیکھی۔" "یہ کس نے دی تھیں ہر وہ؟"

ہر اشیاء چکر چکر کیے بالوں کو انگلیوں سے سلجھا رہی تھی مسکرا رہی۔ "یہ بہت خاص انسان نے دی ہے۔"

"مطلب؟" "مٹھنی نے اسے حیرت سے دیکھا۔

"افسوس۔" برطان مت بوقت آنے پر سب تباہوں کی۔ "مٹھنی کو اس کی مسکراہٹ بہت عجیب لگی تھی۔ ہر اشیاء کا چہرہ چمک رہا تھا۔ آنکھیں تو خیر بیٹھے سے خوب صورت تھیں مگر اب بہت روشن لگ رہی تھیں۔

"میرا دم کسی نللا آدی کا انتخاب مت کر لینا۔" ہیرا اور ماں کا نام مت توڑ دینا۔ "مٹھنی نے اس کا ہاتھ تھا۔

"ایسا کچھ نہیں ہے مٹھنی! ہر اشیاء نے محبت سے اس کے ہاتھ کی پشت چھتی تھی۔" وہ غلغلہ انسان نہیں ہے ہاں مگر کچھ عجیب ضرور ہے۔ روزانہ خوابوں میں چلا آتا ہے اور جب جاتا ہے تو ہر شے کو اپنے حصار میں قید کر جاتا ہے مجھے دیکھو۔" وہ مٹھنی کے کمرے سامنے آ گئی۔ چہرہ تپ رہا تھا۔ "میں بھی اس کے حصار میں ہوں۔" وہ کونٹی میں بول رہی تھی۔ آنکھیں گلابی ہو رہی تھیں۔ "مٹھنی! مجھے اس کی عادت ہو گئی ہے روزانہ مراں میں جب تک اس

سے بات نہ کروں مجھے سکون نہیں ملتا۔ جانتی ہو وہ میرے سونے کا انتظار کرتا ہے اور جب میں سو جاتی ہوں تو بچے سے میرے پاس آ جاتا ہے۔" وہ جیسے نیند میں بول رہی تھی۔ "اگر وہ بہت عجیب تھی۔" "اگرے ہر وہ کیا ہوا ہے جیسے؟" "مٹھنی نے اسے بازوؤں سے پکڑ کر جھموز ڈالا۔" "کیا اول ٹول کے جاری ہوا؟" "وہ کافی تیز لکھے میں بولی۔" "اور اتار داسے" "نجانے کہاں سے یمن کر گئی تھی؟" "اس نے حیرتی سے ہر اشیاء کی انگلی سے وہ انگلی اتار کھینکی۔ کھوں کے کھوں سب تبدیل ہو گیا تھا۔ ہر اشیاء نے فخر کھائی کو کھوڑا اور پھر کھینچ لیا۔ اس کی آنکھیں سرخ لگا رہی ہو رہی تھیں۔

"تیری محبت کس طرح ہوئی؟" تو ہوتی کون ہے؟" اس کی آواز بولتی جاری تھی۔ "مٹھنی سنے کی حالت میں اسے دیکھ رہی تھی۔ "ہم ایک ہو چکے ہیں اور کوئی ہمیں علیحدہ نہیں کر سکتا۔" کبھی نہیں۔ "اس نے مٹھنی کو دھکا دیا۔ وہ سیدھی ڈیر ٹریک ٹیبل سے جا گرائی۔ اس کی نظر روزانہ بے کمری ماں اور ہر اشیاء پر پڑی جو حیرت و دہشت سے یہ مسخر دیکھ رہی تھیں۔ "نگن! یہاں سے۔۔۔" نازکی ہر اشیاء میں سنانے کہاں سے آئی حالت انداز کی تھی کہ وہ مٹھنی کو بازو سے پکڑتی ہوئی باہر لے آئی۔ "آئینہ تیرے ساتھ گونج رہا ہے نہیں بچوں کی۔" "اس نے اندھیرے میں روزانہ بند کر لیا تھا۔ ماں اور ہر اشیاء پر قہر کا پتھر مٹھنی سے لپٹ گئی تھیں۔

"نکلیں۔" کچھ غلغلہ ہے۔ "وہ در رہی تھی۔" "ہر اشیاء نہیں رہی۔"

منصوبہ کی گھرنہ دی سے سب کن رہا تھا چہرے ہاتھ کی کیفیت ابھرا آئی تھی۔ "بھینچا مجھے یہ سب سی اور حق کی کارستانی کی ہے۔" "ماں نے منصور کو بخور

دیکھا تھا۔

"یہ کسی عام انسان کا معاملہ نہیں ہے۔" "نہر نے بھی ماں کی ہاں میں ہاں ملائی۔

"ہاں بھائی یہ سب میں نے بھی دیکھا ہے منصور کچھ اور ہے۔" "اس کی وہ لوگ ہاتھ میں رکھے تھے کہ ہر اشیاء کمرے میں داخل ہوئی۔ میں نے بازو اڑا دے دیکھا وہ عام بولوں سے زیادہ فخری ہوئی اور خوب صورت لگ رہی تھی بے سیاہ ہاں کمرے سے پھل پھل رہے تھے۔

"ہیلو! کیا بات ہے؟" وہ مسکراتی ہوئی منصور کے بازو سے چپک گئی۔ "بھینچا مجھے آپ سے بات کرنی ہے۔"

"ہاں چلا بیٹو۔" وہ جبر اسکرایا۔

"میں سب کے سامنے آپ سے بات کرنا چاہتی ہوں۔" وہ نہایت پر اعتماد انداز میں منصور سے بات کر رہی تھی۔ ماں مٹھنی اور ضرور نے چوکے انداز میں اسے دیکھا۔ "بھینچا۔۔۔" ایں کسی کو پسند کرتی ہوں پسند نہیں بلکہ مجھے اس سے محبت ہے شدید اور بے اختیار محبت۔" وہ جیسے کسی فراس میں بول رہی تھی۔ "مجھے اس کو آپ سب سے ملوانا ہے اور ملوانے کا مطلب آپ بخولی جانتے ہیں نا مجھے اس سے شادی کرنی ہے۔"

"یہ کیا بول رہی ہو جو۔۔۔؟" "ماں نے اسے گھر کا۔" یہ سب بات سے جس انسان کا ذہان نہ چتا ہم کبھی نہیں اس سے سوچ سکے ہیں؟"

"کیوں نہیں سوچ سکتے؟" وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ "سوچنا پڑے گا کیونکہ میں اسے اپنا آپ سوچ چکی ہوں۔" "مٹھنی اور ضرور پتھر کی مسورت بنے اسے غور رہے تھے۔ یہ ہر اشیاء تو نہیں تھی۔

"تیرے ہاتھ ہر اشیاء منصور صرف کھارہا بھائی ہی نہیں بلکہ ہمارا ہے۔" "ماں اس مجھے میں



کے ذہن کو بکھرے لگائے جارہے تھے۔ مہر کے نفی وجود نے اس کو حد سے زیادہ شرمندگی میں ڈال دیا تھا۔ کاش کہ وہ اس فتنہ کو نہ مارتا تو نازک کسی مہر اس تکلیف میں نہ پڑتی۔

”یہ تکلیف تو خود اس نے اپنے گلے میں ڈالی ہے تو کیوں روتا ہے؟“ کائی باہر آواز مچی جس نے فیض کو چمکنے پر مجبور کر دیا تھا۔ اس نے سہے ساختہ آنکھیں کھول کر اپنے قریب دیکھا۔ جیسا کہ پہلے سال کی مہر کا ریش آدھی سے تک رہا تھا۔

”آپ؟“ وہ کچھ بول بھی نہ پایا کہ اس آدی نے اپنے یوں پر انگلی رکھ کر اسے خاصوش رہنے کا اشارہ کیا۔

”مکہر ہے وہ پاگل جس نے اس جیوان کو خود پر مسلط کیا ہے؟“ مجھے لے کر اس کے پاس۔ ”فیض اس آدی کو لیے چپ چاپ ہسپتال کے پانچویں کمرے میں چلا آیا۔

منصور نے اندر آتے فیض اور اس کے ساتھ لیے سے ریش بھر رکو دیکھا جس کے چہرے پر پہلے پناہ اور ناز دیکھی تھی۔

”السلام علیکم؟“ اس نے با آواز بلند سلام کیا۔

”ولیکم السلام؟“ منصور نے جواب دیتے ہوئے ہاتھ آگے بڑھا دیا۔ کئی ملاطفت مچی ہاتھ میں یوں لگا جیسے کوئی روٹی ہو۔ مگر وہ مٹکی نے چونک کر اسے دیکھا۔

”ابا! آپ لوگ کچھ دیر کے لیے باہر چلی جائیں۔“ وہ کسی سے بھی نگاہیں ملائے بغیر غلط قرار مگر منصور کے اشارے پر مٹکی کو لیے باہر نکل گئی۔ مہر بے ہوش مچی۔ وہ اس کے قریب بڑی کرسی پر آ بیٹھا۔ زرب کچھ دیر عین چڑھتے وہ آنکھیں بند کیے بیٹھا رہا۔

”منصور؟“ کچھ دیر بعد اس نے آواز

دی۔

”جی...“ منصور کچھ حیران حیران سا تھا۔

”چلا آیا۔“

”جی ہاں عہد اللہ ہے۔ تم اپنی بہن کے قریب بیٹھ جاؤ۔“ کچھ کئے با منصور مہر کے بیٹ پر چڑھ کر ”فیض کسی کو اندر مت آئے“ وہ اپنے ہاتھ پر مٹکی کی انگلیاں پریشان ہو رہی ہوں گی۔ ”فیض“

”ہاں ہاں بڑھل آ گیا۔ سچا ہے کیوں لگتا تھا کہ عہد اللہ نے ان کی دھڑکی لیے بیکھا ہے۔“

”مہر اللہ کی انگلی میں پڑی انگوٹھی نکال۔“ منصور حیرت ہے اس فساد کی بڑ پر کسی کی نظر نہیں گئی؟ وہ شیطان اس کی دوسرے مہر اللہ پر حاوی ہے۔“ عہد اللہ کی نظر میں مستقل زمین پر نہیں۔ منصور نے بے ہوش پڑی مہر اللہ کا پایاں ہاتھ تھما کر برف کی مانند سرد ہو رہا تھا۔ غیر معمولی بڑی انگوٹھی تھمیز کر اٹھا تھا جو خوب چمک رہا تھا۔ منصور نے جیسے ہی انگوٹھی کو چھوا وہ سر سے پاؤں تک لرز گیا۔

”ساختہ اس نے ہاتھ پیچھے کیا تھا۔ بڑا روٹی کا کرنا تھا جو اسے لگا تھا۔“

”میں اللہ سے کام شروع کرتے ہیں۔“ منصور۔ عہد اللہ کی آواز ملاطفت سے مچی۔

”جی۔ شرمندہ شرمندہ ہے منصور نے ہم اللہ کے ہاتھ تمام کیا تھا۔ انگوٹھی آگام سے اتر گئی تھی۔ پانچ کمرے کا کھیر بچر گھٹنا شروع ہو گیا تھا۔ قہار نہ ہونے کے باوجود منصور ہواؤں کا شور اور غلغلہ محسوس کر رہا تھا۔ عہد اللہ نے انگوٹھی سے مٹکی کو ہاتھ میں تمام کیا وہ مستقل کچھ پڑے جا رہا تھا۔ منصور کا وجود اسے کاپ رہا تھا۔ اس نے مہر اللہ کا ہاتھ مضبوط سے تمام رکھا تھا وہ مستقل فتوحی میں تھی۔

”صاف کر دو مجھے۔“ صاف کر دو۔

”اچانک ہی فضا میں آواز ابھرنا شروع ہو گئی۔“

”غلطی ہوئی مجھ سے میں انسانی جسم میں قید ہو گیا تھا اور پھر ایک دن زندگی بھی تو اس کے کھر چلا آیا۔“ آواز میں تکلیف تھی۔ ”اس لڑکی سے مجھے محبت ہو گئی تھی۔“

”اسان فراموش تو نے ہمدردی کا یہ صلہ دیا اس تک لڑکی کو کہ اس کا طلب گار بن جیلتا؟“ عہد اللہ کی آواز میں شدید غصہ تھا۔

”میں وعدہ کرتا ہوں دور چلا جاؤں گا مجھے صاف کر دو۔“ منصور پچان کیا تھا یہ آواز تو اس فتنہ کی تھی۔

”ابھی آپ میرا اس دنیا میں رہتا ممکن نہیں رہا تھے وہاں لوٹنا ہو گا جہاں سے تیرا سفر شروع ہوا تھا۔“ عہد اللہ کئی آواز میں بول رہا تھا۔

”مجھے صاف کر دو میں اس لڑکی کی محبت میں کرنا رہا ہو گیا تھا۔ وعدہ کرتا ہوں انسانوں سے دور ہوں گا۔“ آواز میں خوف تھا۔ منت مانت مانت تھی۔

”ابھی میں ممکن نہیں۔“ یہ کہہ کر عہد اللہ بارہ کچھ بٹھنے میں مصروف ہو گیا تھا۔ منصور خوف کے عالم میں سب دھڑک رہا تھا۔ کچھ دیر بعد عہد اللہ نے آنکھیں کھول لی تھیں اور مسکرا کر منصور کو دیکھا۔ آنکھیں میں آنسو تھی تھیں۔

”میں تم منصور سب بہتر ہو گیا ہے۔“

”آپ کا کھر ہے۔“ منصور بے ساختہ رو پڑا تھا۔

”میرا فضا زب کا کھر ادا کرو۔ مجھے حکم ہوا تو چلا آیا۔“ عہد اللہ نے منصور کا ہاتھ چھو پٹپٹا تھا۔ فضا زب کہ اس کے نام پر جو عقل سے آسانوں کو لانا نہ دیتا ہے۔ چلا ہوں۔“

”میں سب کا قہار ہوں تو کوں تھا؟“ منصور نے اس میں چھلنے والے ناز نے ان سے ادا کر دیے تھے۔

”وہ انسان نہیں جن قہار ایک سرکش جن سے سزا کے طور پر انسانی معذرت جسم میں قید کیا گیا تھا۔ بس اب اور کچھ نہ پوچھتا۔ السلام علیکم؟“ یہ کہہ کر عہد اللہ کمرے کا دروازہ کھول کر نکل گیا تھا۔

باہر نکلتے عہد اللہ کو کچھ کر فیض کی نظمی اور غمزدہ تیزی سے اندر آ گئے تھے۔ سب کے چہروں پر سوال تھے جبکہ منصور مسکرا رہا تھا۔ ”خدا کا کھر ہے سب ٹھیک ہو گیا۔ فیض! تمہارا بھی کھر ہے۔“ منصور نے گرم جوشی سے فیض کو گلے لگا لیا تھا۔ ”یہ جیہیں کہاں ملے تھے؟“

”صاحب! میں نماز پڑھ رہا تھا تو یہ میرے ساتھ بیٹھے تھے اور انہوں نے خود ہی مجھ سے بات کر کے یہاں لانے کا کہا تھا۔“ فیض نے حیرانی سے بتایا۔ ”مگر صاحب! ابو کیا کیا مہر وہی ٹھیک ہو گئی ہیں؟ وہ فتنہ کوں تھا؟“

”ہاں منصور! ابو کیا؟“ مگر وہ بھی بے چینی سے پوچھ رہی تھی۔

”وہ فتنہ انسان نہیں قہار تھا۔“ منصور نے ہلٹ کر مہر اللہ کو دیکھا۔ ”اس نے ہماری مہر کو قید کر لیا تھا مگر اب سب ٹھیک ہو گیا ہے۔“

”تو کیا مہر ٹھیک ہو گئی ہے؟“ مٹکی مہر کے ہاتھ پر ہار کرتے ہوئے بولی۔

”ہاں! سچی! یہ بالکل ٹھیک ہو گئی ہے۔“ منصور نے بھی بڑھ کر مہر کو پیار کیا تھا۔

”اللہ اعلم! کھر! مگر وہ بے ساختہ ہاتھ پھیلانے لگے۔ ”میں یہ خوش خبری اماں کو سنا دوں وہ مستقل جانے نماز پر ہیں۔“ مٹکی نے سواہل اٹھایا۔

”ہاں! ابھی کیو ہم اپنی پرانی مہر اللہ کو جلد مگر لے آئیں گے۔“ منصور کے گلے میں مہر پر سکون اور اطمینان تھا۔

ایم اے خالق بخٹی

## ناراضی



اچانک درخت میں آگ لگ کر خاموشی۔ شواہد آگ کے شعلوں میں سے نمودار ہوئی اور قبضہ لگاتے ہوئے ہوئی۔ "تم خوش قسمت ہو کہ مجھے چھو نہیں کیے ورنہ بل کر ہم ہو جاتے، میں تمہاری طرح انسان نہیں بلکہ

انہر اذیت سے آگ لایک تاریک عجیب قصہ دوسرا پارک

گزشتہ بار اپنے ایک عزیز کے بیٹے کے شفیقہ میں شریک ہونے کے لیے پہاڑ پر جانے کا اتفاق ہوا۔ آدھے آدھے لپاقت پر پہنچ کر میں ایک کوشر میں سوار ہوا۔ اس روز درخت اتنا زیادہ تھا کہ کوشر میں بیٹ نہیں ملی۔ مجھے ہر حالت میں پہنچنا تھا اس لیے سڑک پر قبول کیا تھا۔ اسی لمحے کڑے ہوئے کچھ دیو ہوئی تھی کہ کسی نے پیچھے میرا دم لے کر مجھے پکارا۔ میں نے مڑ کر دیکھا تو میرا ایک عزیز دوست عمر شیر پور کوٹھ حیات میں رہتا تھا ایک سیٹ پر براجمان تھا۔ میں سواروں میں جگہ بنا کر ہوا اس کے قریب پہنچا۔ اس نے اپنے ساتھ بیٹھے ہوئے ایک بزرگ کو جو اس کا ہمراہ تھا تھوڑا سا آگے کے میرے پیٹھے کی جگہ بتائی پھر میں تین غصے کر دو والی سیٹ پر بیٹھ گئے۔ سڑک شروع ہوا تو حال و احوال کے بعد اجڑا دھڑکیا ہاتھ میں لگیں۔

اچانک ساتھ بیٹھے ہوئے بزرگ نے جنتا تھے۔



میں اپنے ساتھی کو مخاطب کرتے ہوئے چلائی۔ "کاراب کیا ہوگا؟" "کس بات کا؟" "اے کس نے پوچھا۔" "دیکھو انہی آگ لگ رہی ہے یہ بہت زیادہ نقصان پہنچانے کی اور ابھی تک اس کو بجھانے کے لیے قریبی جگہوں میں سے کوئی بھی نہیں آیا ہے۔ لگتا ہے کہ آج بہت بڑا حادثہ ہو کر رہے گا۔" میرے ساتھی نے مجھے خاموش رہنے کو کہا لیکن میں اس کے اشارے کا مطالبہ نہ سمجھ سکا۔

اس نے کہا۔ "جلدی چلو جا کر میری سے لوگوں کو بلا لائیں اور اس آگ پر قابو پا لیں ورنہ یہ آگ اور گرد کی تمام فصلوں درختوں اور قریبی ہستی کو جلا کر رکھ کر دے گی۔" ہم دونوں تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے چلے گئے۔ خوف سے میرا حال تھا۔ میرے قدم اٹھتے

گھر اہٹ سے پکڑ آنے لگے۔

ملک صاحب نے مجھے تمام لیا اور بلند آواز سے آیت اٹھائی اور سورہ قل بولانہ پڑھ کر گھر پر پھونک مارتے ہوئے کہا۔ ”گھر آؤ نہیں اب ہم ان کی دوسری جگہ سے دور آ رہے ہیں۔ اب یہ جنتا جھارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔“

اسی طرح میرا اس حقوق سے واسطہ پڑا ہے جب ہم ان کو گھٹ نہ کریں تو وہ بھی ہمیں گھٹ نہیں کر سکتے۔ آپ نے گھر ہوا جا کر اس بستی میں ان کا ذکر نہ کیا، خوشنود لوگ اس زرعی رقبہ پر فصل کاشت کرتا اور آ جانا چھوڑ دیں گے اور پھر یہ حقوق یہاں مستقل اپنا گھنا نہ لے لیں۔ لیکن ملک صاحب کی بہت بندہ خانے اور مجھے میرے گھر چھوڑنے کے باوجود مجھے بخار آ گیا۔ روزی نہ کم میں بخار میں مبتلا رہا۔ اس دوران مختلف عاملوں بزرگوں سے کام لیا کرتا رہا۔ اب ناشادانہ ٹھیک ہوں۔ جب میں مکمل صحت یاب ہو گیا تو ایک دن میں نے اُن ہی ملک صاحب جن کا نام ملک عبدالحق تھا سے پوچھا۔

”ملک صاحب! آپ کو کیسے پتہ چلا کہ یہ سب جنتا کی حالت میں ہے اور آپ اس واقعہ کے وقت قدر سے مطمئن تھے؟“

”اب میں تجھے کو بتا دے دو۔“ انہوں نے تالے لے اعلان میں کہا لیکن میرے بھس کو دیکھتے ہوئے بولے۔ ”یہ بچپن میں پہلے کا ذکر ہے جن کا صحنہ تھوڑی سی عروج پر تھی۔ رات کو شادی کا فریاد پڑھ کر میں اکیلا بل کی طرف چل پڑا۔ میں نے سوچا تھا کہ ہل پر کچھ دکائیں چیں۔ میں کچھ دھکی لٹھا میں بیٹھ کر اپنے پیادہ اکرم کی گریڈ کی دکان پر کب شپ ڈکوں گا۔ رات گئے ہوا چل پڑے کی تو اُس کھڑا کر سواؤں کا ساپے پر دو گام کے مطابق میں اکرم کی دکان پر پہنچا اُس سے سلام ڈھاکے بعد

ادھر زحر کی باتیں ہونے لگیں۔ اس دوران جو بھی دکان پر سوا لینے آتا کچھ دے کے لیے ہماری بات چیت میں شریک ہوا جاتا۔ اس وقت ہماری بستی چند گھرانوں پر تختی گئی تھوڑی بستی کے لوگ ایک دوسرے سے اچھی طرح واقف تھے اور ایک دوسرے سے ملنے ملکتے رکھتے تھے۔ ہمیں باتیں کرتے ہوئے تھوڑا دودھ کھنے کڑے پانی پلے جلی ہوا پلے کی تو میں گھر کی طرف چل پڑا کہ اس بستی دکان میں سوتا تھا تار رات کو کوئی چرانا کر م کی دکان میں قنب نہ لگے لسان دلوں اکثر بستیوں میں چوکیا کر بندوبست نہیں ہوتا قاجر کی وجہ سے دکاندار لافانی اپنی دکان میں سوئے تھے۔ بہر حال میں رات کے اس پہر اکیلا چتا ہوا بستی کی طرف آ رہا تھا کہ میں نے آگے کچھ فاصلے پر دیکھا کوئی عورت تھوڑی بستی کی طرف چلی جا رہی ہے۔ میں نے چلنے کی رفتار تیز کر دی تھی کہ قریب پہنچ کر اس سے پوچھوں گدات کے اس پہر وہ کہاں سے آ رہی ہے؟ پھر میرے دل میں خیال آیا کہ شاید اسے کسی دھکی ضرورت ہو کیونکہ بستی کی عورتیں پردہ نہیں کرتی تھیں۔ وہ بستی کے مردوں سے ہاتھ بھی کر سکتی تھیں جو کسی کو صیغہ نہیں لگتا تھا۔ یہ دہشت اور رواج برسوں سے چلا آ رہا تھا۔ میں نے جب اس عورت کے قریب پہنچ کر اسے پکارا تو اس نے پٹ کر میری طرف اپنا پیرو کر لیا۔ میں نے اسے پوچھ دیکھا وہ مجھے اکیلی بستی کی نہیں تھی۔ چاندنی چاندنی میں اس کا چہرہ صاف اور واضح نظر آ رہا تھا۔ اس ایسی صورت سے میں نے پوچھا۔

”کون ہو جو اور رات گئے کوھر سے آ رہی ہو؟“

میرے سوال پر وہ مجھ سے مخاطب ہوئی۔ ”میں اپنے گھر سے بھاگ کر آئی ہوں اور کسی بچہ کی تلاش میں ہوں۔“ میں اس کے اساتے قریب پہنچ گیا تھا کہ

اب میرے اور اس کے درمیان میں زمین فٹ کا فاصلہ دو گیا تھا میں نے اس کے چہرے کو نور سے دیکھا۔ وہ عورت نہیں بلکہ شہنا تھا میں کسی کی لڑکی تھی۔

”کیا تمہارا اس بستی میں کوئی عزیز وغیرہ رہتا ہے؟“ میں نے اس سے پوچھا۔

”اب میں گھر سے بھاگ کر جب بس اڑے رہی تھی تو جس جگہ کی لیے تیار ہو کر تھی اس میں سوار ہوئی اور یہاں آ گئی۔ مجھے یہ بستی ٹھیک تھی تو میں ادھر چل پڑی۔“

”تم یہی کہاں ہو؟“

”خان پور اور میرانا مہم ہے۔“ میں نے اس سے گھر سے بھاگنے کی وجہ دریافت کی تو اس نے بتایا۔

”میرا آپ نہ کرتا ہے کوئی کام نہیں کرتا جس کی وجہ سے پہلے اس نے میری بیوی کو بچا۔ اب مجھے ایک اویڑ عمر آ رہی ہے پھر فرست کرنا چاہتا ہے لیکن میں اپنے ایک کزن سے محبت کرتی ہوں اور اُنکی سے شادی کرنا چاہتی ہوں۔“

”لیکن تمہارا کزن تمہارے باپ کو نفرت قدم دے گا تمہارے ساتھ شادی کیوں نہیں کرتا؟“

”اُس کے والدین میرے باپ کو پسند نہیں کرتے۔ ان کا کہنا ہے کہ وہ شادی کے بعد آئے روز نفرت کرنے کے لیے پیسے مانگنے کے لیے ہمیں گھٹ کر سکا۔“

”تو بہتر تم اپنے کزن کے ساتھ خفیہ طور پر نکاح کر کے کسی دوسری جگہ چلی جاؤ یا پھر اس کو اپنے ساتھ یہاں لے آؤ؟“ میں اب یہاں اکیلی کیسے رہو گی؟

”میں نے اپنے کزن کو ایسا کرنے کو کہا تھا لیکن وہ ڈر پک بے کہتا ہے تمہارا بھتیجی باپ ساری

زندگی میرے گھر والوں کو گھٹ کرتا رہے گا بلکہ اس فاصلہ دو گیا تھا میں نے اس کے چہرے پر انتقاد کرنا شروع کیا۔

”تمہارا باپ رشک کے لیے مان جائے۔“

”بہتر تم انتقاد کرنا نہیں اکیلی گھر سے بھاگ کر آنا بھی تو جوان لڑکی کے لیے مناسب نہیں کچھ بھی ہو سکتا ہے۔“ میں اس کے چہرے کو نور سے دیکھ رہا تھا۔ وہ واقعی خوبصورت تھی اور اس کی آواز بھی بہت کھولتی تھی۔

”آج صبح میرا باپ اس اویڑ عمر میں سے قدم لے کر گھر آیا تھا اور میری ماں کو بتایا کہ کل شوں کا نکاح قائم دین سے کر دیا جائے گا تم اس کو تیار کر دینا۔ میری ماں اس کی بات نہ کرنا شروع ہوئی تھی کچھ کہہ دو ابھی طرح جاتی تھی اس نے کوئی بات کی تو وہ اسے حسب سابق مارنے سے بھی دریغ نہیں کرے گا۔ جب میرا باپ گھر سے باہر چلا گیا تو اس نے فوراً میری طور پر میرے اس کزن کو بھائی کو بولایا جس سے میں عورت کرتی ہوں۔ اسٹیل فوراً میرے گھر آیا تو میری ماں نے تمام صورت حال سے اسے آگاہ کیا تو اس نے اپنے جواب میں کہا کہ ممانی آپ ایسا کریں کچھ دلوں کے لیے شو کو دور کے رشداروں کے پاس بھیج دیں۔ میں اس دوران اپنی رقم اکٹھی کر لوں گا کہ ماموں وہ رقم اس شخص کو واپس لوٹا کر میری شادی شو کے ساتھ کر دیں گے۔ یہ شورہ میری ماں کو پسند آ گیا۔ اس نے مجھے لیاقت پور میں رہنے والی ایک عزیز کے پاس چلے جانے کو کہا۔ میں اپنی محبت پانے کے لیے اپنی بہن جی کو فوراً بس اڑے پر آئی اور بس میں سوار ہو کر چلی آئی لیکن لیاقت پور اپنے عزیزوں کے ہاں اس لیے نہیں گئی کہ وہاں میرا باپ مجھے اوصاف دے گا لہذا اس بستی کے قریب اتر گئی۔“ اپنی روداد سن کر وہ خاموش ہو گئی۔

”اب تم یہاں آگئی ہو تو کہاں رہو گی؟ اگر چاہو تو میرے کمرے پہلے چلو جہاں میرے ماں باپ اور بہن بھائی رہتے ہیں۔“

”نہیں! میں تمہارے گھر نہیں جاسکتی البتہ اگر تم مجھے آبادی یعنی بستی سے دور کسی ایسے مکان میں رہنے کا بندوبست کرو جو یہاں کسی کو بھی میری موجودگی کا پتہ نہ چلے تو میں تمہاری احسان مند رہوں گی۔“

”یہاں تمہارا جاننے والا کوئی نہیں ہے پھر تمہیں کس بات کا ڈر ہے؟“ میں نے انہیں سے پوچھا۔

”جب بستی کی گھر میں اپنے درمیان ایک اجنبی عورت کو دیکھیں گی تو وہ ایک دوسرے سے ڈر کر رہی گی اور ہوتے ہوتے میری موجودگی کی خبر میرے باپ تک پہنچ سکتی ہے لہذا مجھے کسی ایسی جگہ کا تاثر نہ جس کا تمہارے سوا کسی کو علم نہ ہو۔“ اس کی بات سن کر پہلے تو میں پریشان ہوا پھر ایک دم میرے ذہن میں اپنے دہرے پر بنے ڈیمے کا خیال آیا جو برسوں سے وہاں چڑا تھا۔ میں نے اسے اس بارے میں بتایا تو اس نے فوراً وہاں رہنے کی عادی بھری بھرم بستی سے دوسری طرف جانے والے راستہ پر چل پڑے۔ اس درمیان ڈیمے پر جا بجا سوسے کا ڈھیر تھا اور چھینے کے لیے کوئی کپڑا اور غیر وہ نہیں تھا جسے بچایا جاسکے البتہ ایک جا بجا نماز رکھی تھی۔ میں نے وہ جاہ نماز بچا دی۔

”تم ایسا کرو یہاں بیٹھ جاؤ“ میں گھر سے چارپائی لے کر آتا ہوں۔“

”چارپائی کی کوئی ضرورت نہیں۔ میں اس مصلے پر سو جاؤں گی۔“

”اچھا تم بھری ہوئی کچھ کھانے پینے کے لیے لے کر آ جاؤ۔“

”میری ماں نے مجھے روٹی اور سالن بنا کر دو کر دیا تھا جو میں نے بس سے اتار کر اسے میں کھایا تھا۔ اب مجھے کچھ نہیں لگ رہی۔“

جب میں واپس آنے کے لیے دروازے سے باہر نکلنے لگا تو چلتے چلتے اس سے یہ پوچھا۔ ”یہاں اکیلے سوتے ہوئے تمہیں خوف تو محسوس نہیں ہو گا؟“

”وہاں گھر میں اپنے بھتیجی باپ کے درے سے اپنے گھر کی صحت پر یا اس کے چہرے سے پرانی کھلی سونے کی عادی ہوں۔“ پھر میں اس کو اکیلا چھوڑ کر واپس کر آ گیا اور رات میں بھی ہوتی چارپائی پر لیٹ گیا۔ کمرے کی سیڑھی سوچتے تھے۔ میں لیٹ کر کیا فائنکس نیند میری آنکھوں سے کوسوں دور چلتی تھی۔ بار بار میری آنکھوں کے سامنے اس جوان کا خوب روڑکی کا چہرہ محو رہا تھا۔ میں نے تو بہت کوشش کی کہ کسی طرح نیند آ جائے لیکن جب خیالات میں صعب تحائف کے سن اور جوانی کی آگ بھڑک رہی ہو تو نیند بھلا کہاں آتی ہے ایک تجربہ لڑکی کا اپنے دھڑکنے میں موجودگی کا احساس دل و دماغ کو اس گرفت میں لیے ہوئے تھا جو کسی بھی بستی میں نہیں دے رہا تھا۔ جب کانی کوشش کے بعد اس لڑکی کا غماز ذہن سے نازا پڑا تو میں یک دم اپنے بستر سے اٹھ کر اٹھوا اور اس پر ان ڈیمے کی طرف چل پڑا۔ جب ڈیمے کا دروازہ کھولا تو میرے سامنے داخل ہوا تو میں نے دیکھا کہ شواہد ایک تک جاگ رہی تھی اور مصلے پر بیٹھی ہوئی تھی۔ میں اس کے قریب پہنچا تو وہ مجھ سے مخاطب ہوئی۔

”چچا جاتی ہوں کہ تم مرد ذات ایک جوان لڑکی کو دیکھ کر اسے ہوش و حواس کھو دیتے ہو۔ مجھے یقین ہے کہ تم بھی اس مقصد کے لیے آئے ہو۔“

”واقعی تمہارے سراپا اور حسن نے مجھے دیوانہ بنا دیا ہے اور مجھے بے چین کر دیا ہے اور مجھے کسی کھلی بھی سکون نہیں۔“ میری بات سن کر وہ اپنی جگہ سے فوراً کھڑی ہوئی۔

”میں مرد ذات کی ہوں کو اچھی طرح سمجھتی ہوں۔ جب تم اکیلی لڑکی کو دیکھتے ہو تمہارے ذہن پر اس کا جواں سوار ہو جاتا ہے۔“

میں اس کی باتوں کی پروا کیے بغیر اس کی جانب سے ہر بار ہوا تھا اور اس کے بالکل قریب پہنچ چکا تھا۔ واقعی جب میرا دیکھ جانان اکیلی لڑکی کے سامنے نزدیک ہوتا ہے تو اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھتا ہے میرے ساتھ بھی یہی صورت حال پیش آ رہی تھی۔

میں نے جذبات سے غور و انداز میں شہوے کہ ”تم میری تن جان جاؤ“ میں تمہاری ہر خواہش پوری کر دوں گا۔“

”میں میری محبت میرا سب کچھ ہے میں اپنے محبوب کو دھڑکائیں دے سکتی۔“ اس نے اُن کیلئے میں کیا نہیں مجھ پر تو اس وقت جنون وار تھا۔ میں اس کی طلب میں دیوانہ ہوا چارپائی کی گینت میں اس کا ہاتھ پکڑنے کی غرض سے میں آگے بڑھا تا تو میری نیت کو بھانپ کر بھاگ کھڑی ہوئی۔ میں بھی دیوانہ وار اس کے پیچھے لگا۔ وہ بھاگتے ہوئے ڈیمے سے نکل آئی۔ میں اس کو پکڑنے کے لیے پیچھے پیچھے دوڑ رہا تھا پھر وہ بھاگتے بھاگتے ایک ایک طرف درخت پر چڑھ گئی۔ میں اس درخت کے نیچے کچھ کرکڑے چڑھنے کی کوشش کرنے لگا لیکن ایک دم درخت کو آگ لگ گئی۔ میں فوراً اس درخت سے دوڑ بہت گیا۔ شواہد آگ کے شعلوں میں سے صوبار ہوئی اور قہقہہ لگتے ہوئے مجھ سے مخاطب ہوئی۔

”تم انسان نہ لگتی ہو اس کے پھاری اور بد کردار

ہوتے ہو۔ اکیلی لڑکی کو دیکھ کر اپنے دین و دھرم کو بھی فراموش کر کے درخت سے تن جاتے ہو اور مجبور لڑکی کی عزت کو پامال کرنے سے بھی نہیں بچتے۔ تم نے مجھ کو بھی اپنی ہوش کا نشانہ بنانا چاہا لیکن تم نہیں جانتے۔ میں تمہاری طرح انسان نہیں ہوں بلکہ جن زیادتی ہوں۔ تم خوش قسمت ہو جو مجھے چھو نہیں سکتے اگر مجھے چھو لینے تو بل کر بسم ہو جاتے۔ جاؤ۔“ میں نہیں صاف کر لی ہوں لیکن اتنا جان لو جب بھی رات کو اس درخت سے قریب سے گزرو کہ میں اس درخت پر آگ کے شعلے دیکھوں گے لیکن تم ذرا نہیں تم کو اس آگ سے کوئی نقصان نہیں پہنچے گا لیکن اگر اس وقت تمہارے ساتھ کوئی ہوگا تو وہ ضرور ڈر جائے گا۔“ یہ کہہ کر وہ بھاگنے سے شعلوں میں غائب ہوئی اور پھر ایک دم آگ بھی ختم ہو گئی اور درخت پہلے کی طرح ہو گیا۔ اس سحر نے مجھے اس قدر دھشت زدہ کر دیا کہ معلوم نہیں کس طرح میں کھر پہنچا۔ کئی دن تک میں بخار میں مبتلا رہا۔ بعد میں کھر واپس نے بتایا کہ تم کا تاثیر بخار ہو گیا تھا کئی دن مسلسل علاج اور ڈیمے ڈر دے بعد تمہیں ہوش آیا ہے۔ اب تم اس درخت پر بلند ہوئے شعلوں کا راز جان لیجئے ہو لیکن جب تم اکیلے اس درخت کے قریب سے گزرو گے تو کوئی آگ وغیرہ نہیں ہوگی لیکن جب میرے ساتھ رات کو اس درخت کے پاس سے گزرو گے تو اس درخت کو اس طرح آگ میں جلا ہوا پڑے گا۔“

میں صاحب اپنی عجیب کہانی سن کر خاموش ہو گئے تھے مگر ان کی آنکھوں سے جھانکی دھشت نے مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ حقیقت ناک سطر آج بھی ان کے کلب و ذہن پر اس طرح تر و تازہ ہے اور شاید عمر بھر وہ اس واقعے کو فراموش نہ کر سکیں۔





کاشی چرہاں



چاندی

نصف گولہ میں جیسے ہی آثار نے گئے ہفتیدہ بے نے قبر میں  
چلا نکال دی۔ ہا قبر میں جاتے ہی غائب ہو گیا تھا، اسے  
قبر میں جاتے تو سب نے دیکھا تھا مگر نکلے۔

قوم اجنادہ سے تعلق رکھنے والے ایک بے عاشق کا مختصر احوال



”محببت“ ہاں یہ پابندیت ہوا تو نہیں جانتی  
ہے محترمہ کے ساتھ محبت کا معاملہ ہے یا ہو سکتا ہے نول  
کی توڑ جوڑ۔۔۔ خیر جو بھی ہے کیس ہے یہ عجیبہ وہ۔۔۔ کو  
رکھو وہ کی ناکل کو نکل کر کس کی سلاطی کرنے لگا۔  
ڈاکٹر نو میر کا شمار شہر کے مشہور سائیکولوجسٹ  
میں ہوتا تھا۔ بعض لوگوں پر خدا کی خاص مہربانی ہوتی  
ہے۔ نو میر کا شمار بھی ایسے ہی لوگوں میں تھا۔ بہت  
جلد بہت جوانی میں ہی اس کے نام کا ڈاکٹر بننے لگا  
تھا حالانکہ اس کی لائڈ میں اس کا تجربہ اتنا نہ تھا کہ وہ ان  
اور اس کی خاص صلاحیت اس کی مجلسی حس نے  
بڑے بڑے عجیبہ مشکوک کو چلی بجاتے ہی حل کیا  
تھا۔ یہی وجہ تھی کہ خانہ زوہیب کپاڑیہ نے بھی اپنی  
اکھوتی بیٹی کی پر اسرار خاموشی کے علاج کے لیے ڈاکٹر  
نو میر کی کاغذ ب کیا تھا۔ خانہ زوہیب کپاڑیہ کی  
بتائی گئی باتوں میں ان کی بیٹی سے مل کر نو میر کو باطل  
یقین نہ آیا۔ نہینا کپاڑیہ تو مستقل بولتی رہی  
تھی 800 منٹ کیا بات نہیں ہوتے؟ کسی باتوں سے  
بڑھ کر بولتے ہیں تو اس نے نو میر کو بھی چٹکا دیا تھا۔

”محببت کی بے بھی آپ نے؟“ ڈاکٹر نو میر نے  
فک سے سوال کیا تو اسے لگا اس کی نشست کے  
تہ زمین میں اور تلاش پیدا ہونے لگا ہو۔ ایک دم  
اسے ہاتھ پر غنڈے پیسے پڑے پڑے محسوس  
ہوئے۔ نو میر نے فوراً کھنٹی بھالی اور جن کی طرح  
معدا بھی دروازے سے برآمد ہوا۔  
”پانی کا گلاس چل دو غنڈا لے آؤ۔“ قاصد  
چلتے کے آنے پر ہر گلاس چل کیا تھا وہ جوں  
قاسم میز پر دھرا تھا وہ خاموشی سے گلاس اٹھا کر  
چلا گیا اور پھر فوراً ہی غنڈا پانی میز پر رکھ کر چلا  
آیا۔ آجی دروازہ کھلے بند تھا شاید نہینا میں  
بات کرنے کی سکت نہ تھی۔ خلاف پانی کا پورا  
پلٹ میں اڑا لیں کر اس نے اعصاب بحال  
کئے تو پھر یہ بات شروع کریں؟ ڈاکٹر نو میر نے  
سکھڑے قطع سلسلہ جوڑنا تھا۔

”میں پہلے ہی آپ کے 800 (نواوی) منٹ  
میں ہوں سب کچھ مینگ پر بات کریں گے۔“  
اساتے ہوئے زنجیا نے اجازت طلب کی  
ڈاکٹر نو میر نے بھی سکر کر اسے اگلی دفعتانے  
محبت کی اور پھر دونوں باتوں کی اکیوں کو ایک  
بے کش میں پٹس کر میز پر لگانے بیٹھ گیا۔

رات کا جانے کون سا پہر تھا ہواؤں کی شائیں  
شائیں نے ماحول کو اپنی پیٹ میں لیا ہوا تھا۔  
درختوں پر گنگے پتے جھرجھرا رہے تھے۔ غنڈا میں  
اچانک سے گھسکر وں کی آواز اس ماحول کو تھوڑی  
دیر کے لیے حیرت پر اسرار کرتی اور پھر ماحول کی  
پراسرار کیفیت رات کے سینے میں اپنے نچے گاڑ  
دیتی۔ مگر یہ دیر پہلے کی تو بات تھی فضا میں وہ صمت  
کرتے والوں کی ماسوں کے جلتے جگ رہے  
تھے۔ پورے چاند کی رات تھی اور اس رات میں تو  
دو جانے والے دل دھڑک رہے تھے۔  
”میں سے یہ پھوڑ دو جائیز۔۔۔“ اس نے کالی  
ہمکن کی دیکھی جو کہ بدست ہوا ہے ابھر اصر کھر کر

# غزل

تجی چکلی پہ خوب اترے ہیں  
مجھ پہ تازہ غلاب اترے ہیں

تم جو آؤ تو بیا گل ہے  
میرے مگر ہاتھ اترے ہیں

تم سے مجھ سے قول کے سحر میں  
کیسے کیسے سرب اترے ہیں

ہلی بھی سے ہمارا رشتہ ہے  
جتنے ہلے کتب اترے ہیں

پھر ہوئی دیکھ درد خوشبو  
شان سے بھر کھاپ اترے ہیں

میرا تو ایں زمیں سے رشتہ ہے  
آسمان سے جناب اترے ہیں

ہم امیرین عشق پر محسن  
چاہوں کے نصاب اترے ہیں



محسن سلیم

بہ کہر کہوت کہوت گردوی اور دھیراں کے  
جا بھٹوں کا رپا جوڑے لگا س کی کچھ میں یہ  
وہ کی آ کے شہدے رہی تھی۔ وہ کہو دھیراں کے  
نیکلی رہی اور پھر پھر کچھ کے کمرے سے باہر  
نہ نہ میرا سے روکنا ہی رہ گیا عروہ نہ دیکھی۔

ہر دن ماتی کا چاند ہرے آب و تاب سے  
باقا۔ قدیم بچوں میں جوگی گورکھ کی استخوان  
ہی رہتی تھی۔ اس کے دو چار بھگت بڑی شان  
کئی چاند میں صرف تھے۔ گورکھ ایک مٹی کی  
میں اسی کی آکھیں اور یہ کہو کہ اسی کے پتے  
ہیں تھا اور قریب ہی اس کا بھگت شہرے  
کے پتے کی سوچی بڑی ہیں کسوف ہمارا  
آرغری میں سو کی ناک جو کہ بڑی مشکل سے  
کی گئی تھی اس باڑی میں ڈالنا تھی۔ سارا  
مل تھا۔ گورکھ نے شہرے کو آواز دی۔

ہاں کئی کئی سوچو پھر کہن کر دے ہا۔ سے بیچ  
نے سے جانے کے کچھ سے لپٹے کے بعد ہمارے  
میں کئی کئی آواز دہا۔ ہولے ہولے جلدی کرتے۔  
"میرا میں آ کر ہی جھکا دیوں۔"  
پھر شہرے جلدی سے اونٹ کی بڑی کا  
لپٹ لے آیا۔ کچھ گورکھ نے چاب چڑھتے ہوئے  
ہی باڑی میں پھریا اور پھیلا دیا اور پھر اس نے انو  
خون باڑی کے کناروں پر پھیلا دیا اور پھر سو کی  
سے کچھ نہ گئی اور یہ کہ کتنا اس ناک میں ٹوٹ  
ہوئے۔ شہرے پھر کہ باڑی کے دھکن کو درشت  
نے قدم نہ گئے۔ جو کہ باڑی پیک کر دی۔  
"اے کالی ماما۔ اب اسی سارا تھارے  
سے اٹھ کر کتیا کے پاس ہمارا باگز چلا دل دکا بیٹھا  
ہے۔ اے کالی ماما کہم کہ اگلیں لو ہمارا باگز چلا دلائی دے  
میں کتیا کو رام رام سے کر دی۔" اور پھر بھگت اور

بہ کہو نہیں چاہیے مجھے۔ اسی طرح بولی  
خاموش ہوئی ہو تو کیسب سائل ہوتا ہے  
میں جس میں کئی کئی بار پار ہوں۔  
"کوہ کیم آن ڈیڈ۔" آجندہ وہاں تھے  
آپ کو۔ "چنانچہ کہہ کر بچیدگی سے  
انصاف کرنے لگی۔

"لو کے سوئیٹی Have a good day  
زنجیب کیا ہے نے گری سے اٹھتے ہوئے صو  
رکھا کٹ اٹھا کر پینا اور بریل کس اٹھا کر  
پاس آ گئے۔

"لو کے جیٹا کیک کیک۔" وہ اس کے سر  
پھر تے کار پور چل جانے کے لیے لپٹے۔  
ان کے پیچھے کئی دوپٹے روانہ ہونے تک  
کے ساتھ رہی اور پھر بھٹی کرے میں داخل  
توسکرا کر وہ گئی۔ وہ اس سے پہلے اس کی  
برائیاں تھا۔ وہ اس صورت لیے اس کے  
پٹ کر دے لگا۔ نہ سب کی خوشی کی انتہا نہ ہی  
نورائے کو دس لیے کام آ گئی۔

"آجے شہرے آپ تھکے کیا حال ہیں  
نہرے نے زچا کے کرے میں داخل ہوتے ہی کہہ  
نے کا مڑا تارے تو میر کو تھکے کا ڈونچہ۔"  
"کیا بات ہے ایک تو آپ آئی ہیں پھر  
بعد اور آپ کی سوچی ہوئی آ گئیں۔ کیا بات  
تھائیے؟" اسے اس کولی سی لڑکی سے عجیب سی  
انصیت محسوس ہوئی تھی۔ ایک بے نام سا نہایت  
دیکھتے ہی بیدار ہوتا تھا جسے دانتا نام نہان  
"وہ۔۔۔۔۔"

"کئی گویے" کہو کئی عبدال میں نہ کچھ بولی  
"وہ۔۔۔۔۔" سانی کے پاس چلا گیا ہے زانی  
آئے نہیں وہ رہی۔ وہ میرا ہے میں میرا

چاند چرے کو چاہیے جس پیر سے ہے ہٹا کر ہا۔  
"کیوں مجھے کواہ کار کرے ہو؟" مگر جیسے وہ تو  
کہن میں ہی نہ تھا۔ اس کی آنکھوں میں یکدم آنسو  
آ گئے۔ انسان چاہ کر بھی جب کہ نہ کر پائے تو بے  
ہی سے بڑا دک کوئی نہیں ہوتا۔ اس سے وہ بھی اسی  
کیفیت سے وہ چار گئی۔ کڑکی سے چمن چمن کر  
آنے والی چاندنی سے صاف ظاہر تھا۔ یادوں کے  
رہو پر سوار پورا چاند سرکار تھا۔ اس کی آنکھوں  
سے نکلنے والے آنسو راستہ ہمارے تھے۔ پیر سے پر  
پھٹکی آن گشت تھیں کبیریں سوئی ابھرنی پائل سا  
پھیلا جگہ جس مگر وہ بے کسی سے اس کے سر پر ہاتھ  
بھرتی قدرت سے شکوہ کناں تھی۔

اچانک کڑکی کا پٹ بڑی زور سے جڑ دھڑا  
جیسے نیا کٹ آ گئی تھی پوری طاقت سے اس سحر  
کے نہ پر لٹا پھر سید کیا ہو۔ اس نے جڑ دھڑا کرتے  
دل سے اسے خود سے جدا کیا اور آن کی آن میں  
سحر تبدیل ہو گیا۔ بس وہ کئی اور کمرے میں کتیا  
سنا۔ وہ بہتر پر بڑی ہی طرح پانپ رہی تھی جیسے  
کبھی سے بہت تیزی سے دوڑتی ہوئی آ رہی ہو۔  
اس کیفیت سے اسے ادھ سوئی ہی تو گرد پا تھا جیسے اور  
پھر آنسو نے رات کے پتے میں دین میرا کر  
لیا۔ اس کا کتیا بیٹھا چلا جا رہا تھا۔

"ہیلو جیٹا؟ آ رہی سوئیٹی؟"  
"ٹائٹ ڈیڈ۔"  
"اور تھو؟ کیا حال رہا ہے؟"  
"تھک ڈیڈ آپ ستائیں۔"

خان زو تیب کیا ڈیا ہے ایک مرے بعد اس  
طرح کی تھک کر تارے کر تارے ہوئے نہ تارہ دے کے تھے  
یعنی ڈاکٹر کو میرا جادو چل گیا وہاں ہی راست میں  
سوچے۔ "ناشہ نہ کر گئے۔" میری جی خوش ہے اور



## نورانی چہرہ رنگ

مجھ پر کہتے کی سی کیفیت تھی۔ بس میری آنکھیں دیکھ رہی تھیں اور کان سن رہے تھے۔ ہاتھی سارا جہنم ہو گیا تھا۔ دو تادیہ بازوؤں نے مجھے کسی چیز سے ٹک لگا کر ہٹا دیا اور پھر۔۔۔

**ایک دیہاتی کے ساتھ غزل خانے میں غریب معمولی حالات کی عجیب گہائی**

ڈھلتا ہوا سورج آہستہ آہستہ غروب ہو چکا تھا۔ پہلے گہا اندھا رہا اور پھر غیر محسوس طور پر تاریکی کی چادریں بولی بولی گئی۔ بس تیزی سے اپنی منزل کی جانب گامزن گئی۔ اندھیرے کی وجہ سے میں انہیں چلا رہی تھی۔ گاڑی میں آہستہ

یہ واقعہ میرے گاؤں کے ایک شخص کے ساتھ پیش آیا۔ سارے گاؤں میں یہ واقعہ مشہور ہو گیا تھا۔ اس واقعے کو چالیس سال سے زیادہ گزر چکے ہیں۔ انھیں بھی اب اس دنیا سے گزر چکا ہے۔



ی کوشش کی کہ باقر سے نکل جائے لیکن جاتے ہی غائب ہو چکا تھا۔ دتا سا میرے کے بعد زینا کفر میں اتار دیا گیا مگر بلا ہی غائب ہوا تھا اور اسے قبر میں جاتے دیکھا تھا مگر نکلے۔ ۲۲۔

سواہی ملی کر چاہ پڑتے آگ کے لاپرواہی ہاتھ دھس کر تے لگے اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے ہاڑی اڑنے لگی۔

”ایک ہی کل ہی تو زینا میرے پاس آئی تھی۔“

ڈاکٹر نو میر کی طرح یقین کرنے پر تیار نہ تھا مگر اخبار کی خبر جی ڈکرنے میں گھاس نہی کہاں تھی۔ ”معلوم نہ صحت کار خانہ زویب کا یہاں کی بی بی زینا کا یہاں کی مگر میں مردہ حالت میں ملی تھی۔“ ڈاکٹر نو میر فوراً اپنی حیرت کی فطری افلا نے خانہ زویب کے مگر بل پڑا۔

جنگل میں آگ کی طرح یہ خبر پورے شہر کا احاطہ کر چکی تھی۔ نو میر خان صاحب کے مگر پہنچا تو فوراً اس نے خان صاحب سے زینا کے کمرے میں جانے کی درخواست کی۔ خان صاحب کی حالت فیک ڈی مگر انہوں نے ملازمین سے ڈاکٹر صاحب کی معاونت کی درخواست کی۔

زینا کے کمرے میں کوئی بے ترتیبی نہ تھی سب کچھ تک سب سے چڑا تھا۔ اچانک نو میر کی نظر کمرے کی کھلی کڑی پر پڑی۔ اس نے باہر بھاگ کر دیکھا ایک ٹوٹی ہوئی ہاڑی کے علاوہ اسے لان میں کچھ نظر نہ آیا تھا۔

جتازہ تیار تھا مگر۔۔۔ ڈولی کے پائے سے ایک ہلا چڑھا تھا جو بی طرح دھاڑیں مار مار کر رو رہا تھا۔ وہ سفید نیلی آنکھوں والا عقلمانی کشش رکھنے والا۔۔۔ بی بی مشکل سے اس سے وہاں سے ہٹا گیا۔ قبرستان میں قبر تیار ہوئی اور زینا کو لہ میں جیسے ہی اتارنے لگے سفید بے نے قبر میں چلا گیا کہ دی۔ سب نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا سب نے

دور نہیں بہت دور کو لکھ سوا کی آگ کی رات دھیانت ہو گیا تھا جس شبہ زینا کی کھلی ہاڑی کے باہر واقع ہوئی کی اور سفید نیلی آنکھوں والا عقلمانی کشش رکھنے والا ہے یا لگا یہ راز تو تو نہیں مگر بے نے سے سفید اس بے نے کی تھا اور وہ چلا کھ قید سے آزاد ہونے والا ایک بہت بڑا جن تھا محبوب کی تلاش میں جان کر محکم پر تھا اور مگر اسے جن سے بلا جا رہا تھا۔ ڈاکٹر نو میر کو یہ راز ایک پہنچے ہوئے اس نے بتایا جو کہ ایک ہاگ سے ایک دن اس کے میں آیا اور اس کے ذہن میں اچھے کچھ سوچا قید سے آئے زاد کر گیا تھا۔

## ایس ایم ایس

زندگی میں کچھ چیزیں آپ کی سانسوں کی دور سے  
زندگی ہیں جو آپ کا ساتھ کی نہیں چاہو تھیں۔

- (1) وقت
- (2) دل کی حرکات
- (3) آپ کا سایہ
- (4) العیب

اور میں اور میری دعا تھی!

رضوانہ کوثر - لاہور

ششدر کر دیا کہ مجھے چلنے چلنے غاسی ہو رہی تھی مگر  
میرا سفر ختم ہونے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا۔ میں نے  
کھڑے ہو کر اپنے ارد گرد کا جائزہ دیا تو مجھ پر مقدمہ  
کھلا کہ میں وہیں کھڑا ہوں جہاں شوگر کھا کر گیا  
تھا۔ میری شکل نے کام کما کر چھوڑ دیا تھا۔ مجھے لگا کہ  
میں کسی پر اسرار حقوق کے جنگل میں پھنس گیا  
ہوں۔ مجھے گاؤں کے کٹر افراد کے ساتھ پیش آنے  
والے پر اسرار واقعات یاد آ گئے، نشان پر نشین نہیں  
کرتا تھا مگر اب میرے ساتھ یہ سب کچھ پیش آ رہا  
تھا۔ میرے ذہن میں بس یہی خیال تھا کہ جان فغا  
جانے میری اس راستے سے نہیں گزروں گا۔ میں  
اسوج میں شرم کا قہقارہ کیا پک زور زور سے بیٹھے کی  
آواز آنے لگی۔ میں نے چونک کر تھریں تھماں تو  
میرے چہرہ ہاروں طرف لوگ کھڑے تھے۔  
وہ سب مجھ پر غریب شکل و شہادت کے  
تھے۔ ان کے رنگ سیاہ تھے اور قد بہت لمبے  
تھے۔ مجھے دیکھ کر مسلسل ہنس رہے تھے انہیں  
دیکھ کر میں جیسے پتھر کا ہو گیا تھا۔ ایک لہجہ رہا تھا  
جیسے میرا دم لہلہا رہا ہو اور بکرا لگنے کی لمے میں گر  
پڑا لیکن میں بے ہوش نہیں ہوا تھا۔ ان کی  
آواز میں غریبی نہ رہا تھا۔

میں جھرا گیا، بیٹھے دو میرا وہ نہیں تھا بلکہ حقیقت  
میں کسی سوتے ہوئے شخص سے مل کر گیا تھا مگر کچھ  
طرز و کھیلنے پر کوئی نہیں تھا۔ یہ صورت حال میرے  
اداسان خفا کرنے کے لیے کافی تھی۔ میرے چلتے  
قدموں میں تیزی آ گئی، ابھی نہیں چلتے ہوئے  
جیتا چمن۔ کیا نہیں گزری تھی کہ چمن۔ چمن۔ چمن۔  
زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ یہ مخصوص آواز میرے کان  
کھڑے ہو گئے۔ پائل کی یہ جھمکاہٹ مجھے بالکل اپنے  
قرب منتقلی اسے رہی تھی۔ اس آواز نے میرے  
رہنے سے حسرتیں بھی ختم کر دیں اور میں بدحواسی میں  
ناک کی سیڑھ میں دوڑ پڑا۔ میں بہت تیزی سے دوڑ  
رہا تھا مگر چمن کی آواز مسلسل آ رہی تھی، بالکل  
رہا تھا وہاں دال ہی میرے ساتھ تھی اور زور ہو۔  
کوئی سردی کے باوجود میرا جسم پیسے میں شرابور  
ہو چکا تھا اور ساتھ میرے جسم پر لڑو کی غاری تھا۔  
مجھے جانتے ہیں کہ اتنا بدحواس ہو گیا کہ مجھے چاہی  
تھیں تھا کہ میں ہوں اور کس سمت بھاگا جا رہا  
ہوں؟ اچانک مجھے شوگر لگی اور میں منہ کے بل  
فرار ہو گیا، بالکل گرنے سے میرے ہاتھوں میں  
نہیں تھیں۔ چمن کی یہی تھیں جن میں ناقابل برداشت  
شعبہ تھا۔ میری تھیں مگر میں اس دور کو برداشت کرتے  
ہوئے دوبارہ افکار چاروں طرف ایک لگا ڈالی۔  
گرتے دست مجھے ایسا لگا تھا جیسے کسی انسان کی وجود  
سے گر گیا ہوں مگر وہ در دیکھ میرے آس پاس کوئی  
شخص تھا۔ یہ دیکھ کر میرے خوف میں مزید اضافہ  
ہو گیا، میرا سر زور ہو رہا تھا کہ پائل کی چمن چمن کی  
آواز آ رہی تھی۔ میں نے دوبارہ بھاگنے کی  
کوشش کی مگر اب میرے پاؤں میں من مبر کے  
ہو رہے تھے چناں ہی شکل قدم اٹھاتا ہوا میں آگے کی  
جانب بڑھنے لگا۔ جب میرے چہرے اس قدر سے حال  
ہوئے تو ایک اور حیرت انگیز طور پر وہاں کوئی نہیں

آواز میں سنی گیت چل رہے تھے جس کی وجہ سے  
میرے سر میں ہلکا سا درد ہو رہا تھا۔ مجھے کسی  
سفر سے آگئی ہے، جس میں میری طبیعت خراب  
ہو جاتی ہے پتھر آتے ہیں تے ہو جاتی ہے۔ اس  
وقت بھی میں جس طرح رہا تھا کہ میں کی گیت پر جا کر  
چلے جاؤں کیسے کا دردوں سندھ کی گاؤں میں لوگ  
چمٹوں پر بھی سز کرتے ہیں کہیں سردی بہت زیادہ تھی  
اس لیے میں نے اپنے خیال کو خود ہی رد کر دیا۔  
اندھیرا گہرا ہو چکا تھا کوئی کھلے باہر جوڑتے نظر  
آ رہے تھے وہ اندھیرے میں تم ہو گئے تھے تمام  
مسافر پریشان تھے کیونکہ میں اپنے سفر و دست  
بہت لیت ہوئی تھی۔ داد اور سبز کے درمیان میں  
خراب ہو گئی تھی جس کی وجہ سے یہ ہو گئی تھی۔ میں  
حیرت آ رہے شہاد کوٹ اپنے گاؤں جا رہا تھا میرا  
گاؤں شہاد کوٹ سے آدھے گھنٹے کی مسافت پر  
تھا اور اس بس کا آخری اسٹاپ شہاد کوٹ تھا۔ میرا  
گاؤں اس سے پہلے تھا لیکن میری پریشانی کا سبب  
یہ تھا کہ میں مجھے میں دوڑ پر اسرار سے بلکہ میرا گاؤں  
میں دوڑ سے بہت دور تھا۔ اگر زیادہ دیر ہو گئی تو  
گاؤں تک کوئی سوار ہی نہیں لے گی۔ سفر کے  
وقت گاؤں کے لوگ اپنے گھروں کو لوٹ آتے  
ہیں۔ اندھیرا ہوتے ہی گاؤں میں چڑوا گاؤں کا  
راہنہ ہوتا تھا۔ مجھے ایسا بہت کا خوف تھا کہ اگر بس دیر  
سے پہنچی اور کوئی سوار ہی نہ ملے تو مجھے ہی گاؤں  
کی طرف چانا پڑے گا۔ اندھیرا ہو گیا تھا۔ عشاء کا  
وقت ہونے والا تھا لیکن ایک تک میری منزل نہیں  
آئی تھی۔ اب میرا دل تیزی سے جڑ گئے کہ تھا اور  
میں پریشانی کے عالم میں اپنی نشست پر پلو بدلنے  
لگا۔  
آخر خدا کا رکے میرا اسٹاپ آیا لیکن بہت  
دیر ہو گئی تھی جب میں بس سے اترا تو رات کے





محمد عزیز

## جنوں والا چہان

ان کی بیٹی کے لیے جنات سے رشتے آئے، یہ بات بھیدار ازم ان حتی کر

ایسا ہو گیا تھا سو گمراہوں پر دہی اثر ہوا، جو پہلے بیٹے پر ہوا تھا

شہر زیدار آہا سے جنوں سے ملتی تو شہر کشادہ اور جب

حیدر آباد کی چھٹی بیکری سے میرا قتل جڑے  
ایک عمر گزر گئی ہے، اس بیکری پر ڈالنے بھری  
معروف شخصیات کی آہ بوری ہوئی ہے اور میں ان  
سے اپنے تعلقات پر فخر کے ساتھ اللہ کا شکر کرتا  
ہوں۔ جنات کے حوالے سے مجھے یہ کہانی لاہور

میں رہا ہے۔ بے جا روتھیں دیکھ بھی نہیں سکتا؟ اب یہ  
میرا حکم ہے اسے چھوڑ دو۔

”لیکن سرکار...؟“ ایک نے کچھ کہنا چاہا۔

”لیکن وہ کیوں کہہ نہیں میں جانتا ہوں تم جھوٹ

بول رہے ہو رات کو کیسے سوئے ہو تم جبکہ میں جانتا

ہوں ہم رات کو نہیں سوئے رات ہی تو ہمارے لیے

دن ہے۔ اب جلدی چاہو اور اس لیے چارے کو کہیں

چھوڑ کر آؤ۔“ بزرگ نے گویا حکم دے کر بات ختم

کر دی۔

”جی سرکار...!“ ان سب نے اطاعت میں

سر جھکا لیے۔

مگر دھندے وہاں قوس نے مجھے اٹھایا اور میں فضا

میں بلند ہونے لگا۔ میں پرواز کر رہا تھا لیکن مجھے

اپنے آس پاس کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ مجھے

لگ رہا تھا جیسے میں مر چکا ہوں اور میری دور کو

اڑا کر لے جانا چاہا ہے مگر کچھ ہی دہریں مجھے وہیں

اتار دیا گیا جہاں سے لے جایا گیا تھا۔ وہاں نے

مجھے ہلکی نرم مٹی پر پھینک دیا۔ مجھے ہلکی چوٹ لگی تو

جیسے ہوش آیا۔ میں فوراً اٹھا۔ میرا جسم بہت ہی بھاری

ہو گیا تھا اور میرا دم دم کانپ رہا تھا اور میرے جسم

سے پینہ ایسے بہہ رہا تھا جیسے میں نہا کر آیا ہوں۔

میں بڑی مشکل سے کھڑا ہوا۔ میں نے دیکھا کہ

کچھ ہوش نہیں رہا کب کا وہ بیٹھا۔ میں کمر میں

داخل ہو کر اسے سیدھا کمرے میں چار پانی پر گر گیا۔

مجھے شدید سردی لگ رہی تھی۔ میں نے اس کو کہا کہ

مجھ پر کپڑے ڈال دو بڑی سردی لگ رہی ہے۔ اس

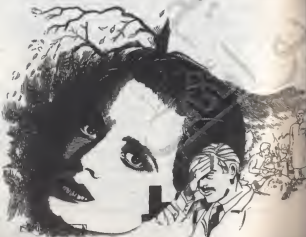
نے بہت پر چمکا کر کہا ہوا ہے؟ لیکن مجھ سے کچھ نہیں

بولتا رہا تھا۔ اس جہاں وہ دھند خاتون میں شاید

سب کچھ بتاتا ہے ہی کچھ نہیں۔ اس نے مجھ پر

دو تین لحاف ڈال دیے۔ وہ ساری رات میں نے

کاچنے ہوئے گزار دی۔ تک مجھے بہت تھوکار



”بیچہ! تم فرماؤ چلو کھانا ہوں سارے  
بات۔“ میں نے ان کے کہنے پر عمل کیا اور فوراً کھانا  
کے لیے کھڑا ہو گیا۔ سلام بھیر کر دیکھا تو بزرگ  
موجود نہیں تھے۔ میں نے انھیں مسجد کے اندر  
پرچہ تلاش کیا مگر ان کا کوئی پتہ نہیں تھا۔ وہاں  
لوگوں سے پوچھا تو ہر ایک نے اس کی بات کا انکار  
میں مایوس ہو کر واپس لوٹ آیا۔ اس بات کا انکار  
مجھے بیٹھ رہا کہ کاش میں نماز پڑھنے سے پہلے  
کا نام پوچھ لیتا اور ان سے اپنی کوئی دیرینہ خواہش  
پوری کروا لیتا کیونکہ وہ بزرگ قوم اجناہ میں  
تھے۔

ہیں یا پھر اس کے خالی ہونے کی وجہ سے یہ بات مشہور ہوگئی ہے۔ تحقیق کی تو چٹا چلا کر دتو اس گھر میں جنت رہتے ہیں اور نہ ہی اس کے خالی ہونے کی وجہ سے یہ بات مشہور ہوئی ہے بلکہ اصل بات یہ ہے کہ یہاں جنت کا آنا تھا جس کی وجہ سے یہ "جنوں والے چہرے" کے نام سے مشہور ہو گیا ہے اور آپ کو یہ معلوم ہے کہ کرائسٹوں کو اس بات کی ہلک بھی پڑ جانے کی جگہ سے جنت کا گز رہتا ہے تو وہ بھی بھول کر بھی اس سامنے پر قدم نہیں رکھتے۔

جنوں والے چہرے کی تفصیل کچھ اس طرح ہے کہ یہاں بھیل نامی ایک صاحب کا معزز خاندان رہا کرتا تھا جس کا کاروبار تھا اور وہ سب خوشحالی کی زندگی گزار رہے تھے۔ بھیل صاحب کو اللہ تعالیٰ نے بچے اور بیٹیاں دو دیں اور والدین سے روزگار کھاتا۔ ایک دن ان کی بھیلی بیٹی زہنی بچا کر لیا گیا تھا کہ اس نے محبت پر چلی آئی۔ ابھی اسے آئے چند ہی لمحے ہوئے تھے کہ ایک دہان سے کسی جن کا گز رہا۔ اس کی نظر اس بھیلی بھیلی زہنی پر پڑی تو اپنا دل ہر بچا۔ اگرچہ زہنی کوئی خصوصیت تو کی نہیں تھی مگر شاید انسانوں کی طرح جنت بھی دل کے ہاتھوں بھجور ہوتے ہیں، بس دل آنے کی بات ہوتی ہے جس پر بھی آجائے۔ بس پھر کیا تھا اس نے وہیں اپنا ڈومہ بھالایا اور خاموشی سے اس کی پرستش شروع کر دی۔

انہی دنوں زہنی کے لیے ایک بڑا چھارہ شربت آیا۔ والدین بھیجے کہ اس رشتے کے متعلق غور کرنے لگے۔ زہنی کی بڑی بہن نورنساء شادی شدہ تھیں اور اب قدرتی طور پر والدین زہنی کے بارے میں ہی سوچ رہے تھے۔ آخر بڑے غور و خوض کے بعد رشتے کی مشکوری دے دی گئی اور جلد ہی بھیلی کی تیاریاں ہونے لگیں۔ زہنی اس رشتے سے بہت خوش تھی۔

ابھی اس کی آنکھوں نے خواب سنائے بھی شروع نہیں کیے تھے کہ ایک چمٹا کے سب سے نوٹ بھر گئے کیونکہ اس کے سر والوں نے شادی اٹھا کر دی تھا تاہم اس کی جہاز کے سب سے نوٹوں کے کمر والے تو زندہ درگور ہو کر گر گئے۔ ان دنوں ٹوٹنے کو بہت برا کھانا تھا۔ لوگ ہاتھ دھو کر کڑی میسرور کوئی چب بگاڑ کر کھا لیتے۔ ایک دن زہنی اپنے کمرے میں لیٹی ہوئی تھی کہ اچانک ایک خصوصیت تو جان واپس لوٹا اور وہ کئی سال سے چھپتی کی کوشش کی تو آزاد جیسے کے طرح میں پھنس کر رہ گئی۔ چٹا کو ایسا سے بولا بھی نہ دیا۔

"دوسری ابھی لڑکی؟" وہ خصوصیت کو جواب دیا کہ ہوا۔ "پہلے میں اپنا تعارف کروا دوں۔ میں انسان نہیں بلکہ جنت کی قوم سے ہوں اور میری عمر کے لیے سے شادی کرنا چاہتا تھا۔ مجھے بہت اچھی کٹی ہوئی میسروریں کھانا کھاتے تھے۔ تم سے محبت ہوگئی ہے۔" اس نے ابھی سیں تک ہاتھ نہ ڈالے۔

بارے بے ہوش ہوگئی۔ جب ہوش میں آئی تو سب گھر والوں کو اپنے سامنے پایا اور درگور دیکھا تو وہ بھان بھن کر رہ گئی۔ "جن" "میں ایسا ہے کہ بڑے بڑوں کا بچہ پالی ہو جاتا ہے۔ بارے ڈر خوف کے زہنی کی کو کچھ تباہی دیکھی۔ گھر والے سوچ رہے تھے کہ شاید کچھ ٹوٹنے کی وجہ سے یہ حالت ہوئی ہے۔ اس واقعے کے بعد وہ جوان مرحلہ زہنی کے پاس آکر اور اسے اپنی محبت اور وفائیں دلاتا رہا۔ زہنی کو کبھی اب وہ جوان اچھا لگتا تھا اور چونکہ وہ انسانی شکل میں اس کے پاس آتا تھا اس لیے اس کا ڈھیر قسم ہو گیا تھا۔ آخر ایک دن زہنی نے بھی اسے اقرار محبت کر دیا۔

خوشی سے چھوڑا اٹھا بولا۔ "میں اپنی ماں کو لینے آ رہا تھا۔ بہت جلد میری ماں سے

رشتہ قائم ہوگا۔" یہ کہہ کر وہ غائب ہو گیا۔ حسب وعدہ چند ہی دنوں بعد اپنی ماں کو لے کر زہنی کے ہاں آ پہنچا اور اس کے والدین سے رشتہ طلب کیا۔ ساتھ ہی انہوں نے اپنی حقیقت بھی واضح کر دی۔ زہنی کے والدین پہلے تو دم بخور ہو گئے پھر خوف سے حقیر کاہنہ لگے۔

ان کی بیٹی کے لیے جنت سے رشتہ آنے کی بات بیدار انسان کی گمراہی ہو گیا تھا۔ حق اٹھ رہا جو پہلے چل زہنی پر ہوا تھا۔ وہ دونوں بے ہوش ہو گئے۔ سارے گھر والے ان کی حالت دیکھ کر پریشان ہو گئے۔ سب ہوش آئے یہ جب بیٹیاں وہ جن اور اس کی بہن نظر نہ آتے تو کچھ یسین ان گھر کے بات سے ان کی بیٹی سمجھ نہ ہوئی تھی کہ ان کی بیٹی کے لیے جنت کا رشتہ آیا ہے۔ تو کھانا تو ان کو اپنی قوم میں کوئی لڑکی نہ تھی جو زہنی کا رشتہ لے کر آئے۔ لیکن وہ مشکل جانتے تھے کہ یہ دنوں کے معاملے ہیں۔ اب اگر کسی جن کا دل انسان پر آجائے تو کوئی ہلکا کر سکتا ہے؟

اس کے بعد تو جن نے کیا ان کے گھر کی دلپذیر ی بکری۔ زہنی کے والدین کا خوف بھی کافی حد تک کم ہو گیا تھا۔ جن اور اس کی ماں نے زہنی کے والدین کو ہر طرح سے یقین دلایا کہ وہ زہنی کو کوئی تکلیف نہ دے دیں گے اس کا پورا پورا خیال رکھیں گے اور یہ بھی کہ وہ جب چاہیں گے زہنی ان سے ملنے آجائے گا۔

زہنی کے والدین نے ہوا میں اڑا کر لیا کہ ہلکا ایک جن کی شادی انسان سے کیجئے مگر ممکن ہو سکتی ہے؟ جواب انہوں نے حضرت علی کی مثال دی جنہوں نے ایک عہد سے شادی کی تھی۔

ان کے سر اور غلوں کے آگے زہنی کے والدین ہاتھ دھو کر اس کی شادی کی تاریخ طے کر گئی۔ انہوں نے اس بات کی ہلک بھی کسی کو نہ گئے

## محبت

☆ محبت کا ایک گھڑ سویر کی ہے محبت زندگی سے بہتر ہے۔ (شیلے)

☆ محبت کے نشے میں مراد و مرمت ایک دوسرے کے دریا کا گنج ہائے بکس لے سکتے۔ (گھبرٹ)

☆ اگر دنیا میں ایک بھی محبت کرنے والا مل جاتی نہ رہے تو آپ اپنی حرارت کو بیٹھنے کا (مختصر)

☆ محبت ایسا چیز ہے جو انسان کو مشکل ترین کاموں کے لئے بھجور کرتی ہے۔ (مختصر)

☆ محبت قسمی خداوندی ہے جس جانی۔ (مکرمہ بکھاری)

☆ محبت کی شادی ایک جن سے ہی ہو رہی ہے بس یہی بتایا کہ اس کی شادی کسی دوسرے شہر ہو رہی ہے اور وہ ہرگز چلی جاتی ہے۔

☆ زہنی کی نری کی جو کچھ آئے وہ دیکھ کر لوگوں کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ اسل و جواہر کے ایسے ایسے زیورات جن کے بارے میں لوگوں نے خواب میں بھی تصور نہ کیا تھا۔ اتنے نفیس اور ہر سراسر۔ کبھی کبھار جن کے بارے میں لوگ ہر سوچ بھی نہیں کھتے۔ یہاں کبھی اپنے بچا کے دیکھ جاتی تھی جو کہ حقیقتاً کا دیکھ تھا۔

☆ اس شادی اور اس کی نری کاہنوں چ چاہتا رہا لیکن کسی کے سامان و گمان میں بھی نہ تھا کہ وہ سب جنت کے ہاں سے آیا ہوا سامان تھا۔

☆ بعد ازاں جب زہنی یا اس کے گھر والوں کا دل اس سے ملنے کو چاہتا تو وہ آ جاتی۔ آہستہ آہستہ لوگوں کو بھی اس بات کی خبر ہو گئی کہ زہنی ایک جن سے بیاہی گئی ہے اور یوں اس کا گھر "جنوں والا چہرہ" کے نام سے مشہور ہو گیا۔

☆ اپنے والدین کی زندگی تک تو زہنی ان سے ملنے آتی رہی بعد میں اس کا کچھ نہ چاہا البتہ وہ چہرہ اب تک موجود ہے۔

اقبال زمان

سلیمان علیہ السلام



دربار میں کسی کو ذرا سا شک بھی نہ ہوا کہ وہ حضرت سلیمان علیہ السلام نہیں بلکہ عجز و جن ہے۔ دربار میں موجود سارے جنات اور انسان اس طرح سو بکھرے رہے

اسلامی تاریخ سے جڑی ایک جنتی تھی

روپ دھارا اور خادمہ سے انگوٹھی لے کر مہمان کی ہر گز دربار میں چلا گیا۔

دربار میں کسی کو ذرا سا شک بھی نہ ہوا کہ وہ حضرت سلیمان علیہ السلام نہیں بلکہ محض وہ جن ہے۔ دربار میں موجود سارے جنات اور انسان اس طرح سو بکھرے رہے۔

پھر یہ بڑی کوشش کی کہ وہ سلیمان بن داؤد کو قیقن دلائے۔ قیقن کی بڑی کوشش تھی کہ وہ سلیمان بن داؤد کو قیقن دلائے۔ قیقن کی بڑی کوشش تھی کہ وہ سلیمان بن داؤد کو قیقن دلائے۔

پھر اس نے چوب دار کو حکم دیا۔ "اس بہرہ دے دجانے کو نکال دو یہاں سے۔"

حضرت سلیمان علیہ السلام نے دربار میں کو قیقن دلائے۔ قیقن کی بڑی کوشش تھی کہ وہ سلیمان بن داؤد کو قیقن دلائے۔ قیقن کی بڑی کوشش تھی کہ وہ سلیمان بن داؤد کو قیقن دلائے۔

پھر اس نے چوب دار کو حکم دیا۔ "اس بہرہ دے دجانے کو نکال دو یہاں سے۔"

حضرت سلیمان علیہ السلام نے دربار میں کو قیقن دلائے۔ قیقن کی بڑی کوشش تھی کہ وہ سلیمان بن داؤد کو قیقن دلائے۔ قیقن کی بڑی کوشش تھی کہ وہ سلیمان بن داؤد کو قیقن دلائے۔

پھر اس نے چوب دار کو حکم دیا۔ "اس بہرہ دے دجانے کو نکال دو یہاں سے۔"

اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مصروف ہو گئے۔ اس طرح چالیس روز تک حضرت سلیمان علیہ السلام اسی نایابی کی کڑواہٹ کھاتے رہے۔ انہیں وہ چھٹیاں روز ملتی تھیں۔ وہ ان سے اپنی کفالت کرتے اور جو کچھ کھا دیتا تھا جس میں تہمت نہ ہو سکتی۔

آخر کمرہ وان ایام میں سخت پرہیزگار بن کر رہا مگر اس کی حرکات و سکنات اور طویر و طریق پہلی دربار کو بخوبی معلوم ہو گیا کہ وہ انسان نہیں بلکہ جن ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے داناؤں پر آمف کو تو شروع ہی میں شک ہو گیا تھا۔ آخر چالیسویں روز وہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی خادمہ عیسیٰ سے ملا اور پوچھا۔

"رات حضرت سلیمان نے کس بیوی کے پاس قیام فرمایا تھا؟"

وہ بولی۔ "وہ تو چالیس روز سے حرم میں شریف ہی نہیں لارہے۔"

یہ جان کر آصف کو یقین ہو گیا کہ کجبت سلیمان پر ہتھ کرنا شروع کر کے وہ لاوا جن ہے چنانچہ اس نے چالیس توہرت خاناؤں کو دربار میں بلایا اور انہیں قوربت خولنی کا حکم دیا۔ وہ قوربت پڑنے لگے۔

آخر قوربت سن کر سخت سے اٹھ کر بھاگ کر جاتے جاتے حضرت سلیمان علیہ السلام کی ام ائیم والی انکھری دریا میں پھینک گیا۔

ایک روز حضرت سلیمان تنگ کر دیا کے کنارے لیٹے ہوئے تھے کہ ایک ساپ وہاں سے گزرا۔ اس نے جو انہیں دیکھا تو ایک باز سبز چاند میں دبا کر ہوا دے لگا۔ اسی وقت ایسی کیر کی جواں سال بیٹی باپ کا گھانا لے کر وہاں سے گزری تو یہ منہ دیکھ کر جھران ہو گئی۔ اس نے باپ کا رپ سے کہا کہ وہ اُسے حضرت سلیمان سے بیاہ دے ورنہ وہ ساری عمر کی دوسرے سے شادی نہ کرے گی۔ باپ

ایک سال بعد اس کی شادی ہو گئی۔

ایک سال بعد اس کی شادی ہو گئی۔

ایک سال بعد اس کی شادی ہو گئی۔

ایک سال بعد اس کی شادی ہو گئی۔

ایک سال بعد اس کی شادی ہو گئی۔

ایک سال بعد اس کی شادی ہو گئی۔

ایک سال بعد اس کی شادی ہو گئی۔

ایک سال بعد اس کی شادی ہو گئی۔

ایک سال بعد اس کی شادی ہو گئی۔



مٹی کی خد سے مجبور ہو گیا اور حضرت سلیمان کے پاس پہنچا جو ابھی تک سو رہے تھے مگر آہٹ سے جاگ اٹھے۔ مٹی گیر نے اُن سے کہا۔

”میں چاہتا ہوں کہ تم میری بیٹی سے شادی کرلو۔“  
آپ نے جواب دیا۔ ”میں تو تمہارا ملازم ہوں“  
مجھے ہجرت کے طور پر صرف دو چھپلیاں ملتی ہیں۔ میں  
تمہاری بیٹی کا صبر کہاں سے دوں گا اور اسے کیا  
کھلاؤں گا؟“

مائی گیر بولا۔ "میری بیٹی مہر نہیں چاہتی اور اس کے کھانے کو میں دیتا رہوں گا۔"

جہاں حضرت سلیمان علیہ السلام نے اُس کی بات مان لی اور اُس کی جیٹی سے پیا کر لیا۔

مصر و جن نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی جو انگوٹھی روایا میں پھینک دی تھی اسے ایک پھیل نکل گئی تھی۔ اس انگوٹھی کی وجہ سے روایا کی ساری پھیلیاں اس پھیل کی مطابقت ہو گئی تھیں۔ ایک روز وہ باقی کبر حضرت سلیمان علیہ السلام کے ساتھ پھیلیاں بکڑنے کی تو جال میں انگوٹھی والی پھیل بھی پھنس گئی۔ باقی کبر نے وہ پھیلیاں اجڑت کے طور پر اور ایک پھیل

اپنی بیٹی کے لیے حضرت سلیمان کو دی۔ انہوں نے دو چھلیاں لے لی اور تیسری اپنی بیٹی کو دی کہ وہ اسے صاف کر کے پکائے۔ جب اُن کی بیٹی نے چھلی کا پیٹ چڑھا تو اُس میں سے اسمٰعیل والی انگٹھی نکل آئی اور گر میں اچالا ہو گیا۔ وہ درے حرمت کے چالیسی، حضرت سلیمان اور حوجہ ہوئے تو اپنی انگٹھی پہنان لی اور اسے پہن لیا جب انہوں نے اپنی بیٹی کو بتایا کہ وہ سلیمان میں داؤد ہیں پھر انہوں نے ان کو تخت لانے کا حکم کیا اور اس پر بیٹھ کر اپنے پیچھے گئے۔ دربار ستایا گیا اور ہر خاص و عام نے حاضری دی۔

حضرت سلیمان کی پہلی بیٹی کا نام صیدہ تھا۔

جیسے دوسرے میدان سے لائے تھے۔ وہ حکومت کی تحریکیں، حکومت کی بڑبڑ سے محروم جن میدانوں کا دور گردی کی ساری کتابیں سمیٹ کر لے گیا تھا۔ چارو کے سبب اس نے پیٹھ سے حضرت سلیمانؑ کی اسم اعظم والی کوٹھی حاصل کی تھی اور چارویں روز کے حکومت کرنا پڑا تھا۔ حضرت سلیمانؑ نے وہ کچھ کے بعد دیکھی پر ان کتابوں کو بارہوا پارہ کر دیا۔ ایک روایت سے پتا چلتا ہے کہ ایک کتاب کا ایک ورق گھڑا کی طرح بھروسہ پھانپا تھا۔ اس سے لوگ اب تک جاہد گردی کرتے ہیں۔

اس کے بعد حضرت سلیمانؑ نے محروم جن کو بلوایا۔ محروم قانع ہو چکا تھا۔ چنانچہ تمام جنات کو حکم دیا کہ وہ اسے کھائیں کیوں جن اسے لانے میں کام رہے۔ یہاں سے اس کے کرتا کا محروم آپ کے خوف سے بچ سمند میں چھٹا ہوا ہے اور اس کے خلیے یہاں کے بغیر آپ کے پاس لانا نہیں تھیں۔ اگر آپ کا حکم ہو تو کوئی کوٹھڑا بنا کر آجے۔ پھر اسے اور آپ کے حضور لے آئیں؟ حضرت سلیمان علیہ السلام نے انہیں اجازت دے دی۔

جن مسند میں بیٹھا اور انہوں نے آواز کی کہ  
 "اے سرور! تو کہاں ہے؟" آپ نکل آ کر  
 حضرت سلیمان علیہ السلام کا استقبال ہو گئے۔  
 یہ سن کر سرور مسند کی گہرائیوں سے نکل آ  
 رہے تھے جن سے اسے پکڑا اور حضرت سلیمان علیہ  
 السلام کے حضور لے آئے۔ انہوں نے چاہی کہ وہ  
 تک اسے قید و بند میں رکھا اور پھر اسے چر کے  
 میں بکڑ دیا۔ کہتے ہیں کہ وہ قیامت تک اس  
 میں بکڑ رہا گا۔

اس کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام سکونت  
سے حکومت کرتے رہے اور انہوں نے حضرت داؤد  
علیہ السلام کے تغیر کردہ بیت المقدس کی توسیع شروع

کردائی اور جہات کو اس کام پر لگایا۔ ایک روز آپ  
 منہ کے دروازے پر اپنا مصالحے کھڑے تھے کہ  
 ملک الحکومت لڑنے کے پاس آیا۔ آپ نے پوچھا۔  
 ”تم میری ملاقات کو آئے ہو یا میری زور  
 قبض کرنے؟“

ملک الموت نے جواب دیا۔ ”زور بجھ کر کہنے“  
 آپ نے فرمایا۔ ”اچھا مجھے پانی پی لینے دو۔“  
 موت کے فرشتے نے کہا۔ ”میں حکیم خداوندی  
 کی قیام میں درپیش کر سکتا۔“

چنانچہ حضرت سلیمانؑ جس حالت میں صاف تھے، ایک لکے کھڑے تھے جن کی زدوں قبض کر لی گئی۔ ایک روایت کے مطابق فتح کا چند دن ایک برس تک صفا کے سہارے کھڑا ہوا اور کسی کو بھی یہ معلوم نہ ہوا کہ فتح کی زدوں قبض مغربی سے ہوا کر چکی ہے۔ اس دوران میں جہاں بیت المقدس کی تعمیر میں مصروف رہے یہاں تک کہ ایک فتح کے صفا کو کھات کی لپٹ اور ایک روز کوئی لاش گر پڑی تب لوگوں اور جانت کو احساس ہوا کہ وہاں سے بے جان کھڑے تھے۔

یہ بات قابل غور ہے کہ جنات اپنی فیضانِ الہیہ  
 فراہم کرتے تھے کہ انہیں بھی معلوم ہو سکا۔ حاصل  
 مقصود انہی نے انہیں آزمایا تھا کہ وہ فیضانِ کامل رکھتے  
 تو انہیں حضرت سلیمان علیہ السلام کی موت کا علم ہو جاتا  
 جس وقت انہی کی مرضی بھی تھی کہ انہیں حضرت سلیمان  
 علیہ السلام کی موت کا علم نہ ہو ورنہ وہ بیت المقدس کی  
 قبر کا کام چھوڑ کر چلے جاتے۔ ارشادِ باری ہے کہ  
 ”خُبِیْلًا کَانَ مِنْهُمْ فِی سَمَوَاتِیْ عَلَی سِدْرٍ مَّجْدٍ  
 کَافٍ لِّیْ سَمَوَاتِیْ خَیْرِ لِّیْنَ کَیْفَ سَمَیْ کَانَ حَاصِلًا  
 سَجْدَہٗ دُکْرَہٗ مَقْصُودًا کَانَ حَاجَاتُہٗ“

فہمیں نے دوسرا مرحلہ بھی میں چکا ہے۔

ہم ایک دن نکل آئے تھے خواب سے باہر  
سو ہم نے رنج اٹھائے حساب سے باہر  
عصر حاضر کے نمائندہ شاعر

فہیم شناس کاظمی  
\_\_\_\_\_ کا شعری مجموعہ

”خواب سے باہر“



منظر عام پر آگیا ہے

## کتاب مہر کا پتہ

فکشم ماؤس

18- گولڈن روڈ  
V.P. کے لئے سٹور  
042-7249218-7237430

اشعر جواد



## تقریباً



صوفی قادر بخش نے اسادوری کے سہ پر پانی کے چھینٹے مارے تھے کہ کسی لاش کی طرح پڑی اسادوری نے آنکھیں کھلی دیں اور پھر اس نے جین پارا بار آؤ پے بند کر کے طیبہ پڑھا۔۔۔۔۔

مشق کے واسطے یہی فیض حاصل کرنے والے وہ بچے عاشقوں کا صہرت تھے



میں نے نور پور قصبہ میں چند برس رہ کر صوفی قادر بخش کے علم سے آگاہی لی تھی کیا تھا۔ سندھ کے اس علاقے میں ہندو آبادی کی اکثریت تھی۔ صوفی قادر بخش ایک عرصے سے جہاں دینی و ترومانی تعلیمات کے ذریعے دلوں کی کال کو فخری میں ٹھہرا رہے تھے۔ اپنے حسن سلوک اور اعلیٰ اخلاق کے باعث گاؤں کے ہندو بھی ان سے بہت عقیدت رکھتے تھے۔ صوفی قادر بخش جہاں بابا حکیم شاہ کے حصار کے نگران تھے جہاں صرف مسلمان ہی نہیں بے شمار ہندو بھی اپنی منتوں و مرادوں کے سلسلے میں آتے تھے۔ یہ حقیقت ہے کہ اللہ رب العالمین نے قرب انسانیت میں اس کی عظمت پر ایک کے لیے ہے۔ اس میں کوئی تفریق نہیں۔ اللہ تعالیٰ کسی کو بھی کسی ذریعے سے نوازے گا اس کی عطا و ترخشا ہے اور اگر ہمارے قوتوں میں بھی اس کی کوئی کمکت کارفرما ہوتی ہے۔

وہ دن مجھے اچھی طرح سے یاد ہے جب صوفی صاحب کا ایک عقیدت مند شاہراہ میں پھر سے حصار کے اماماٹے میں سر پہنڈوائے بیٹھا ایک ہی بات کہے جا رہا تھا کہ ”خیرے فیض سے میری مراد پوری ہوئی۔“ یہاں تک کہ چلتے سورج کے ساتھ تخت دوپہ چڑھ آئی تھی۔ شہرے گہری میں پینہ پینہ پھڑپھڑانے والے شاہراہ میں شاہراہ کی آواز بھی بلند ہو جاتی تھی تو بھی بہت دھم دھماکے کے بعد ظہر اور پھر نماز عصر کا وقت ہو گیا مگر شاہراہ کی بدستوری حالت دہی۔ اس کی کیفیت میں کوئی فرق نہیں آیا اور پھر جب نماز عصر کے بعد صوفی صاحب احاطے میں آئے تھے تو شاہراہ نے صوفی صاحب کے پاؤں قدام کر دیے پانچ وارے سوال پوچھنا شروع کر دیا تھا کہ۔۔۔۔۔ ”تو میں میری مراد پوری ہوئی نا؟“

صوفی صاحب نے شاہراہ کو اپنے بازوؤں

سے سہارا دے کر کھڑا کرنے کے بعد اسے گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے سوال کیا تھا۔ ”یہی ہے تابی اور جنوں ہے تجھ میں مگر یاد رکھتی رہی ہے تابی اور جنوں تجھے کسی آزمائش میں نہ ڈال دے“ ممبر کر صبر!۔۔۔

صرف صوفی صاحب یا میں ہی نہیں سارا گاؤں اس بات سے واقف تھا کہ شاہراہ کی مراد کیا ہے؟ اس کی مراد گاؤں کی ایک ہندو کی اسادوری تھی۔ اسادوری اپنے حسن و جمال میں کیا کر گیا اپنی مثال آپ تھی۔ اس کی ذات برادری میں اس کے کئی چاہنے والے تھے مگر اسادوری کا دل کسی اور ہی منزل کا سفر تھا۔ اسادوری ایک بار کوئی منت ماننے اس حصار پر آئی تھی جس اس کے بعد وہاں وہ شاہراہ کی منت اور مراد بن گئی۔ اسادوری کو کچھ کر شاہراہ کے دل میں ایک شعلہ مشق بکڑ کا تھا اور پھر اس کی چادری نظریں حدت نے اسادوری کے دل کو بھی پھلکا دیا تھا۔ وہ بھی شاہراہ کے دل اور نظروں کی اسیر ہو گئی تھی۔

وہ جو کہتے ہیں کہ۔۔۔۔۔ ”مشق اور تنگ چھپائے نہیں چھپتا“ بالکل ایسے ہی شاہراہ اور اسادوری کے مشق کی داستان سارے گاؤں میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی تھی۔ یہ بات ہندوؤں کے لیے ان کی عزت و فخر کا استہسان تھی اس وجہ سے اسادوری کے گھر والوں نے اس کے گھر سے نکلنے پر پابندی لگا دی تھی۔

اور پھر اس رات ایسا ہوا کہ صوفی قادر بخش کی صبر والی فصاحت پر شاہراہ کی بے تابی اور جنوں حاوی ہو گیا۔۔۔۔۔ شاہراہ اور اسادوری نے اس رات گاؤں سے بھاگنے کی ناکام کوشش کی تھی اس جرم کی پاداش میں اسادوری کے بھائیوں اور برادری کے لوگوں نے ان دونوں کو بے حاش تشدد کا نشانہ بنایا تھا اور پھر سہرہ



کال بیل کی مسلسل آواز نے سنی کو گہری نیند سے جھجھڑا دیا تھا۔ اس نے وال ٹھاک پر نگاہ ڈالی رات کے گیارہ بج رہے تھے۔

اس وقت کون ہو سکتا ہے؟ کہیں ماہی اپنی ای کے کمرے سے ابلیس تو نہیں آگئی؟ اگر وہ تو دو دن کا کھ کر گئی تھی؟ وہ بیڑا اتار چڑھا اور دروازے کی جانب بڑھ گیا۔ دروازہ کھولا تو سانس فیلڈ آئی گھڑی جیس۔ سفید کپڑوں میں لپٹ کر وہ بہت پر وقار نظر رہی تھی البتہ ان کے چہرے پر عجیب سا ناخوشی تھی جھنجھکیں سلا۔

”فیصلہ آئی۔۔۔! آپ اس وقت؟“ بے اختیار اس کے منہ سے نکلا۔

”خدا سلام دعا! اوپر سے مجھ سے اعداد آنے کو بھی نہیں کہہ رہے ہو؟“

”ابوہ سورہ۔۔۔ السلام علیکم! اعدا آئیں۔۔“

سنی جھنجھکیا۔

”بلکہ سلام!۔۔۔“ وہ اس کے پیچھے ڈرائنگ روم میں چلی آئیں۔

”آئی۔۔۔! آپ آئیں! آئی ہیں میرا مطلب ہے غدار اگل نہیں آئے؟“

”نہیں! انہیں تو کسی سے ملنے کی فرصت نہیں ہے۔ کب سے تیار ہوں! اعداد چاہ رہا تھا مجھیں دیکھنے کا تم سے ملنے کا کمر تو ہو کہ کسی بھولے سے ملے نہیں آتے۔ آخر کو تم میرے رضائی بنے ہو نہیں مجھ سے محبت ہو یا نہ ہو میری سزا تو یہ ہے کہ میری ترقی ہے۔“ سنی نے دیکھا کہ ان کی آنکھوں میں گہری اداسی تھی لیکن جب اس کی نظر میں ان کی آنکھوں سے گھبراہٹ تو انہوں نے فوراً نظریں ہٹا لیں۔

”آئی یقیناً کریں آپ سے ملنے کو بہت دل چاہتا ہے اگر آپ کو سامنے خاندان کا چہرہ ہے وہ نہیں چاہیں کہ میں آپ سے ملوں اوپر سے ماہی نہیں

کئی دفعہ اس سے کہا ہے کہ آپ کے کمرے میں ہیں اگر ہر وقت یہاں نہ جا دیتی ہے اسے اپنی ای کے کمرے کے علاوہ کسی کے کمرے جاننے کا شوق ہی نہیں ہے۔“

”آئی تاہم! کیا نہیں کیا جائے؟ غصہ؟“

”نہیں!۔۔۔! کچھ نہیں!۔۔۔! دیکھنے کا دل چاہتا ہے! تو سادہ دیکھ لیا! اب میں جاتی ہوں! بس اتنی دیر کی اجازت لی تھی۔“

”میں آپ کو کمرے تک پہنچا دوں! آئی! ایک تو آپ پہلی دفعہ آئی ہیں پھر بیٹھی نہیں رہی ہیں۔ رات کالی ہوگئی ہے آپ کیسے کیلے جائیں گے؟ میں چن ہوں! آپ کے ساتھ۔“

”سنی! چاہتے ہو میرے ساتھ نہیں جاسکتے میں خود ہی چلی جاؤں گی۔“ سنی ان کی بات کو نفی نہ سنی کرتے ہوئے ساتھ والے کمرے سے چالی لینے چلا گیا۔ اس نے پاؤں پر برش بھر ڈرائنگ روم تک پہنچ کر سے کار کی چابی اٹھا کر جو مٹی وہ ڈرائنگ روم میں آیا تو وہاں فیصلہ آئی موجود نہیں تھیں۔ وہ انہیں آواز دینا چاہا مگر نکلا گیا۔

”بھروسہ!۔۔۔! ہمارے غدار اگل نہیں آئے! آئی ان کے ساتھ چلی گئی! وہ کمرے میں ہے! تا کہ نہ چاہیے تھا یہ سوچتے ہوئے کہ اس کی لپٹ میں اس کی آنکھ کب جی! اسے بڑی ہی چلا۔

صبح اٹھواڑ قہاس کی آگھوہ سے سلی۔ آج رات اسے سامنے خاندان کے کمرے میں جانا تھا۔ ان کے چھوٹے بیٹے نے ایم کام کر لیا تھا اس کے پاس ہونے کی خوشی میں انہوں نے خاندان بھر کو اپنے کمرے میں آکر قہاس دھوت کا خیال آتے ہی اسے فیصلہ آئی یاد آئیں۔

”آج رات میں ان سے ملاقات ہوگی تو میں ان سے پوچھوں گا کہ رات کو وہ دوسری طرح کیوں چلی گئیں؟ سامنے خاندان کی نند ہونے کے بارے میں

تقریب میں ضرور آئیں گی۔“ سنی نے سوچا۔

رات کو وہ ضرور رات پر سامنے خاندان کے کمرے پہنچ گیا۔ اس کا بڑا کمرہ جگہ جگہ پھاٹا اور راتوں سے کچن کا ہوا تھا۔ بڑے سے لان میں مہمانوں کے بیٹھنے کا انتظام کیا گیا تھا۔ تقریب میں خاصے افراد موجود تھے۔ کمانے کا وقت ابھی دور تھا۔ کیئرنگ بھی کسی مشہور بیکان ہاؤس کی تھی۔

”ہائے! فیصلہ کے احوال خواب کے لیے بھی چار دو راتیں نکال دینا اور تو کون کو دے دینا۔ اس کی تاقیہ دور کو کس نے کرائی ہوگی؟“ سامنے خاندان نے کسی کو جواب دیا کی گئی۔

”فیصلہ آئی کی تاقیہ دور؟“ سامنے خاندان کا کیا کہہ رہی تھی آپ؟“ سنی نے ان پریشان تھا۔

”سنی! تمہیں نہیں معلوم! فیصلہ کا انتقال ہو گیا ہے۔ یہی ایک نئے پیلے۔“ تقریب نہیں کیجیے بچہ چنا! ہمیں تو خود اس کے مرنے کے بعد بچہ چلا۔“ پھر نہیں کب سے یاد کریں گے چاری؟“ سنی کو جھٹکا سا کھانا تھا۔ اسے نہیں اچھا لگا تھا کہ فیصلہ آئی کا انتقال ایک نئے پیلے ہو گیا تھا تو پھر کل رات۔۔۔!

اس سنی کے لیے یہ ساری پھاٹا آرائش لوگوں کا ہجوم رفتی سب کچھ موت کا بازار لگنے لگا۔ سنی کا دل چاہا کہ وہ جی جی کر دوتا شروع کر دے کہ یہ جھٹکا رنگ رفتی شوہر اسے سب دھوکے ہے۔

.....

سامنے خاندان کے شوہر سکیل خانو کی اگلی بیمن فیصلہ عامی قہاس و صورت کی ماک تھیں۔ سیرنگ کسٹی باپ نے ان کی شادی ایک عام سے شخص سے کر دی۔ ظاہر محسوس نظر آتے ہیں وہ شخص بہت لالچی تھا اس کی لکڑیں سر کی دولت پر تھیں اسے خود بھی تو قہاس سے کم تھا قہاس لیے اس نے بات ہے بات فیصلہ آئی کو لہذا بیٹا شروع کر دیا۔ فیصلہ آئی

بے چاری اپنے بچے آ کر قہاس کر گئی مگر یہاں ان کی سننے والا کو تھا؟ یا تو ان کی شادی کے ایک مہینے بعد ہی فوت ہو گئی تھی اور باپ نے دوسری شادی کر لی تھی۔ وہ لالچی تو لالچی ہی تھی کہ عمر میں کھوئے ہوئے تھے سنی کی کیا سنتے۔ شوہر نے جب دیکھا کہ اس کا ہر حرف نام کام ہو رہا ہے تو اس نے طلاق کا قصد دیکر کرائیں کمرے نکال دیا۔ اس وقت ان کا چہرہ ماہ کا بچہ کی حالت تھی شوہر نے چھین لیا۔

انہی دنوں سنی چند ہفتوں کا تھا کہ اس کی ای سخت بیمار ہو گئیں۔ فیصلہ آئی نے نہ صرف سنی کو ایک مہینے اپنے پاس رکھا بلکہ اسے پاناؤ دھکی لایا۔

سامنے خاندان کے کمرے سنی کی ای پر ہفتے بیٹے سے ملنے چلا کر تھیں۔ سامنے خاندان کو وہ مفت کی نوکرائی ملی ہوئی تھی۔ بچاؤ ہونے کے بارے میں وہ ہر وقت ان پر علم چلا تھی۔ لیکن کارسار کام ان کے ہر وقت وہ بیکان سے ملتی ایک انستور تھا کمرے میں ان کی آمد نہ تھی۔ فیصلہ آئی ہر وقت اپنے بیٹے کے لیے بے لڑ رفتی تھیں۔ وہ سنی تھی کہ کسی طرح انہیں ان کا بیٹا مل جائے مگر ان کی یہ خواہش پوری نہ ہو سکی۔ بھائی نے ان کا ساتھ دیا کہ وہ کورٹ بھجوری کے ذریعے اپنے بیٹے کو حاصل کر تھیں۔ دوسرا احمد انہیں اس وقت لگا جب ایک دن اطلاع آئی کہ ان کا بیٹا نیک میں گرفتار ہو گیا ہے۔ وہ جاگل ہی نوٹ کر رہ گئیں۔ بیٹا زندہ تھا تو کم از کم اس سے ملنے کی آس تو تھی۔ وہ سنی کو جب بھی دیکھتیں بے اختیار گنگے کا تھیں۔

”سنی!۔۔۔! تو تم ہی میرے بیٹے ہو۔“

خواب بڑھتا تھا کہ کامیاب انسان ہو۔ خدا تمہیں صحت کے ساتھ ہی عمر دے۔“ وہ سنی کو ڈھیروں ڈھانک دیتا۔

”وہاں سنی!۔۔۔! تو تم ہی میرے بیٹے ہو۔“

نوکرائی لگا کر تھیں مگر سامنے خاندان بھجری ان سے خوش نہیں تھیں پھر ان کی دوسری شادی کر دی گئی۔

اجلی شادی کے وقت وہ سیلی سے لپٹ کر خوب روئی  
تھیں۔ اس وقت سیلی خود سات برس کا تھا۔ اسے اُن  
کارونا کچھ نہیں آیا تھا۔


ان کے دوسرے شوہر فخر اگل کسی فرم میں معمولی پوسٹ پر تھے۔ گیل خانو نے شادی کے وقت ایک قلیٹ اپنی بہن کے نام کر دیا۔ یوں فخر اگل کو شادی کرتے ہی چھت بھی سراسر آگئی اور بچہ کی صورت دیکھ بھال کرنے والی عازرہ بھی مل گئی۔

فضیلہ آغلی شہزادی کے بعد بہت کم نئے آج  
کرتیں۔ اُن کا قلیق آبا دی سے دور ایک کوای  
علاقے میں تھا۔ سبیل اکل کے والد کا انتقال ہوا تو  
باپ کی جائیداد کو انھوں نے اکیلے دینچ لیا جبکہ  
فضیلہ آغلی اپنا حق بھی نہ مانگ سکی اور باپوں کی  
طرح فضیلہ آغلی نے خدا کی عداوت میں یہ مقدمہ  
بھی دائر کر دیا۔

فخیر آٹمی کی شادی کے بعد سستی چپ بھی  
صانعِ خالق کے کمر جاتا جس کمرے میں ضرور جاتا  
جس میں دور دور کرنی تھیں اسے اس کمرے میں  
ان کی خوشبو محسوس ہوتی تھی اس کا بہت دل چاہتا  
تھا کہ وہ ان سے ملے ان کے کمرے جائے لیکن وہ چھوٹا  
تھا اس لیے جا سکتی کے لیے مشکل تھا وہ اپنی اسی کے  
ساتھ کمرے دفنان کے کمرے کا قلابہ دو کمرے کا وہ چھوٹا  
سائیکل بے انڈین نے بلیک سے سجایا ہوا تھا یہ اس  
بھائی کی اگلی بیگن کا کمر تھا جس کے نوکر اس سے  
ابھی حالتِ عہدہ تھے۔

وقت بخیر ہے ضرور باقی سیٹی اپنی تعلیم میں ایسا مصروف ہوا کہ اسے کہیں آنے جانے کی فرصت ہی نہ مل پائی۔ صاحب خانہ نے کیا کر لیا، فیصلہ آسانی سے اس کی ملاقات ہوئی تھی۔ وہ اسے دیکھتے ہی ہلٹ گئیں۔

”سیٹی! امیر ہے مجھے؟ میں تمہیں کتنا یاد کر رہی تھی۔ پہلے تو تم بھی بھکاریوں سے گھر آ جاتے تھے“



اب تو آٹا ہی چھوڑ دیا؟“

”بھئی! ابھی تو میں رہا ہے کوئی معمولی چڑا  
نہیں کہہ رہا ہے عزت ہی کہاں ہے جو تھرا ہے  
آئے گا؟“ صابر خاں نے مضطرب ہو کر کہا  
”نئی! امی کی طبیعت ٹھیک نہیں رہتی جو  
موقع ملا آپ کے گھر ضرور آؤں گا۔ آپ کی طبیعت

کسی کے لئے، یعنی نے ان کے چہرے کو بخیر و برکت  
نے پوچھا۔ ان کا ایک بچہ صرف سالوں تھا  
اس پر چلا ہٹ چھا کی تھی پانچ سال سے بڑھ  
تھا چہرے پر جذباتِ ابرار کی مسک۔ دوسرے شو  
سے ان کے دلچ ہوئے تھے جو چندوں کو بخیر  
خوت ہو گئے تھے۔ بچوں کی موت نے ان کی زندگی  
کو اور بھی بتایا تھا شاید اللہ کی محبت میں وہ اپنے  
خون کو کھول جاتیں جس میں نہ کر بھی ان کی ماں  
سے استحقاق۔

جیسے نہ شوہر کی محبت مل سکی اور نہ ہی اولاد کی۔ "وہ بے حدود کی لکھ میں پوئیں۔"

”اگر میں نہیں ہوں تو آپ کی اولاد آپ میری  
 جی تو اس ہیں“ آپ نے طے ضرور آؤ گا۔“  
 بیان سے لاپاکہ کاری تھا سنی اور زور بھر کر  
 کے گھر پہنچ گیا۔ وہ اس کی بہت میں بھی چار ہی تھیں  
 ”یہ تو باقی نئی شای کہ اب بہت حے دار تھیں  
 سوسے میں نے خود گھر بنائے ہیں۔“

”آئی میں کا تو رہا ہوں۔ غفار اکل جیت  
خوش نصیب ہیں جو آپ بھی جیو کی نہیں ملی ہے۔“  
وہ اس کی بات پر ہجائے خوش ہوئے کے نظر  
سو گئیں۔ سبیل کچھ دیر بیٹھ کے چلا آیا۔ غفار اکل  
غلطرت کو وہ ابھی طرح سمجھتا تھا وہ حدود سے لایا  
نہیں تھے انہیں صرف کمانے کے لیے کی حد تک غم  
روکری بات سے انہیں روکا نہ تھا۔ ان کا قتل

لوگوں میں سے تھا جو صرف جانوروں کی طرح سانس

لے لیا پاکستان کے لیے زندہ ہو گئے ہیں۔  
 پہلی خانوے اُن کا انتخاب ہی اس لیے کیا تھا  
 کہ کوئی اور شخص ہوتا تو اُن کے باپ کے انتقال کے  
 بعد جو کیا ہو میں سے حصہ مانگ لیتا لیکن انہیں اس  
 سے کوئی غرض نہ تھی۔

فضلہ آئی کو تو بے ہی اس بے رحم دنیا نے  
سوائے انھوں کے کچھ نہیں دیا تھا شاید قدرت نے  
مولادہی اس لیے جلدی اٹھائی کہ اس کی پرورش کرنا  
ان کے لیے اس صبر و آدائی میں مشکل ہو جاتا۔  
فضلہ آئی ان لوگوں میں سے تھی جس میں صرف  
ظہر ہے لیے آتے ہیں۔

تعلیم عمل ہوتے ہی سنی کی شادی ہو گئی۔ فضیلہ آگئی طبیعت کی خرابی کے باعث اس کی شادی میں شریک نہیں ہوئیں۔ شادی کے بعد وہ ماہا کے ساتھ ان کے گھر ملنے گیا تھا۔

سینٹی کو ائمہ ازہ نہیں تھا کتنی جلدی وہ اس دنیا کو  
چھوڑ چائیں گی اور وہ ان کے جنازے کو کاعاد صاحبی  
نہیں دے سکے گا۔

”معاذ خدا! کیا آپ کو فطرتِ انسانی کی  
طبیعت کا پتہ نہیں تھا؟ آپ نے مجھے ان کی موت کی  
طبیعت نہیں دی کہ میں ان کی قبر پر دو ٹھکی خاک ہی  
والہیج“۔“بھئی کی سوچوں سے نکلنے ہی سبیل کے  
اندیشہ کی ہی اس کے لہجہ میں دور آئی۔“

”انتظارِ قسم ہو لینے دو پھر بات کرتے ہیں۔  
فوتی کا موقع ہے ایسے موقع پر مہمانوں کے سامنے غم  
کی باتیں کیا کرنا جانے والی تو چلی گئی۔“ انہوں نے  
سہلہ پروائی سے کہا۔

”نہیں خیر.....! میں انتظار نہیں کر سکتا مجھے  
تا کھینچا یہ سب کچھ کب اور کیسے ہوا؟“  
”نہیں؟“ انہوں نے اپنے بیٹے کو آواز

غزل

میرے ذہن کے کمانے پانے والے ہیں میں سمجھا رہی ہوں  
کے زمانے کے سارے حشر انہیں کو دیکھیں بلا دہی ہوں  
کھر پٹی حتی کہیں لڑکی ہوں، کئی رستہ نہ کوئی منزل  
جہاں تھم کے ذرا لگی، اے، مجھے اس سے پتہ چاہی ہوں

کسی سے شکوہ نہ کرنا کہہ دیتے۔ ہے فیضانِ دہلی کی ہمیں تو عادت  
ہے اس آسوں کا سیب نہ پرچوں، میں اپنا ماضی بھلا رہی ہوں

گزشتہ موسم کے جگہوں میں تہہ لایا ہوا اس کے سائے سے جی  
 بھلا نہ چاہوں بھلا نہ پاؤں، جس کب سے خود کو بتا رہی ہوں

۱۰۰ رات کے لیے ۱۰۰ کتابیں پڑھیں کہیں جس کی  
تیرا تصور ۱۰۰ طاقت ۱۰۰ یادیں ۱۰۰ فیض سے پوری ہا رہی ہوں  
مجھے بار بار شب و روز گھر کو چاہوں گے زمانے کی آواز ہوں میں  
تہذیبی ماحول سے ۱۰۰ جاگ رہی ہوں جو سے خود کو چھپا رہی ہوں



رضیہ تاز

دی۔" بھئی سبکی کو کھٹی رو ڈاؤں بچھ سے بھٹ میں  
 الجھا ہوا ہے فضل ہائیں کر رہا ہے۔"

سبکی ان کے پاس سے ہٹ گیا۔ وہ بھی اس  
 مبالغہ دینا کارڈ تھا اس میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ چی  
 چی کر کہہ سکے کہ وہ بھائی جیسا ہے کھر کے نقش میں  
 دینا دکھائے کے لیے لاکھوں روپے لٹا سکتا ہے لیکن  
 بہن کو ہنسر مرگ چہ لاوار کوئی کی طرح سرکاری  
 اسپتال میں پہنچا دیا۔

وہ مختار اکل کے پاس بیٹھ گیا۔ وہ اسے فضیلہ  
 آئی کی موت کے بارے میں بتاتے گئے۔

"فضیلہ بہت بیمار ہو گئی تھی اسے کھینے پوری  
 طرح بیکار کیا تھا۔ جب اسے اسپتال لے کر جا رہے  
 تھے تو میں نے سائنس کو خبر کر دی لیکن سائنس نے  
 کسی کو خبر نہ دی۔ بھائی بیچھے ایئر کنڈیشننگ کروں  
 میں سوئے رہے آرام کرتے رہے اور لیکن سرکاری  
 اسپتال کے پٹک پر زندگی کی بازی ہار گئی۔ مرتے  
 وقت کوئی آن کے پاس نہ تھا۔"

"سبکی! چلو افو کھانا لگ گیا ہے۔" سائنس خاند  
 کے بیٹے ارپا نے آکر کہا۔ سبکی کا دل کھانے نہیں  
 جا رہا تھا مگر دنیا داری کے تقاضے پر اسے کرنے کے  
 لیے وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ "تم تو مختار بھوجا کے ساتھ  
 چپک ہی گئے۔ آؤ دوستوں میں چل کر بیٹھو۔" وہ  
 اسے لے کر دوسری طرف چلا گیا۔ سبکی کھل پر بیٹھ کر  
 بے دلی سے کھانے میں مصروف ہو گیا۔ اس کے گزرت  
 کیا فکھو کر رہے تھے وہ ہمیشہ میں رہا تھا۔

"شر زبان!... ایسے جتنا کھانا خا گیا ہے اسی  
 سینئر میں بنگا دو۔ خدا اس کا اجر میری فضیلہ کو دے۔  
 ویسے میں نے اسے دو میں زیادہ بچکائی نہیں وہ اپار  
 گوشت اور برائی پیڑے شوق سے کھاتی تھی۔  
 غریب لوگ کھائیں گے تو اس کی روح کو خواب طے  
 گا۔" سائنس خاند کی آواز سبکی کے کانوں سے گرائی تو

فرزاد کی کہ چار برس پہلے سے وہ اس کا بھوکا ہے اس کی کھانہ  
 چھوٹا جاتا ہے اس کی سوسے بھوکا ہے چھوٹا جاتا ہے اس کی کھانہ

# آسیب گاہی



## فرزاد آقا

میران نے اس کی نظروں سے مجھے دیکھا کہ میں راز کر رہا کیا۔  
 وہ آنکھیں میران کی نہیں تھیں وہ آنکھیں چاہے جیسی تھیں۔  
 باہر تھی وہیں صبر جیسے کسی نے اس کا گادا دیا ہو۔

چار دوستوں کا پاس رہا جہاں میری کی پہلا ہی پر وہ جب چکر میں پھنس گئے تھے



بہرام اور اس اسلام آباد کے ایک ہی اسکول سے تعلق رکھتے تھے۔ بہرام کے والد بلاشبہ کراچی تھے اور ان لوگوں کو اسلام آباد شفٹ ہوئے تو وہاں ہی عرصہ گزارا تھا۔ میں اور بہرام بڑی جلدی دوست بن گئے تھے اور نورمیری کی ان تمام حرکتوں میں ساتھ ساتھ رہتے تھے جن سے والدین اور اساتذہ عاجز رہ جاتے۔ وہ خوشگھر کے اہل خواتین میں گریڈز مستعمل آجاتے تھے جن کی وجہ سے اسلامی ہو جانا کبھی تھی۔ اسکول میں ہماری چار دوستوں کی ٹولی تھی۔ اس ٹولی میں میرے اور بہرام کے علاوہ شاد دلاڑی کے بھرانے اور مسکن بھی ہماری کلاس ہی میں تھے۔

ہو گیا تھا اور مجھ کو گاڑی چلتی ہی بہرام نے خبر  
آن لیا تھا تو ہم سب مل کر پہنچے تھے۔  
میں نے ٹھوڑا دیر تک فکے فکے بہرام رات بھانے  
کا کام خیر کرانٹ کی طرف دیکھ کر ٹھوڑا آگے جا کر  
آری کی چوٹی کے سرے کے پاس بہرام لگا۔ "اگر  
لیٹ ہے تو چوچلی سڑک جاری ہے" اُدھر سڑ  
ک تھامیں اُدھر سے سیدھا سیدھا خٹک جاتا ہے کیڑے

گھومتا ہوا کسی اور روشن دان سے اندھا انداز بن گیا رہا تھا۔ خیر جب وہ چلا ہوا تو عمران نے اونچی آواز دے کر اسے بتایا کہ کدواں رکھ گیا ہے۔ مجھے کب لگا کہ آخرا چلا گیا کیوں نہیں رہا؟ اور یہ اس کا کبجیب و فریب ملنے لگی تو فی الواقع اسامیلا کوٹ چراغوں سے ذرا دور تک تھا۔ قدرے جھکا ہوا سر اور دشت لڑو چہرے پر سرخ آنکھیں جہاں حد تک ملتوں سے باہر تھیں کہ ایسا لگتا جیسے کسی نے اس کا گلاب دیا ہوا ہونے پر سہاگہاں میں ملے پر چاند خاموشی۔







جائیں۔" مسمن کی روپائی آواز آئی۔  
 "مجھے پان کی دکان لوہے کوہری کا مکان۔"  
 عمران انکی ہماری آواز میں گاربا جیسے نشہ میں  
 ہو۔ میں نے عمران کی طرف گھور کر دیکھا تو بولا۔  
 "میں نہیں پیندا؟ کیا نہیں نہیں پیندا؟ چلو کی اور گانا  
 بیٹے ہیں۔"

بہرام بولا۔ "یاد تم لوگ پریشان نہ ہو کوئی  
 کتے دتے ہیں تھے فلم لوگوں کو وہم ہوا وہاں فلم  
 سیدھا اپنیڈا آہستہ رکھو۔ ریزرغرب ہی ہوگا۔"  
 اس دوران میں باؤل اسے ہاتھ اتر آئے تھے کہ  
 چارے جا رہے تھے کہ سارے مہران میں اوہل ہوتے  
 یا رہے تھے۔ سب چاہ پ گازی چلائے لگے۔  
 تقریباً پانے جا رہی تھیں تھے میں جوں جوں آگے  
 جاتا ہوا دھند باؤل اعدھا کر گئی۔ میں نے  
 مجبوراً گازی سائینز میں لگائی۔ بیڑو لاش آن  
 کیں اور پلٹ کر بہرام کو گھنٹے لگے۔

"مگر بہرام بہت آگے آگے ہیں۔ یہ جو آواز  
 سنکر؟" کال بورڈ تھا؟ پہلے ہی میں اس کو گزار کر  
 آگے گئے تھے۔"

مسمن بولا۔ "سلمان کو دھان کر و اسلام آباد لنگو  
 پارمری آئے ہیں کہ کسی deen میں بھگت گئے ہیں؟  
 ایسے کون سے عجیبہ اور راتے ہیں یہاں؟"  
 "تم آ جاؤ راتینک سیٹ پر مجھے تو بھگتے کا  
 شوق ہو رہا ہے۔" میری آواز میں خاصہ فخر تھا۔

"کیا ہو گیا ہے؟ تم دونوں کس اچھے رہے  
 ہو؟ ابھی رات سل جائے گا۔ توڑی دھند چھٹ  
 جائے۔" خلاف توقع عمران باؤل مارل لپے میں  
 بولا۔ "میں کئی دیر سڑک کنارے کھڑے رہے۔ اس  
 دوران کئی ایک گازی نے میں کراں نہ کیا۔ مجھ پر  
 کے بعد باؤل چلے اور سڑک پر رات ہو رہی بورڈ  
 چڑھا پڑتا باؤل آہستہ گازی چلا پڑا غریب ہائی

انکی ہر کی آتی تو لپٹ لٹن لگتا۔"  
 بہرام گھڑی سوچ میں مشغول ہوا۔ "گازی  
 واپس مڑو لو اس وقت یوں آ جاے مناسب نہیں۔"  
 یہاں سڑک بہت ہی ٹکی چٹی اور رنگ حق میں  
 نے جہات سے گازی مڑو لی۔ ابھی گازی پوری  
 طرح مڑی بھی نہ تھی کہ دم سے آگے دو بندر  
 کوڑے۔ بہرام اور مسمن کی پل دیو لپٹی تھیں نکلیں۔  
 مہران دو دروازے پر پہنچے لگے۔

میں نے ذرا رستے سے کہا۔ "مہران شیشہ اوپر  
 چڑھا پڑے بندر خطرناک بھی ہو سکتے ہیں۔" شگر ہے  
 کہ مہران نے میری بات مان لی۔ میں نے گازی  
 دیسے ہی کھڑے دی۔ میں جاہت بندر انکوں  
 میں آٹھیں ڈالے میں گھوڑے رے جے ہر دوں بندر  
 کمانی سے مزید بندر کی چی کار پر ہر دوں بندر  
 حجب ہوئے اور جیسے ہی انہوں نے کمانی کی طرف  
 دو پار قدم بڑھائے میں نے تیزی سے گازی آگے  
 نکال لی۔

گازی میں ایک سناٹا تھا اور میرے دل کی اونچی  
 دھڑکن کو میرے کانوں میں بڑی تیزی سے گھوڑی  
 رہے بہرام بولا۔ "دو دھڑکنا سنے دو کھوکھا جہاں  
 چلے گی کئی ابھر سے گازی سڑک باؤل آہستہ  
 جھٹ پلاؤ؟ میں سڑک پر نظر رکھتا ہوں۔" کھوکھا  
 بندر بچھا تھا۔ میں نے اپنیڈا آہستہ کرتے ہوئے  
 گازی مڑو تو میرے پاؤں کھینچے ایسے ہیڑ پر ہم کر  
 روکے۔

"کیا ہوا بیٹے کیوں نہیں؟"  
 "میں نے ابھر ایک پینڈو کو یہاں دیکھے تھے پینڈے کیسے  
 ٹھک ٹھک سے چڑھتے پر ہاتھ نہیں ہیں۔"  
 مسمن ایک دم کہے ہوئے بولا۔ "میں نے بھی میں  
 میں دیکھے تھے۔ پار بہرام آج کی رات بہت  
 کر رہے۔ خدا کرے ہم غریب سے مگر واپس پلٹ

عمران دیسے ہی اونچا اونچا گانا گاتا رہا  
 نے کچھ سنا ہی نہیں۔ مسمن جس کا سوا رہا  
 پریزی کی بعد سخت خراب تھا اس نے  
 آنکھوں سے اپاں میں ہاں نکالی۔  
 بہرام جو خاصا پلٹ لگ رہا تھا وہ  
 سے بولا۔ "جیسے تمہاری مرضی۔"

عمران نے فرخت ڈور کھولا اور بیٹھے  
 شیشہ پہنے اتار کر اونچا اونچا گانے لگے۔ بہرام  
 مسمن کیسے چلے گئے۔ "تم گھوڑا سا آگے کے  
 کے کہ پوس کی چیلر رنگ اسکاڈ گزری  
 کراں کیا تو رڈ کارڈ slow کر لی۔

"یاد چپ ہو چلا شیشہ اونچا کر لے  
 حالات چارے ہیں انکس کسی اور شکل میں  
 جائیں۔" میں نے ٹیک دیو مرد میں اسکاڈ کو  
 دیکھ کر سمجھ گیا کہ جہاں عمران نے اسکی نظر ان  
 میری طرف دیکھا کہ بندہ میں کر رہا کر گیا۔

دیوہ کی بڑی میں خوف کی لپٹ لپٹ رہی تھی کہ  
 ہو گیا۔ وہ آٹھیں عمران کی آٹھیں نہیں تھیں  
 آٹھیں چاہے جیسی میں باہر لگی ہو میں سڑک  
 کسی نے اس کا دیا ہوا ہو۔ میں نے دل میں  
 قرآنی آیات کا درو شروع کیا۔ کچھ دیر بعد وہ  
 ہونے پر میں نے سوچا کہ اب کچھ دیر میں  
 طرف بھول گئی تھیں۔

دلی بندر دھند میں نے بہرام سے  
 "یاد ہو مڑا اب تک آ یا ہے نہیں؟ ہم آگے تو  
 آئے؟" سب چونک کر اندھیری سڑک کی  
 متوجہ ہوئے۔  
 "تو... یہ ہم آگے آگے ہیں۔"  
 ابھر اُھر دیکھا ہوا بولا۔ "یہ جگل تو مجھے تپا  
 رہے تو کس طرف نکل آیا؟"  
 "میں تو سیدھا ہی آ رہا ہوں لپٹ مان

جیسے رنگ باستر نے انہیں کوئی اشارہ دیا ہو۔ مجھے  
 چاند کی دھندلی روشنی میں یوں لگا جیسے دو کتے ہوا  
 میں ہلکا سا تیرتے ہوئے جیسے ہوتے ہوں۔ ہم  
 سب گازی میں بیٹھے تو سب کے اندر اکراہر آہر  
 ہو گئے۔ میں نے گازی اسٹارٹ کی اور تیزی  
 سے bang پر چڑھا ہوا میں روڈ پر آ گیا غریب  
 ریزر سے راجست اور اوہ مال کی طرف جاتے جڑ پہلا  
 کھوکھا دکھائی دیا وہاں گازی روک لی کھوکھے  
 والے کو پانے کا کہہ کر ہاتھ پر ہے طویل سیٹ  
 چپتر ہے پر بیٹھ گئے۔ وہاں میں ٹھکانی  
 روشناس کچھ اندھیرے میں ٹھنڈی کی طرح دھک  
 رہی جس کی آواز دتے گئے چڑ کے درختوں میں بیٹھا ہوا  
 سررائی اور دو دھک جھگی جانوروں کی آوازیں  
 ابھریں عمران ایک ایک چار پہ قدم چلا اور کچھ  
 مجھ پہ بے پردا اور شوخ آواز میں اونچا اونچا گانا  
 گانے لگے۔

"یاد عمران خاموش ہو جا۔ کیسی آواز میں گاربا  
 ہے؟" مسمن نے اسے ٹوکا۔

"مگر کیسی آواز میں گاؤں ہیں؟" وہ اپنی تیس کا  
 گلا پھاڑتے ہوئے بولا۔ "اس بیٹے میں سے اسکی ہی  
 آواز آتی ہے۔ تمہارا سینہ کھلوں اھر آؤ۔" اس  
 نے آگے بڑھ کر مسمن کی تیس آگے سے بڑھ کر پھاڑ  
 دی اور دو دروازے پر پہنچے لگا۔ کھوکھے دھکا چائے کی  
 ٹرے پکڑے عمران کو تیرتے سے پکڑ کر ہٹا۔

"چائے یہاں دلوں کا خدا دینی ہے؟ اس نے  
 ایک گلا ٹھکانا اندھیرے پر ڈالے ہوئے پر چھا۔  
 "میں نہیں دے دو۔" میں نے آہستہ سے  
 کہا۔ سب چپ چاپ چائے پینے لگے۔ چائے فٹ  
 ہوئی تو میں نے کہا۔ "اگر تم سب بانو تو اپنے بیڑو  
 اٹھا لے ہیں اور واپس چلے ہیں سڑکیں خالی پڑی  
 ہیں نہ زیادہ سے زیادہ گھنٹہ لگا۔"

وے تک پہنچ گیا۔ اٹھ جاتا ہے کہ کسی سب کی جان میں جان آئی میں دل میں دل میں سوچ رہا تھا کہ میرا ان کو کیسے دیا اس قدر ڈار بھگتا تھا آج کیا رنگ دکھایا ہے اور سوکھ دوسری بار دستا ہونے پر بس اوجھا اوجھا دیا یہی نہیں اور یہ بہرام آتے ہوئے کس قدر چوچاں تھا اور اب... اٹھ گاڑی نکلتا تو ذرا داری بھی نہ ہوتی۔ میں نے سر ہچکا اڑائی اترے تو کم کمرے ہالوں میں گاڑی چلتا ذرا آسان ہوا۔ میں نے سڑک کے ساتھ میں ایک صاف شفاف پتے چھتے کو دیکھ کر سوچا ٹریک تو پتھر ہی لپا ہے۔ ذرا منہ پر پانی کے چھینٹے ماروں۔ آکھوں میں جلن سے برا حال تھا۔ میں نے گاڑی سڑک کے ساتھ میں لگائی اور بند کر دیا ہوا۔ میں منہ دھو کر آیا کچھ صاف نہیں۔

چشمہ جسرک کے قریب لگ رہا تھا کانی اوکھی اڑائی میں تھا۔ یہاں پر پادری بہت کم ہونے سے ہنگی بلی بارش پھیلی ہوئی تھی۔ میں پتھروں پر کھڑا تھا کچھ اتر اور پھر پتھر سے پانی کے چھینٹے منہ پر مارے۔ ساتھ برف پانی سے چلتی انکارہ آکھوں کو کچھ سکون ملا اور ذرا میرے ہوش بحال ہوئے ورنہ تو کب اندھیری سڑک پر گاڑی چلاتے میرا ہر کس نکس نکس کیا تھا۔ جب سے کمرے نکلے تھے اُدھا کھنڈ بھی آرام کرنے کو نہ ملا تھا کہ پیچھے گاڑی کا دروازہ بند ہونے کی آواز آئی۔ میں نے پلٹ کر دیکھا وہ تینوں بھی اتر کر ابھر آ رہے تھے۔

"گاڑی لاک کر دی؟"

"ہاں۔" بہرام نے پیچھے آ کر مجھے جانی پکڑا دی۔ ہم چاروں جگہ پر چھتے پر کمرے اور جب انہیں طرح پر نہیں ہو کر پھرے تو سڑک پر ایک چھوٹے سے کھوکھے والا کھوکھول ہوا تھا۔ بہرام نے پوچھا "چائے مل جائے گی؟"

"کیوں نہیں صاحب! منہ اندر سے آئے کچھ لپے ہیں؟" وہ خوش دلی سے بولا۔

"میں چائے پیلا دوں گا۔"

"لا اور دھو لے؟"

"نہیں نہیں! اسلام آباد چاہتا ہے۔" بہرام بولا۔

"اچھا۔" کھوکھے والا حیرت سے بولا۔

"در اصل اپنی سب سے عام طور پر لوگ بھانجہ نکلتے ہیں۔ ان کا سر لٹا ہوتا ہے۔"

"ساتھ بھوکھا نہ کھائے؟"

"اگر سب لا رہا ہوں۔"

"یار بہرام! اب تو رے کا ڈر نہ دے دیا" میں چائے پی کر نکلتے ہیں۔ میں انکی میں چالی چھتے ہوئے کھوکھول پر ایک کھوکھول کی میری انگلی میں کھوکھول چالی تیزی سے کھوکھولے۔ میں ہانک رو کر حیرت سے دیکھ رہا تھا کہ وہ کھوکھول کھوکھول آگئی سے کچھ اور کچھ دیر میرے منہ کے آگے کھوکھول اوکھی ہوئی تھی۔ میری ہیرا ہوئی حالت ہر سب متوجہ ہوئے چالی ایک کھوکھولے کی طرح کچھ دیر سے ہر کھوکھول اور پھر چھتے کے پیچھے کئی کئی میں جا گئی۔

"کیا ہوا؟" تپاگل تو نہیں ہو گئے تھے؟ اتنی تیزی سے چالی کیوں گھمائی؟ "بہرام کی فریادی آواز آئی۔"

"میں نے کب اتنی زور سے گھمائی وہ تو۔"

تو خود ہی اتنی تیزی سے گھوم رہی تھی۔ "سب خاموش ہو کر بیٹھے کھوکھولے گئے۔ کھوکھول دیر بعد وہ تین آگے پیچھے چلتے چھتے تک گئے اور سب پاگل کی روشنیوں وال ڈال کر چالی ڈھونڈنے لگے۔ میں میری دل سے ایک چادر پر بیٹھ گیا کھوکھول دیر بعد تینوں بھی آگے اوپر آ گئے۔

سوکھ بولا۔ "بہرام! تم کو گتہ ہے چاہا۔"

demon کوئی بد عادی ہے ہمیں۔"

بہرام بولا۔ "مجھے ابھی خیال آیا میں نے بیٹے پر کس کون کیوں نہیں کیا؟ میں کال کرتا ہوں۔" بھونک کر تو ٹریک دور ڈال دیا کال کرتا ہوں۔ ابھر سے نکلتے۔ "بہرام نے فون ملا۔" میں حیرت اس بات پر ہوئی کہ کال خوراکی لگتی اور رینگی اسکاوا اس منٹ میں پہنچ بھی گئی۔

ہوئے بہرام اپنا اور سب کا تعارف کر داتے ہوئے "میں کرش ڈاکا کیا ہوں۔ یہ ان کے آئی ڈی کارڈ کی کاپی آج رات ادھر اپنے کمرے آئے تھے کچھ دیر پہلے چائے پینے آئے تو گاڑی کی چالی چھتے لڑکائی آپ لڑکائی چلی کرکس۔" رینگی اسکاوا دالے بڑی داغ لے کر کچھ چھتے پر گئے۔ سب نے بہت دھوم اٹھائی چالی کو کھانا تھا لیکن یہ ضرور ہوا کہ ان لوگوں کے خصوصی تعاون کے باعث بہرام میں مری اسٹاپ جا کر گاڑی کی ڈیکھت چالی بن کر لے آیا تھا۔

.....

خدا خدا کر کے جب ہم اسلام آباد پہنچے تو یہ پہلے ہوا کہ پہلے سوکھ کو ڈاکہ کر دیں پھر میں اور بہرام عمران کو اس کے کمرے چھوڑ دیے کچھ اس کی حالت ابھی نہیں تھی کہ اسے باہر سے چھوڑ کر نکل جاتے۔ بہرام کو اور مجھے زیادہ دھنسن نہیں تھی۔ ہم دونوں کمرہ والوں سے مسلسل رابطہ میں تھے۔ میں نے اسی کو بتا دیا تھا کہ میں دو سوکھ کو ڈاکہ کر کے گھر آؤں گا۔

عمران کے کمرے صرف آتی تھیں۔ وہ باہر آئیں اور عمران کو کس طرح گاڑی سے اترتے دیکھا تو فوراً بولے۔ "تساری طبیعت تمک ہے عمران؟"

بہرام دھکی آواز میں بولا۔ "آج صبح سے کھوکھول کچھ نہیں کر رہا ہے۔" عمران نے پلٹ کر بہرام کو اور مجھے انہیں دھکیا میں تو ذرا سی ہوئی کہ

کچھ ڈال ہے۔

میں شام کو کھانا کھا کر پچھلا اور دل میں شکر کے پلے پڑے۔ سر درد سے پٹ رہا تھا اور آنکھیں سرخ تھیں۔ کچھ دیر بعد میں نے اسی کو ٹویڈ سب کچھ صاف صاف بتا دیا اس یقین کے ساتھ کہ اسی عام عورتوں کی طرح نہ جو بحث کرتی ہیں اور نفوری ڈانٹ پھینکا۔

میری بات کے دوران وہ کمرہ بند سے مجھے کھینچ رہی تھیں۔ "ابھی کچھ کھا کر تم سونے چلے جاؤ۔ جب سو کر اٹھو گے تو تحقیقات کریں گے۔"

اگلی صبح ای سے بتایا کہ وہ رات کمرے میں آئیں تو میں بیٹھ بٹھار میں تھا اور سوتے میں بار بار ڈر چاہتا تھا کہ کتنا بڑا کتوں کو باہر نکال دیں گے۔ بار بار اندر آ کر کھبو تھیں۔ "ای سے بتایا کہ وہ رات کی رات بھر سوتے نہیں رہیں اور مجھے دم کرتی رہیں۔ میں اگلے دو تین روز بھی بٹھار میں پھنکا رہا۔ مجھے سوتے میں بھی گتہ تھا کہ میں جاگ رہا ہوں۔

تین بار روز بعد میں جا کر میری حالت ڈال ہوئی تو پتا چلا کہ عمران بھی کمرے کا بہت تیار ہو گیا تھا اس کے سارے جسم میں شہدہ روزہ اور انکارہ ہوئی راتیں سو نہ سکا۔ کچھ دیر بعد ہم سب اٹھتے ہوئے تومری کی رات کی خواہی یاد کر کے سب اپنے کانون کو ہاتھ لگاتے ہوئے غروب تھے۔

میں اس روز شام کو کمرے آئی تو کمرے کچھ مہمان بیٹھے تھے۔ ای سے مسٹر اینڈ مسٹر کرسٹین شاپت کے نام سے ان کا تعارف کر دیا۔ ان کی نیلی ہانہ کی دھت تھیں۔ وہ لوگ پہلے بھی آتے ہوں گے پر میری دلچسپی نہ گئی۔ اس وقت آئی ائی کو بتا رہی تھیں۔ "شاپت مری میں ایک کمرہ دیکھنے میں اصرار تھے ہم اسی سلسلے میں مری گئے ہوئے تھے۔" واپس میں سوچا آپ کی طرف ہوتے جا میں۔"



رضوان قیوم



انگریزی سہولت

میں آنکھیں بند کیے اس کا شہر قمار اور بھڑاس نے مجھ پر باندھ دیا  
میں جکڑ لیا تھا۔ میں نے فوراً اپنی آنکھوں کو کھولا تو میری جسمانی بندھ  
گئی۔ میری آنکھوں کے سامنے اب لڑکی نہیں بلکہ۔

میں نے ایک خاتم کا قصہ لے لیا ہوں کی مہرت نکستہ سرائی کی

کہانی میں انجی بزرگ قربان علی کی زبانی قلمباز کر رہا  
ہوں۔  
”میں 1943ء میں امرت سرشہر میں سائیکل  
خزل ایسٹ آباد تھی۔ اس سفر کے دوران سرائی کی



”یہ تو آپ نے بہت اچھا کیا اس دور میں  
مصر وفیات ہی کچھ ایسی ہیں کہ وقت لگانا مشکل  
ہو جاتا ہے۔“ اسی بولی میں  
اگلے کہنے گئے۔ ”ایک کوٹھی بہت ہی اچھے  
داموں پر فروخت ہو رہی ہے یہ کوٹھی بالہ روڈ سے زیادہ  
دور نہ ہونے کے باوجود ہے ہر پرسکون لوکیشن میں  
ہے۔ کوئی شور و آواز نہیں۔ یہاں زون کے چچ میں مرک  
ہے اور آخر سے ڈھانچلے 12-87 ہے very well  
kept.“  
”تو یہ بات سنی کوئی؟“ اسی نے پوچھا۔  
”بھائی! انگریزی تو بہت خوبصورت اور آرام دہ  
ہے پر مسئلہ یہ ہے اس کے ساتھ والی کوٹھی ”taunted“  
مشہور ہے۔“ actually ”وہ کوٹھی کھل ڈکا کے پاس  
ہے وہ میری ہی پلنٹ کے تھے۔ پہلے وہ کوٹھی اس کے  
سر حیدر قریشی کے پاس تھی۔ کہتے ہیں قریشی  
صاحب کی زندگی تک تو کوئی قابل ذکر بات نہیں  
ہوئی۔“ مگر دارم کہتے ہوئے ہوئے۔ ”میں تو ان  
چیزوں پر believe نہیں کرتا ہر سنا تو پڑتا ہے خاص  
طور پر جب عمر بھر کا کھانا جوڑ کر خریدتا ہو تو لوگ  
کہتے ہیں کہ قریشی صاحب اور ان کی بیٹی کینیڈا بنے  
کے پاس شفٹ ہو گئے تو یہ کوٹھی بہت عرصہ خالی رہی  
بعد ازاں ان دونوں کے بچے بعد دیگرے انتقال  
کے بعد دیکھ جائیو اوکے ساتھ یہ کوٹھی کھل ڈکا کی بیگم  
کے حصے میں آئی ہے یہ برسوں خالی رہی ہے کوئی ایک  
چھوٹا کھانا ہوتا ہے جس کی حرکات و سکنات کافی  
پر اسرار ہیں۔ کبھی کبھی آدھی رات کو یہاں زون پر کھڑا  
خود توں سے باتیں کرتا دکھائی دیتا ہے کبھی کبھی رات  
وہاں اس قدر کچھ سمجھتے ہیں کہ اور گھر کے رہنے  
والوں کا سماں حال ہو جاتا ہے۔“ میں نے اسی کی  
طرف دیکھا وہ میری طرف دیکھ رہی تھی۔  
اگلے چہرے ہوئے ہوئے۔ ”چھوٹا کھانا رات کو

آگنی پولیس۔“ ”غشام“ آپ ڈاکٹر کو صاف متع  
کردی اس نے تو میں کوٹھی کے ”taunted“ ہوئے  
کا بھی کیا بتایا تھا۔ وہ سب تو مجھے لگتا تھا کہ کیا باتیں  
کرتے رہے تھے تو میرے پیٹھے پیٹھے چاچا demon کی  
آنکھیں یاد آتی رہیں اور میں سوچتا رہا کہ بہرام نے  
میری کے نام پر خود تو اوی پیٹنے خانی دکھائی۔ اگر اس  
روز عمر ان کو مجھ سے جانا اگر گاڑی۔؟  
اگلے آگنی کچھ دیر اور بیٹھے بھر پلے گئے۔ ہم  
نے غصہ منظر کے بعد گیت بند کیا تو آدھی بہت عجیبی  
سے پولیس۔ ”شکر کہ اللہ نے تم سب کی حفاظت  
فرمائی۔ یہ بڑے کی ”lessons“ ہوتے ہیں۔“  
میرا دل شرمساری میں ڈوب گیا۔ ہم کس  
ڈھناتی سے جھوٹ بول کر گئے تھے کھڑا ہی بہرام کس  
ڈھناتی سے لے کر جاتے گا۔ اگر واقعی کوئی ایک بڑا  
ساتھ ہوتا۔  
”اف“ ”D-88“ تاریک رات میں چٹکی  
آنکھوں اور چٹکی سیاہ کھال والے سیاہ آنکھ گئے  
آنکھوں کے سامنے آ گئے۔ میں اپنے کمرے میں  
آ کر بیٹھا اور سوچنے لگا۔ ”شکر ہے آٹھ تھے آخر  
انجی ہو تے تو؟“

جواگئے زندگی  
آئے سر نہیں  
بھاگئے ہم  
بیٹے ہمارے ہیں

شریں اور نہیں کراہی

کے بعد مجھے چپکے سے اوپر والی منزل کی سڑکیاں  
چرتے کو دکھاتا۔

میں چند سڑکیاں چڑھ کر ایک کمرے میں پہنچا  
تھا جو کہ کچھ جگہوں میں بائبل اور ان سارے اہل صرف  
ایک بڑی چارپائی اور مین کے کچے کے علاوہ کچھ نہ  
تھا۔ پہلی کمرہ میں مجھے ماحول بڑا عجیب اجازت سا دکھا  
تھا۔ لیکن میرے ذہن میں شیطان ہوں گے نشے کی  
صورت میں ایسا چڑھا تھا کہ میں نے اس وقت  
اس ماحول کا خاص گوشہ نہ لیا تھا۔

اُس نے مجھے اس چارپائی پر چڑھانے کے بعد  
ایک شیطانی انگوٹھی لپٹے ہوئے کہا تھا۔ "میں ابھی  
تیار ہو کر آئی ہوں اور ہاں آئی ہے آج تمہیں اس وقت  
تک بند رکھا جائے گا جب تک میں تمہاری باتوں میں نہیں  
آجاتی۔" میں نے اس کی بات مان کر فوراً ہی اپنی  
آنکھیں بند کر لی تھیں۔

میں آنکھیں بند کیے اُس کا منتظر تھا اور پھر  
ایک لمحہ ہی اُس نے آکر مجھے اپنے بازوؤں میں بند  
لیا تھا لیکن اس کے منتظر ہی میری ناک سے کسی سچے  
کمرے سے ہونے پڑنے کی کسی بار بار کرائی گئی تھی  
نے فوراً ہی اپنی بند آنکھوں کو کھولا تھا تو میری  
بندہ گئی تھی۔ میری کال میں اُس کے سامنے اب کچھ نہ  
پہلے والی وہ صورت لڑکی نہیں بلکہ انتہائی بیک  
جھروں کے جانوں سے بھرے چہرے والی کالی سیاہ  
رنگت کے ایک چہرے کی ہڈی عورت کھڑی تھی۔

سارے برف ہے۔ میرا ہے باجی مشکل اپنی ہوس  
کا پتہ نہ چا سکا ہوں۔ مجھے یہاں سے اتر کر آنے میں  
کوئی قہر نہیں کرسا میں اس صحت کا وہ بڑا شکار تھا اور  
میں یہ سمجھتا تھا کہ اصل ایک خوبصورت بیوی ہونے کے  
باوجود چہرہ کی جیسے مرانہا ہوتی تھا۔

میں نے صورت حال جاننے اور اپنا مقصد  
آسان بنانے کے لیے اس سے پوچھا تھا۔ "آپ  
اکہلی کہاں سے آئیں گی؟" اور آپ کو کیا تھا  
منزل کرنے سے لڑکھٹا تھا؟

میں نے اپنے والد کی باری کی وجہ سے اپنے گھر  
گئی تھی اور اب نیا سفر سے کیا ڈرا تھا۔ جب زندگی ہی  
زیادہ تر تھا تو اُن کی بڑی بیوی نے مجھے ڈرایا تو  
تھا کہ میں کو کہا آپ شادی شدہ ہیں؟  
اُس کے اس اہل تک کیجئے گئے سال پر میں  
چوک گیا تھا۔ میں حالانکہ شادی شدہ تھا لیکن میں  
نے اُس سے جھوٹ بولا تھا کہ میں غیر شادی شدہ  
ہوں۔

"کاش آپ سے کچھ عرصہ قبل میری ملاقات  
ہو جاتی تو میں آپ سے اپنی زندگی منسلک کر دیتی مگر  
بہجوری یہ ہے کہ آپ شادی شدہ ہیں۔" واصل  
معاذ ہے کہ میری شادی مجھ کی کاسواہی میں میرا  
خود مجھ سے کالی بڑی عمر کا اور بڑھ چکا ہے مجھے اس  
نے لکرت ہے۔ "اور پھر باتوں باتوں میں اس نے  
مجھے ایک بار پھر یہ احساس دلایا تھا کہ وہ اپنے ہی میں  
اکہلی ہوں۔"

شیطان میرے وجود میں اپنا گھر کر چکا تھا۔  
خفت جانے کے دلوں میں قریض پورہ گئے ہائی  
اسنے اپنے بہتروں میں وکے خواب خوشی کے  
حرے لے کر تھے جس زمانے میں لوگ دیے  
بھی بدلے سو جایا کرتے تھے۔ اُس نے مجھے ایک  
کاسے سے مکان کے پاس رکھنے کا اشارہ کیا تھا  
کہ یہاں سے چالی ٹھہری اور مکان کا تالا کھولنے

"آپ کا رکش بہت آہستہ چل رہا ہے۔" اُس نے  
نے انتہائی شیریں آواز میں کہا تھا۔ میں وہی طور  
پر بہت خوش ہوا تھا کہ اس نے اس طرح مجھے بات  
چیت کا آغاز کرنے کے لیے اچھا موطن فراہم کر دیا  
ہے۔

میں نے جواب کیا تھا۔ "بی بی! میں جان بوجھ کر  
سائیکل رکشہ اس لیے آہستہ چلا رہا ہوں کہ آپ کو  
پچھلے گھسوں نہ ہوں کیونکہ اس سڑک میں گھڑے  
بہت ہیں۔ میں آپ کو تکلیف سے بچانا چاہ رہا  
ہوں۔"

اُس نے ہنسنے ہوئے کہا تھا۔ "اب میں اپنی  
کر دیتی تھی ہوں۔" اب وہ بات چیت میں ٹھٹھنے  
گئی تھی۔ میں نے اپنا سائیکل رکشہ اور آہستہ کر لیا تھا  
کہ اس کی منزل دور سے آئے تھے اور میں اس سین  
پھانی دو سٹیر سے زیادہ سے زیادہ باتیں کر سکتا  
کیونکہ باتیں کرتے اور سگراتے ہوئے اُس کے  
گالی گالوں پر جو ڈھیل پڑ رہا تھا وہ میرے دل پر  
گھاؤ کر رہا تھا اور حیرت انگیز باتیں کہتی کر دیتی تھی۔  
میرے پوچھے پچھے اپنے بارے میں گفتگو کیے جاری  
تھی۔

اُس نے مجھے بتایا تھا کہ وہ یہاں قریض پورہ  
میں ایک سرکاری ملازم کی بیوی بن کر آئی ہے۔  
"میں یہاں اکہلی ہوتی ہوں۔" میرا خاندان جادھر  
میں اپنی ڈیوٹی دے رہا ہے۔ "اُس نے بھائی  
لیتے ہوئے مجھ سے گفتگو کی جگہیں ملاتے ہوئے کہا  
تھا۔

لڑکی کے اس انداز پر میرے اندر چھپا شیطان  
مجھے اس پر ہراساں نہ تھا کہ میں اُس کی طرف  
سے ہٹتی تھی وہاں رہا ہے تکلفی سے قائم رہا تھا  
ہوئے اُسے اپنے حال ہوں میں پھنساؤں۔ میرا  
دل مجھ سے بار بار کہہ رہا تھا کہ میرے لیے یہ بہت

رکش چلا کر تھا۔ میں اپنا یہ سائیکل رکشہ زیادہ تر  
ریلوے کے ٹکٹوں سے بازار ٹکٹوں کے درمیان چلاتا  
تھا۔ سخت جانے کے دلوں میں اُس روز میں محمول  
کے مطابق ریلوے کے اسٹیشن پر رات دس بجے پانچواں  
سے صبح سڑانے والی ٹرین کے آنے کا انتظار  
کر رہا تھا۔ اس ٹرین کا کوئی نہ کوئی مسافر مجھے ایک  
اچھی سواری کی صورت میں ضرور مل جاتا تھا۔ خدا کا شکر  
ٹرین اس کی رات اسٹیشن کے پلیٹ فارم پر آدھ گھنٹہ  
لیٹ آئی تھی۔ میں اپنے آپ کو بیل میں لپٹے رکشہ  
میں بیٹھا اپنے روٹ سے متعلق سواری کا انتظار  
کرتے کہ لیکن میری جانب میرے روٹ کی کوئی  
سواری نہ آئی اور رفتہ رفتہ پلیٹ فارم کی جانب سے  
مسافروں کی آمد کم ہونے لگی مگر میری نگاہیں امید  
کے عالم میں پلیٹ فارم پر تھیں ہوتی تھیں اور پھر میری  
امید اس وقت بڑھ آئی جب مجھے ایک اچھائی  
خوبصورت تقریباً تین یا چھ سال کی لڑکی اپنے  
سائیکل رکشہ کی جانب آتی نظر آئی۔ اُس کے ہاتھ  
میں ایک چھوٹا سا سڑی بیگ تھا۔ وہ جب میرے قریب  
آئی تو وہ دیکھنے میں مجھے پھانی لگی۔ میرے خیال  
کے مطابق غالباً سرحد کے کسی علاقہ سے آئی تھی۔  
وہاں موجود اور لوگوں کی نگاہیں بھی اُس پر جمی ہوئی  
تھیں۔

اُس نے مجھ سے پوچھا تھا۔ "قریش پورہ جاؤ  
گے؟" اور میرے ہاں کہنے پر وہ کہنے کے بغیر  
بڑی بے باکی سے میرے سائیکل رکشہ میں بیٹھ گئی  
تھی۔ میں نے سائیکل رکشہ چلاتے ہوئے کن  
انگلیوں سے اس کی جانب دیکھا تھا۔ وہ تو میری  
توہمت سے کہیں زیادہ خوبصورت تھی۔ میرے دل  
بیٹے چاہتا تھا کہ میں اُس سے کچھ بات کروں لیکن  
مخلط سواری کا احساس مجھے ایسا کرنے سے روک  
رہا تھا۔



فیصل

شیطان قوتیں

قبرستان میں ہوکا عالم تھا۔ میں طارق کی روشنی میں آگے بڑھا، اتنا سا ہلک کوئی چیز میرے سر پر سے گر گئی۔ میں بڑھ کر جابجی سی ماٹھے صاحب کی آواز سنائی دی۔

جادو کا شعلہ روشنی میرے شیطانی چہرہ میں میں جیسے ایک کراہتا



ہندی پہ ایک مگر بنائے لگ ہوں  
ہواؤں کو میں پر بنائے لگ ہوں

جرے در پر سر کو جھکا کر میری جاں  
میں اپنا مقدر بنائے لگ ہوں

ہری کو کشوں کو داد دے ٹو  
میں قہر سے ساگر بنائے لگ ہوں

لگ ہوں میں تیری جو جان غول ہو  
وہ مصرع میں سحر بنائے لگ ہوں

ہری سوچ پر سوچ ایک روز جاٹاں  
زیر گو میں ابر بنائے لگ ہوں

غربتوں سے یہ وارث شہر بولا  
میں لڑکے کو افسر بنائے لگ ہوں

ستم ہنس کے سہ لوں گا پیٹے پر رانا  
میں دل کو قہر بنائے لگ ہوں

قدیر رانا

اس کے کالے پہلے بدبودار اناٹوں سے لپکے رنگ  
پہلے ہلکے لپکے رہا تھا۔ اس نے مجھے اس عجیب  
سے عجیب ہوا تھا کہ ایسا لگتا تھا جیسے میری جان گل  
جائے گی۔ مجھے اس وقت جتنی سورتیں ملے آتے  
تھے میں نے پڑھا شروع کر دیے تھے اور پھر جیسے  
ی اس چیل کر لیا جاتے مجھے اپنے قہر سے آزاد کر  
قائم میں اپنا کام پالنے پاؤں میری جیبوں سے چپے  
ہمراہ تھا مجھے یوں محسوس ہوا تھا کہ وہ چیل کر  
بچھا کر آ رہی ہے۔ قہر مختصر میں اس گھر سے  
باہر آ کر بے ہوش ہو گیا تھا۔

مجھے یوں اس وقت آنا تھا جب کسی نے میرے  
منہ پر پانی کے جھینٹے بادے تھے بھر میں نے دیکھا  
تھا کہ میرے ارد گرد خائے لوگ موجود ہیں۔ میں  
نے انہیں گھبرا کر اس چیل کر لیا اور اس گھر کے  
بارے میں بتایا تھا تو وہاں موجود ایک بڑے میاں  
بولے تھے۔

"تو پاگل تو نہیں ہو گیا ہے یہ مکان تو ہر سوں  
سے دیران ہے آج پڑا ہوا ہے اس کی ملکیت کے  
لیے قربانی کوڑت میں وہ پانچوں کے درمیان مقدر  
لگ ہوا ہے۔ ذرا غور سے دیکھ اس مکان کے  
دور آگے پر تو چھانے کتے سانوں سے دو موٹے  
موٹے جرسن تالے پڑے ہوئے ہیں۔"

اپنی کہانی سنانے کے بعد مجھے ان بزرگ نے  
اپنی جانب حسرت بھری نظروں سے دیکھا کہ کیا تھا۔  
"رضوان میاں انہیں میری اس کہانی پر یقین نہیں  
آتا نا؟ کسی کو بھی نہیں آتا کیوں میں بھلا اپنے  
ساتھ جیسے آئے جتنی دانتے کو کیسے بھلاؤں؟ کیونکہ  
اس چیل سے میرے جسم کو اس بڑے طریقے سے  
بکڑا تھا کہ اس کے بعد میں اپنی مراد نہ قوت سے  
محروم ہو گیا تھا اور آج تک ہوں۔"





ہے کہ تم کسی عامل کے پاس جاتے ہو۔ چنانچہ اُن  
 سے ادا سے مسئلے کا حل معلوم کرو۔  
 "خانو! اہم اُن کے پاس ہی جا رہا ہوں۔  
 آپ میرے ساتھ چلیں۔" میں نے کہا۔

جب ہم حافظ صاحب کے پاس پہنچے تو وہ  
 عداوت میں مصروف تھے۔ کچھ دیر بعد وہ فارغ  
 ہوئے تو سکرٹے ہوئے تاجی اُن طرف متوجہ ہوئے۔  
 "تو آپ آج کے حال کا کچھ آپ کو تو بہت پہلے آنا  
 چاہیے تھا۔ آپ کے گھر کا کچھ پاس شیطانی ٹھکانے  
 چھٹا ہوا ہے۔ بہر حال کل نماز مغرب کے بعد ہم  
 آپ کے گھر آ آئیں گے۔" پھر مجھ سے مخاطب  
 ہوئے۔ "جائے گھر میں! اہل! آپ نماز کے بعد  
 آ کر ہمیں شیعہ صاحب کے گھر ملنے کا۔"

اگلے دن شام کو جب میں دفتر سے واپس آیا تو  
 پچھلا زائدہ کی پانچویں نمبر کی بچی عاشق عرف  
 عاشق گھر سے غائب ہے عاشق سب بہن بھائیوں  
 میں سے انتہا خوبصورت بچی تھی۔ دلکش نئرش سرخ  
 سفید رنگت۔ منہ پر بال بال انھوں میں ہر وقت ہلندی  
 لگی رہتی تھی۔ وہ بھی بڑی ہی تھی۔ خاندان خود بہت  
 حسین تھے۔ خاندان کی بڑی بیوی موتی آسمانوں  
 بہت کشش تھی۔ میں اُس وقت حافظ صاحب کے  
 پاس پہنچا اور انھیں عاشق کی گمشدگی کے بارے میں  
 بتایا تو سب ہنسا گئے۔

"گھبرانے کی قطعی ضرورت نہیں ہے۔ یہ سب  
 ان ہی ضیبت جنات کی کارستانی ہے مگر اس کے لیے  
 ہمیں اپنے استاد مولانا حنیف کی مدد درکار ہے اور  
 ہمیں عاشق کے والدین کے ساتھ اُن کے پاس اسی  
 وقت جانا ہوگا۔"

"مولانا صاحب کی رہائش کہاں ہے؟" میں  
 نے پوچھا تھا۔  
 "قریب ہی گذری قبرستان کے پاس ہی دھر ہے

ہیں۔" آج گذری میں بڑی بڑی کوئلیاں ہیں جنکی  
 پچاس سال پہلے وہاں علاقہ تھا۔ وہ پورستان نما  
 اب خیر ہو چکا ہے۔ مگر اسامیل صاحب کے گھر  
 مولانا حنیف صاحب کے پاس پہنچے۔

انہوں نے ہمیں دیکھتے ہی کہا۔ "مجھے علم ہو گیا  
 تھا آپ لوگ آ رہے ہیں لہذا پہلے سے ہی انتظام  
 شروع کر دیا تھا۔ آپ سب بیٹھ کر درود پاک کا ورد  
 کریں اور حافظ صاحب آپ میرے پاس  
 آ جائیں۔" پھر مولانا حنیف اور حافظ صاحب نے  
 اپنا شریعہ کر دیا اور ہم تینوں درود شروع کر دیا  
 کرنے لگے۔ تقریباً ایک گھنٹے کے بعد مولانا حنیف  
 صاحب نے آگئیں کوئلیں اور مولانا اسماعیل  
 صاحب اور ہم سب دیا کر باہر چلا۔ خانو شیعہ کوئی  
 ادا سے ساتھ جانے کو کہا گیا۔ ہم نے باہر نکل کر  
 دیکھا۔ سامنے ہی چھوٹی سی چھاڑی پر عاشق لکڑی  
 تھی۔ خانو نے دو ڈکرائے گھر میں اٹھایا اور گئے  
 لگا کر دئے گئے۔ جب ہم ادا سے آئے تو زائدہ خاندان  
 کے گھر میں تھیں اور زار و زار دھوا رہی تھی۔ عاشق کو  
 لگا رہی تھی۔ وہ بھی بڑی ہی تھی۔ لے گیا تھا وہ کہیں  
 تھی؟ مولانا صاحب نے متح کیا تھا اُس سے پوچھتے  
 پوچھا جائے۔

ہم سب مولانا کا گھر پہنچا کر کے گھر واپس  
 آئے تو اسماعیل صاحب نے بتایا کہ یہ کام میرے  
 پس کا نہیں تھا پھر باقی کا کام مولانا حنیف نے کیا  
 اُن کے عمل سے خاندان کا گھر ضیبت جنات سے پاک  
 ہو گیا۔ مولانا نے اُس کام کے لیے کچھ ضروری  
 چیزوں کا خرچہ کیا۔ اس کے علاوہ کوئی چیز نہ بچا۔ اُس  
 زمانے میں سب کے اوپر دیکھ لوگ ہوتے تھے۔ آج تو  
 جگہ جگہ جعلی عامل اپنی دکان بھائے بیٹھے ہیں اور  
 خوب لوٹ رہے ہیں۔ بہر حال زائدہ خاندان کے گھر  
 میں سکون ہو گیا۔ عجیب واقعات ہونا بند ہو گئے اور

نئی دکان بھی پہلے کی طرح چلنے لگی ہوں حالات  
 بہتر ہوتے چلے گئے۔ اسی دوران بڑی بچی تھبتھی کی  
 متعلق ہوئی۔ اس کے برسر شادی ہوئے تھے۔  
 ایک دن میں عشاء کے بعد حافظ صاحب کے  
 پاس بیٹھا تھا کہ خاندان زائدہ کا خیم گھر آیا ہوا آیا۔  
 "آپ لوگوں کو کئی دن ہی وقت باقی ہے۔"  
 ہم نے جو حکم کی حالت دیکھی تو فوراً اُس کے ساتھ  
 چل دیے۔ جب اُن کے گھر پہنچے تو خاندان کے سرے  
 کی دھاریں دکھائی دیں جن پر تازہ تازہ خون کے  
 پھینے تھے۔ گھر والوں پر خوف طاری تھا۔ ہم صورت  
 حال پر غور کر رہے تھے کہ کئی دنے باہر سے زائدہ خاندان  
 کا نام لے کر نکلا۔ جیسے یہ وہاں نہیں تو حافظ  
 صاحب نے ہاتھ کے اشارے سے انھیں روک دیا  
 پھر دوسری آواز آئی تو حافظ صاحب کوجال آ گیا۔  
 وہ بچ کر لوئے۔ "تیری اہلی ہت تو نے ہماری  
 موجودگی میں حملہ کیا؟" اور پھر حافظ صاحب نے  
 زار و زار سے قرآنی آیات کا ورد شروع کر دیا۔

میں اُٹھ کر ادا سے پڑنے لگا کہ وہاں دھوا رہے دم  
 سہلے تھے۔ میں صحت بعد ہی مجھ سے اُنکی آواز  
 آئی جیسے گھر گھر کر رہے۔ بے گھر کر رہے گئے  
 پھر ہم حافظ صاحب کے کہنے پر باہر گئے۔ ہمیں جی  
 کی ادا روشنی میں دیکھا کہ سڑکی کی بٹریاں ٹوٹی ہوئی  
 پڑی تھیں جس میں پڑے کی لڑائی نایت دھکی کی دال  
 چلیاں تھوہے اور نہ جانے کیا کیا تھا۔  
 حافظ صاحب بہت دیر تک پڑھائی کرتے  
 رہے۔ پھر لوئے۔ "بیٹا! آج تم جی نہیں سونو  
 کیلئے تمہارا دل مشہور ہوتا ہے مگر اس ذات باری کا  
 کرتہ نہیں میں بایا اور ہم اس وقت یہاں موجود  
 ہیں۔ تم سب مل کر دعا کروا ہوا ہے۔" گزرا میں سونیاں  
 تھیں۔ ہوں جی میں جیسے دیکھ کر حافظ صاحب نے کہا۔  
 مگر میں بھی کسی کام لے کر آواز دئے تو میں دوا زار

کے بعد دیکھا کرو۔ یہ چیزیں تھیں آواز میں دینی  
 ہیں۔ حافظ صاحب کے پچھنے پچھنے چلا زائدہ  
 خاندان کے بھتیجے بہت عرصہ سے تعلقات کشیدہ  
 تھے۔ وہ اسلئے کہ بھتیجی ان پر عاشق تھے اور ان  
 سے ناجائز تعلقات رکھنا چاہتے تھے۔ اب بے  
 چاری زائدہ خاندان کا حال آسان ہے مگر مجھ میں اتنا  
 کے صداقت تھا۔  
 حافظ صاحب نے کچھ بڑھ کر تمام چیزیں ایک  
 تھیلے میں ڈالیں مگر مجھ سے مخاطب ہوئے۔ "جائے گھر  
 چنا۔۔۔ اب یہی وقت قبرستان میں دفن کرنا ہے۔"  
 پہلے تو میں ڈر گیا کہ اس وقت اکیلے قبرستان کیسے  
 جاؤں؟ حافظ صاحب نے میرا احساہ دیا تھا اور  
 فرمایا۔ "اب تم بے جھجک چلے جاؤ۔" دل میں  
 خوف تو بہت تھا مگر استاد کا حکم اور کام کیسے کا شوق  
 خوف پر غالب آ گیا۔ میں حافظ صاحب کا بتایا ہوا  
 درکار ہوا سائیکل پر قبرستان کی طرف چل پڑا۔  
 قبرستان میں ہو کر ادا تھا۔ میں تاریکی کی روشنی  
 میں آگے بڑھ رہا تھا ایک ایک چیز میرے سر پر  
 گزرتی تھی۔ میں ڈر گیا اور میں درک گیا۔ دوبارہ گھر  
 وہی چیز آئی تو کچھ تو بڑی سی چکا دو جی تب ہی حافظ  
 صاحب کی آواز سنائی دی۔  
 "بیٹا! گھر آنا نہیں ہے! جہاں کچھ نہیں بکاڑے گئی  
 تھے وہاں جا رہا ہے۔" آواز میں کچھ میں ہت آگئی  
 اور میں نے آگے بڑھ کر وہ تمام سامان ایک گڑھا  
 گھود کر اس میں ڈال دیا۔ جلد ہی واپسی کے لیے چلنا  
 جب ہی ایک خوفناک کچھ فضا میں گونجی جیسے کوئی  
 شے بے اذیت میں ہو۔ میں نے سائیکل سنبھالی اور  
 تیزی سے گھر کی جانب چل پڑا۔ حافظ صاحب  
 میرے انتظار میں وہاں پہنچے پھر چلے گئے۔ کچھ دیر  
 بعد جب اُن کی پڑھائی مکمل ہوئی تو وہ خانو اور خاندان  
 زائدہ سے مخاطب ہوئے۔



”جنا۔۔۔ آپ لوگوں کو طرف سے شیطانی قوتوں کا مقابلہ کرنا ہے اور ہم اس جنگ میں اللہ عزوجل کی سرپاکی سے آپ کا ساتھ دیں گے۔ آپ گھبرا جائیں نہیں۔ دوسری طرف سے وہی اپنے بندوں کی مدد کرتا ہے۔ آپ دین مار لوگ ہیں۔ وہ بالک دو جہاں آپ پر اپنا خالص کرم فرماتے گا انشاء اللہ! آپ سے گھر پر ہیں میں اس مسئلے میں کل ہی اپنے استاد محترم مولانا حنیف صاحب سے رجوع کرتا ہوں۔“ لیکن وہ شفیق دے کر حافظ صاحب رخصت ہو گئے۔ میں اپنے گھر آ گیا۔

تیسرے دن ہی زائدہ حالہ نے بتایا کہ میرا سوہنے اُن کے دروازے پر کالی لاش کی ڈال دی گئی۔

”خالہ!۔۔۔ یہ سب کالعدم ہو رہا ہے۔ آپ فگر نہ کریں حافظ صاحب اس کا تو کر رہے ہیں۔ آپ کو کوئی نقصان نہیں ہوگا انشاء اللہ!“ میں نے انہیں تسلی دیتے ہوئے کہا۔

کچھ عرصہ تو سکون سے گزرا۔ اس دن فرانہ مغرب کے بعد میں حسب معمول حافظہ اناہل صاحب کی خدمت میں بیٹھا تھا کہ خیم و خیم گھبراہٹ ہوئے آئے۔ ”جلدی گھر چلیے“ امی نے انکی اسی وقت بلایا ہے۔ ”خوف سے دوڑوں کا رنگ چلا چڑا ہوا تھا۔ ہم فوراً اٹھ گئے کہ ضرور کوئی معاملہ ہوا ہے۔ گھر کھینچے پر دیکھا کہ جن میں کالے بکرے کی سری پڑی ہوئی تھی۔ سب بچے اور خالہ کرے میں سے جیسے بیٹھے تھے۔

حافظ صاحب نے فوراً اپنا مشل شروع کر دیا پھر ایک حیلہ لے کر وہ سری اس میں ڈال کر بولے۔ ”جہاں گھر چلا آئی! جہاں استاد محترم کے پاس جاتا ہے۔“ ہم فوراً گدڑی قبرستان کی طرف روانہ ہو گئے۔ پہلے حافظ صاحب نے اس بکرے کی سری کو ڈھن کیا پھر ہم مولانا حنیف صاحب کی خدمت

میں حاضر ہوئے۔

مولانا صاحب ہمیں دیکھ کر مسکرائے اور بولے۔ ”ہم نے پہلے ہی اس کا بخروست کر لیا تھا دُکھ کا دار اللہ کے فضل و کرم سے خالی چائے گا۔“ اور پھر ایسا ہی ہوا اس کے بعد خالہ کے گھر بھی کوئی ڈانگہ اور واقعہ پیش نہیں آیا۔ خالہ نے جہاں بعد اپنی بیوی بیٹی گھٹ کی شادی کر دی۔ چھوٹی رخصت کی منگنی ہو گئی۔ گھٹ کی شادی کے ایک سال بعد اٹھ قاتلی نے اُسے ایک بیٹی سے نوازا۔ سب بہت خوش تھے۔ چند ہی دن بعد گھٹ کے پیچھے میں شہرے درو اٹھ گیا۔ امی ڈاکٹر کے یہاں لے جایا جا رہا تھا کہ گھٹ نے آخری جنگ کی اور اپنی جان چاہا۔ آخر میں کے حوالے کر دی۔ سب لوگ اس کی ناکہانی موت پر حواد کناں تھے۔ اس بار پھر بہن میرا حسن کا برا حالہ تھا۔ کچھ عرصہ بعد ہم لوگ طیر شفٹ ہو گئے تو زائدہ خالہ سے ملنا کم ہی ہوتا تھا پھر سنا خالو کا انتقال ہو گیا تو ہم سب غصوں کے لیے گئے۔ خالو اپنی جواں سال بیٹی کا مصروف برداشت نہیں کر سکتے۔ اُن ہی دنوں خیم کی شادی ہو چکی تھی۔ دو لوگ بھی کوئی کالہ کا مکان چچ کر ٹیڈر میں ایما کیم و لاد میں آ گئے تھے۔ خالہ نے بعد اُنم دہائی کی تصویر بنائی تھی۔ نہ خالہ اور جوان بیٹی کی موت نے انہیں ہم بائیں کر دیا تھا۔ فرانہ جتنی بھی توبہ لے کر بیدار ہوئی تھی۔ جتنی بھی رخصت ہوئی تھی۔ رنجش تو انہیں چپ کا ہوا مشکل ہو جاتا۔ ان کے گھر کے بارہ میں چوہے بھائی خیر کا گھر تھا۔ اکثر آ جاتی تھیں۔ خالہ سے ہو بیٹے کا سلوک خالہ کے ساتھ بہت برا تھا۔ انہیں اکثر کمرے میں بند کر دیتے۔ کئی وقت کھانا نہیں دیتے تھے۔ خالہ ان شوق سے کھاتی تھیں پان لاکر نہیں دیتے۔ میرا اور اس کی بیوی صاحبہ ان کی دہلوی کرتے کھانا کھاتے پان لاکر دیتے۔ صاحب کے پاس پان دان تھا وہ پان

ہیں دیکھ کر بہت خوش ہوتی تھیں۔ ایک زمانہ تھا ان کے تہ میں پان رہتا تھا جس کی لالی اُن کے ہونٹوں پر برقت رہتی تھی ایک یہ وقت تھا کہ اپنی ہی اولاد نے اُن کی یہ شہ کیا کہ وہ پاگل ہی ہو گئیں۔۔۔ اُن کی رہائی اور بھی بہت سی باتیں پڑ چکی تھیں کہ ان کے بیٹے انہیں مارتے ہیں کہتے ہیں اُنم کمرے میں کنگی کرتی ہو۔ ایک مرتبہ اپنا بازو صاحبہ اور میرا کھوپا کر یہ میرے بیٹے نے ڈھی کیا ہے۔ اب اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ وہ کیا سلوک اپنی ماں کے ساتھ کیوں کرتے تھے؟ اگر ان کا کرنا چاہیے کہ نہ ہو جاتے تھے تو مارتے تھے۔ وہ آخر تو اس میں اُن نے بھی اُن کو پالا تھا ان کا گند صاف کیا تھا۔

پھر بہن عرصہ بعد میرے اطلاع دی خالہ زائدہ ان کو قاتلی سے کو جا کر تھیں۔ خالہ کے ساتھ ہم بھی گئے۔ اُن کے جنازے میں شرکت کی۔ بعد میں میری والدہ نے بتایا۔ ”خالہ کے چہرے پر بے حد نور تھا چہرے پر مسکراہٹ تھی مجھے بہت پسند ہوں۔“

اُن کی بیٹی عاشری کی شادی خالہ کے کسی جاننے والوں کے ہاں ہوئی تھی۔ اب اس کے بیٹے جوان ہیں بڑی بیٹی اُن کی طرح حسین و جمیل ہے مگر عاشری کا بچہ خالہ سے ملنے سے اکثر جھڑپاتا ہے ڈانگہ کر کے پلا جاتا ہے لاکر نہیں چھوٹا۔ سنا ہے کہ عاشری کے ساتھ بھی بچپن سے جن ہے جوان میاں بیوی کو خوش نہیں رہتے جاتا۔

ایک بار میرے کے مگر عاشری سے ملاقات ہوئی تھی۔ اب وہ پہلے کسی نہیں رہی ہے۔ جائزہ ملاحظہ بناؤ پڑ چکا ہے مگر اس کی بیٹی چنے بیارے مڑا کھتے ہیں اپنی ماں کی کالی ہے۔ سر سٹھید رنگت منہ سے لہو اور دُش نوش۔ آپ سب قارئین دعا کریں کہ انہ پاک مائی کی پریشانیان ختم کرے اور اُن کی نیک ناز کو ہر بلا سے محفوظ رکھے (آمین!)

# غزل

فم کے سائے اگر نہیں ہوتے  
ہم بھی جاہیں بھر نہیں ہوتے

اُن سے ہلا بھی ہم نہیں رکھتے  
جو کہ طہی نقر نہیں ہوتے

کیسے بھیجی وہاں پے غمیں کے  
جس جگہ پے غم نہیں ہوتے

تیری فرقت میں ہم سے جان جاں  
تجا یہ دن بسر نہیں ہوتے

تو اگر رات دکھا جاتا  
ہم بھی دیدہ نہیں ہوتے

ہاں طرے غزلیں نہیں فیتیں  
آپ اگر ہم سطر نہیں ہوتے

پلٹے جن کے ادا ہے ہوں فریاد  
وہ بھی بے ہوش نہیں ہوتے



محمد راشد فرہاد

سید غزالہ نیاں

## میری عجیبی سنگ

جب ہم یہاں بھی خوشگوار موسم میں تھا ہوں تو اس وقت میں آگیا جیسے کوئی اور بھی  
اور اسے دیکھ کر سوچا ہوں۔ مجھے جب کسی بچہ کی ہنسی اور شہر کا ہر دور۔

جہاں تک کی کے درمیان آئے وہ ایک نادر و نادر کا پتہ تھا



ہوتا ہے گویا یہ شادی کی ریس شروع ہونے کا اعلان  
ہوتا ہے۔ قہر منظر زہا دلوں کے یہاں اس دم کے  
موقع پر میرے گھر سے میری بیٹی کزنز اور بھائیوں  
وغیرہ کی ہنسی لکھن دہاں چاکر چلا تھا کہ دہاں میں  
اتفاق سے جی جی سے بھلا چڑھا ہوا ہے سوساں صحت  
میں کسی دم کا سوال ہی نہیں تھا ویسے بھی میرے  
سر سال والے لکھنوں کو ہندوستان طریقہ اور بدعت  
کچھ تھے مگر میری بیٹیوں اور بھائیوں کی خوشی کی خاطر  
اس کے لیے تیار ہو گئے تھے لیکن دہاں کا اتفاقی طور  
پر بھلا چڑھ جانے کی وجہ سے دم کی ایسا لگتی نہیں ہوگی  
جی والد میری بیٹیوں وغیرہ کو دہاں کا گھر آگیا۔  
گھر والدی پر ہر ایک کی زبان پر یہی تھا کہ یہ پہلا  
اتفاق ہے کہ دہاں میں شادی کے موقع پر بھلا چڑھ گیا۔  
یہ جبکہ میری بچہ کزنز کا خیال تھا کہ کوئی بھلا چڑھنا  
یہ سب بدعت کرنے کا پہلا تھا کیونکہ دہاں تو سائے آگیا

ارے۔ اہات کہاں سے کہاں چلائی۔ اب تو شادی  
تیار ہی تھی کہ بچوں کی رسم ادا کرنے کے لیے مجھے ایک  
گھر میں بھلا دیا گیا تھا جہاں مجھے شادی کے دن  
تک بیٹھے رہنا تھا اور دن میں کئی بار راتیں ملا جاتا تھا۔  
یہاں والدی اس دم کا ہندوستان میں آگیا کہ کوئی بدعت  
گھر کے کاموں سے آزاد کر کے صرف اور صرف اس  
کے رنگ روپ نکھارنے کی کوشش کی جائے تاکہ لیکن  
میں کہ اس کے اوپر خوب روپ چڑھے اور بدعت خوب  
صورت نظر آئے۔

یہاں کی یہی رسم دہاں دلوں کے یہاں دم  
میں رسم ہوتی ہے کیونکہ دہاں کو کون سا مخصوص جگہ  
چیتنا ہوتا ہے نہ تو بچہ گھر کرنے کا پہلا اور بیٹوں اور  
بھائیوں کو نیک و سونے کا موقع ہوتا ہے۔ دم میں  
کے موقع پر زیادہ تر شادی والے دنوں گھر والے ایک  
گھر سے کی رسم میں ملا دیا جاتا ہے اور دعوت کا انتظام

جس کو دم میں کہا جاتا ہے۔ یہاں والے دن کو  
پہلے رنگ کا چڑھا دیا جاتا ہے پھر سات  
سہا میں لیکن کا منہ چٹھا کر دیا جاتا ہے۔ گھر میں  
پلوں کے بار دھاتی ہیں اور لیکن کے لیے اٹھن پہلے  
اپنے سید سے کمال پر غور اسکا کہ لیکن کے چہرے کے  
دائیں طرف لادہتی ہیں۔ اسی ساجت سے ڈھونڈ  
گیت بھی گائے جاتے ہیں۔ خراب تو مودی بنانے  
کے پھر میں سات سہا میں کے علاوہ کوئی لڑکیاں  
بلکہ چھوٹی چھوٹی بچیاں بھی یہ رسم ادا کرنے کی ہیں اور  
سات سہا میں کی پابندی بھی ختم ہو گئی ہے۔ وہ پہلے  
زمانے میں ایسی سات سہا میں سے دم کی ابتدا کی  
جاتی تھی جو اپنے گھر میں خوش باش ہوں اور صاحب  
الہ والہ بھی ہوں۔ اس ضمن میں پوری سہا میں کی بڑی  
اہمیت تھی یعنی خاندان کی دوزخ رکھنا جن جو بڑا چاہے  
میں بھی سہا میں ہوں جن کے شوہر زندہ و سلامت ہوں  
اور جرنی نادی کے مہر سے یہ بھی غائر ہو چکی ہوں۔

میری زندگی میں اتفاقات کا مثل و مثل بہت رہا  
ہے ویسے اتفاق تو کسی کے ساتھ کسی بھی وقت ہو سکتا  
ہے اور ہوتا رہے لیکن میرے ساتھ جس طرح ہوتا  
رہا ہے اس کو میں جس اتفاق میں سمجھتی کیونکہ میرے  
ساتھ جس طرح واقعات یا حادثات پیش آتے رہے  
ہیں وہ اتفاق نہیں بلکہ سوچے سمجھے منصوبے تھے  
ہیں۔ میری یہ کہانی پڑھ کر آپ کو اندازہ ہو جائے گا  
کہ میرے ساتھ جو واقعات پیش آئے ہیں وہ جن  
اتفاق سے یا اس میں کوئی اندھی مصلحت تھی۔ خیر اندھ  
کی مصلحت تو ہر کام کے پیچھے کار فرما ہوتی ہے۔  
میرے ساتھ جو کئی لڑکیوں کی اللہ کی مصلحت تھی۔  
میری زندگی میں حیرت انگیز واقعات کا سلسلہ  
جس روز سے شروع ہوا وہ میری شادی کا دن تھا کہ  
یہاں کی شادی کی رسمات شروع ہوئے تھے  
اتفاقات سامنے آئے تھے۔ ہمارے معاشرے میں  
شادی سے چند دن پہلے لیکن کے گھر ایک دم ہوتی ہے

نہیں کیا یہوں نے ہماری سلسلہ کی ہے۔

اب عالم یہ تھا کہ سب لوگ اپنی اپنی باتیں بول رہے تھے۔ کچھ لوگ پریشان بھی تھے جس میں میرے والدہ والدہ مائی اور داری سر فرستہ تھیں کیونکہ دوسرے ہی دن شادی کی مجلس میں اب یہ بھی ایک مسکن اتفاقاً ہی تھا کہ میرا نکاح چھ مہینے پہلے ہو چکا تھا۔ یہ میری ہی تیار کی گئی ورنہ شاید بڑی پریشانی ہوتی کیونکہ نکاح میں نکالی وقت لگتا ہے اور دلہا کی طبیعت خراب ہونے کے باعث بڑی مشکل ہو جاتی۔ بہر حال دوسرا دن رخصتی کا تھا۔

اور میرے ہوا کہ بارات دلہا کے بغیر آگئی کیونکہ دلہا میاں کو بخار کے ساتھ پرکان کا مرض بھی لاحق ہو گیا تھا پھر دوسری اتفاق۔ شادی کے رگ میں ہمک بڑھ گیا خوشیاں اور ہنگامے نام نہ نہ گھلا دلہا کے بغیر رخصتی کا عمل ہو سکتا ہے!!

شادی ہال میں آتے ہوئے سہماں بغیر دلہا کے بارات دیکھ کر عجیب عجیب سرگوشیاں کر رہے تھے۔ کسی نے کہا۔ "نکاح کا شادی کے لیے تیار نہیں تھا۔" تو کوئی دلی کی پسند کو اور ساتھ ساتھ کوئی جھجھکوں میں دین کا مسئلہ تیار تھا کہ غرض کہ لوگ اپنی طرف سے جہول میں آ رہا تھا بالکل ٹھیک رہا کرتے تھے مگر دلہا کی والدہ یعنی میری ساس نے سب کو کھجیا کیا کہ "طبیعت زیادہ خراب ہونے کی وجہ سے دلہا کو بارات کے ساتھ نہیں لایا گیا ہے مگر رخصتی کے وقت ضرور بلوایا جائے گا۔ دینے بھی نکاح تو ہو ہی چکا ہے۔" میں لوگوں کی زبانیں بند ہو گئیں۔

کسانے دیکھ کر سے ناراض ہونے کے بعد جب مجھے آج بچ لایا گیا تو اس سے ذرا دو پہلے دلہا صاحب بھی تعریف لائے تھے لیکن بھاری کے بہانے کوئی نہ کہیں ہوئی تھی۔ ساریں کا دلہا کو پاؤں کھلانے جوتا چرانے اور ٹیک دھونے کا ارادہ دل

ہی میں رہا کہ قانونی جیسے ہی مجھے سچ بولا گیا اسی وقت رخصتی کے لیے کھڑا کر دیا گیا۔ میری سب ننگی دوپٹوں اور مہیاں اسی مجلس میں کھدی گئیں۔

"یہ کئی دنوں سے بچا ہی تیار ہوا ہونے کے بجائے ٹھنڈی کے پہلے ہی دن دلہا کی تیار ہوا کرے گی۔" ہم دوسری اتفاق ہوا سراسر حال میں نہ نہ کھائی کی رو میں تو نکھر کھائی کی نہ سلائی تھی۔ دلہا کیا تو اپنے کمرے میں جا کر اپنے بے سمدہ ہونے کے ساری رات ان کے ماتھے پر خشکی پٹی تھی اور کئی بڑی اور نام نہ دیکھ کر دلا کھائی چڑی اور یہ اتفاق بھی مجھ کے ساتھ ہی ہوا کہ شادی کی پہلی رات میرے کمرے میں میری تہنگی ساتھ ہی رہی تھی اور ان کی بھاری کے پیش نظر۔ دیکر میری ہلکی ہو گیا تھا۔

.....  
 اُن کی صحت دینی میں تھریا لکھ مینڈ لگ گیا تھا اور میرے ساتھ وہی ہوا تھا میری بہنوں بہا بیوں اور دوستوں نے کہا تھا قانونی پہلے دن ہوئی تھی سریال میں پڑھائی کے بجائے اس کو دلہا کی خدمت کرنی پڑے گی۔ ظاہر ہے یہ سب میرے ساتھ اتفاق ہی تو تھا؟

اس کے بعد تو اتفاق سے گویا میرا گھر دیکھا تھا؟ میرے ساتھ ہر وقت اتفاقاً طور پر عجیب و غریب حالات پیش آنے لگے تھے زیادہ تر کوئی نہ کوئی اتفاق اس وقت ہوتا جب ہم یہاں پہلی خوشگوار سوا میں تھا ہوتے اور جب بھی کوئی اچھی محبت بڑی یا ہنس مذاق کی بات ہوتی اس وقت میری محسوس ہوتے پر ایسا لگتا جیسے کوئی اور بھی ہمارے درمیان موجود ہے۔ میرے شوہر کا چہرہ تو ہوجاتا اُن کی رنگت پہلی پڑ جاتی اور مجھے بھی ایک عجیب سے چمکی اور خوف محسوس ہوتا پھر میرے شوہر کی طبیعت اچانک بگڑ جاتی اور اس کے بعد کئی دنوں تک اُن کی طبیعت

.....  
 اب سچی ذمہ بہت بڑا حال اور کڑو گئے تھے۔ مجھے کسی بھی خیال آتا تھا میرے ساتھ دو کمرے ہوا ہے میرے میاں کو تو نفسیاتی مرہیں ہیں یا یہ شادی اُن کی مرہیں سے نہیں ہوتی ہو سکتا ہے۔ اس کی پسند کوئی اور ہوا اور مجھے سامنے دیکھ کر ان کی طبیعت یاد آ جاتی ہو جان کی پسند ہے اس لیے ان کی طبیعت خراب ہو جاتی ہے۔ میں یہ سب سوچتی مگر ان کا جہول رو دیا اور اپنے ساتھ میں سلوک دیکر میرے خود ہی اپنے خیالات کی لٹی بھی کرنی پڑی تھی۔

.....  
 ایک دن بہت سوچ کر میں نے فیصلہ کیا کہ اپنی کسی عزیز دوست کو اس رات میں شریک کر کے اپنی رہیں اور پریشانی اس کے سامنے بیان کروں گی اور کسی چوتھیرے کے ذمائی علاج کے لیے مشورہ بھی کروں گی۔ یہ سوچ کر میں بہت مطمئن ہو گئی تھی۔ اُس دن میرے شوہر آفس سے جلدی کمر آ گئے تھے۔ کھانا دیکھ کر کمر آگام کی غرض سے چنے کرے میں گئے تھے اور A.C. چلا کر کرے کا دوا دھ لاک کر دیا تھا لیکن بھی مینڈ پر بیٹھ بیٹھے ہی تھے کہ مجھے ایسا محسوس ہوا تھا جیسے کوئی بند

.....  
 ہوا دھ سے آغوش آیا ہو۔ میں نے اپنی ٹانگوں سے اپنا کونکلیا نہیں کر کے محسوس نہیں ہو سکتا۔ میں نے ٹھیکر کر کے اپنے میاں کی طرف دیکھا تھا تو وہ خوشی بہت پریشان نظر آ رہے تھے۔ مجھے ایسا لگا جیسے وہ کسی کو دیکھ کر سے ہوں اور بغیر الفاظوں اور آواز کے کسی سے شکوہ کر رہے ہوں اس وقت میرے دماغ میں خطرے کی گھنٹی بجی تھی اور میں نے جلدی جلدی آیت لکھ کر کا دود شروع کر دیا تھا۔ آیت لکھ کر بیٹھے ہی میں نے محسوس کیا تھا جیسے وہ مشکل سے نکل آئے ہوں وہ پچھلے نظر آنے لگے تھے اور تاؤں انداز میں بیٹھ پر آرام کے لیے لیٹ گئے

.....  
 تھے۔ اس کے ساتھ ہی مجھے صاف محسوس ہوا تھا جیسے کوئی شخص کے عالم میں جڑی سے کر رہے ہو اور پھر مجھے ایسا ایک تک میں جا رہوں تھا اس وقت لکھ کر کا دود کرتی رہی تھی اور اس عالم میں مجھے خود کی آگ لگی پھر خود کی کی کیفیت میں ہی میں نے دیکھا تھا کہ کوئی حسین ذلیل عورت میرے پاس کھڑی ہے جس کے بال اس کے گھٹنوں سے نیچے آ رہے تھے اور وہ میرے پاس کھڑی کھدی گئی۔

.....  
 "تم کچھ بھی کرنا نہیں میرے صرف میرا۔" اور پھر فوراً میری آگھ مکمل کی تھی۔ میرے شوہر بڑے آرام سے بے خبر سو رہے تھے۔ اب مجھے یقین ہو گیا تھا کہ ان پر کچا کثرت مسلط ہیں۔ اس کے بعد قرآنی آیات کا دود میں نے اپنا معمول بنایا تھا اور ہر وقت خود پر اور اپنے شوہر پر جب کر کے حصار دیا جائے گا تھے کسی بھی جہاں تک کہ وہ گھر پر نہ ہوتے۔ اب بھی میں اُن پر قصوری تصور میں ذم کرتی اور حصار کھینچ دیتی تھی۔ اب مجھے صاف محسوس ہونے لگا تھا کہ کوئی اُن کے قریب آتا ہے مگر فوراً ہی اُن سے دور چلا جاتا ہے۔

.....  
 ایک دن میں نے بہت محنت کر کے اُن سے پوچھا تھا کہ "..... آپ کے ساتھ آگھ خستہ کیا ہے جو اچانک آپ کی طبیعت خراب ہو جاتی ہے؟" یہ سوال کرنے سے پہلے اُن کے اور اپنے گرد حصار باندھنا نہیں بھولی تھی۔

.....  
 میرے اس سوال کے جواب میں وہ کچھ دو تو خاموش رہے تھے جیسے سوچ رہے ہوں کہ بتاؤں یا نہ بتاؤں یا پھر انہوں نے مجھے بتایا کہ۔ "..... میں محسوس معلوم ہے میرے ساتھ کب سے اور کیوں ہو رہا ہے؟ ایک گوربت بہت سہل آواز میں میرا نام لے کر مجھے نکارتی ہے میں صرف اس کی ایک جھک دیکھتا



ہوں جو بہت ہی خوبصورت ہے اور اس کے بے انتہا  
لبے جال ہیں۔ اس کے بعد اس کا سر اُپاٹا تب ہوتا  
ہے۔ صرف چہرہ نظر آتا ہے گردہ چہرہ آہستہ آہستہ  
میرے قریب آتا ہے۔ اس کے بعد مجھے نہیں  
چلا کہ میرے ساتھ کیا ہوا؟ میں سب بھول جاتا  
ہوں پھر میری طبیعت سخت خراب ہو جاتی ہے۔ میں  
گیلوں تک ماؤف ہوتا ہوں۔

یہ دیکھتا ہے آتے ہیں کس کس کے خواب میں  
میرا ہے جوئے عشق سے گشت حیات کا  
جس دن سے وہ آئے ہیں میرے انتخاب میں

بھی کشش ہے چہرہ محبوب میں میرے  
ایسی کشش نہ پائی کسی کے شباب میں  
ہر نگاہ ہم میں جتنی حقی غور سے  
کوئی تو بات یار حقی اُن کے عجب میں

آتا نہیں سکون کسی طور بھی مجھے  
جب سے بے وہ دل خانہ خراب میں

اساق کیا غنا انہیں اپنا حال دل  
تنگی نمایاں آج حقی اُن کے جواب میں

اسحاق خان اسحاق

شوہر کے مسئلے کے لیے کہیں نہیں چاکی گھر اس دور میں  
میں وہ طلاق پا بندی سے آتی اور سن پر پانچ جتنی  
کہ... "حسن میرا ہے صرف میرا ہے۔" لیکن اب  
یہ ضرور ہوا تھا کہ وہ طلاق حسن کے پاس پانچ ہی سے  
آتی تو حقی غور خروا داپس بھی چلی جاتی تھی۔ اسی  
یقیناً میرے قرآنی آیات پرستی کی وجہ سے ہوا تھا۔

اس طرح سے تین سال گزر گئے تھے میری گو  
انجی تک بری نہیں ہوئی تھی۔ میری ساس نے ایک  
دو ڈاکڑوں سے میرا ایک آپ کر دیا تھا سب کا  
ایک ہی جواب تھا۔ "کوئی گی نہیں کوئی خرابی نہیں  
سب کچھ نال ہے۔ اللہ پر بھروسہ رکھیں اس کی رضا  
پر راضی رہیں۔" اس دوران میں وہ طلاق پر ہنسنے میں  
دن کے وقت سے سن کے پاس آتی رہی تھی۔ اب  
چہرے کوئی اُس کا وہ انسانی روپ والا چہرہ نظر آنے لگا  
تھا۔ ڈاکڑا تو جب ہم لوگ بے خبر سو رہے ہوتے  
ایک انجی آتا آہستہ سے میری آنکھ مل جاتی تھی اور

میں دیکھتی کہ وہ طلاق میرے شوہر کے چہرے کے  
قریب بھی ہوئی کہ میرے جانے اور متوجہ ہونے پر  
فوراً غائب ہو جاتی پھر ایک دو دن تک میرے شوہر  
بڑھال اور گردہ محسوس ہوتے تھے گزرتے وقت  
اور حالات کے ساتھ میں نے اُس غیر انسانی طلاق کو  
اپنی انجانی موت کے طور پر قبول کر لیا تھا اور اُس کے  
مٹانے پر ہزار آتی تھی۔ قرآنی آیتوں کے دودھ کی  
سے یہ میرا کوئی نقصان تو نہیں کر پاری تھی  
گھر اپنے اس دعوے کو بہت شدت کے ساتھ میرے  
کان میں ایک گروش کی صورت دہرائے گی تھی  
کہ... "حسن میرا ہے صرف میرا ہے۔"

ایک روز میری ساس صاحبہ نے مجھے ایک ایسی  
لیڈی ڈاکڑا بتایا تھا جو دوا کے ساتھ روحانی علاج  
بھی کرتی تھیں۔ انہوں نے مجھ سے کہا تھا۔

میرے میاں نے اپنی زندگی سے بڑا یہ راز  
میرے سامنے افشا کر دیا تھا لیکن شاید یہ راز کھلنے  
کے بعد وہ غیر انسانی طلاق بھی بڑھ ہو گئی کیونکہ  
اب اس کے میرے میاں حسن کو نکالنے کی آواز  
مجھے بھی آنے لگی تھی۔ میں اس کے لیے کسی علامات کو  
بھی محسوس کرنے کی تھی۔ اب تو وہ مجھے میری آواز  
میں کہنے لگی تھی۔ "حسن میرا ہے صرف میرا  
ہے۔" کیونکہ پہلے صرف محسوس ہی ہوتا تھا۔ میں  
نے کسی قرآنی آیات کے رد اور پانچ قبول بنا لیا تھا۔

ایک روز میری ایک نہایت قریبی عزیز دوست  
نے مجھے ایک روحانی مگر کھٹے والی خاتون بانی کے  
بارے میں بتایا تھا کہ وہ اس طرح کے مسائل یعنی  
آئینی اثرات وغیرہ کا علاج کرتی ہیں گردہ صرف  
غور توں سے ہی بات اور ملاقات کرتی ہیں۔ میں  
نے فوراً ہی اُن خاتون کے پاس جانے کا پکارا اور کہ  
لیا تھا لیکن بھروہی اتفاق آئے نہ کیا تھا۔

جس دن میں نے اپنی اُس دوست کو بلایا تھا کہ  
اس کے ساتھ اُن بانی کے پاس جا کر اپنا مسئلہ  
بتاؤں گی مین اُن دن میرے شوہر کی طبیعت  
اچانک خراب ہو گئی اور وہ آٹھ گھنٹے گئے۔ اس  
صورت حال میں میں اُن کو تھکا پھوڑ کر دیکھیں چاکی  
تھی اور ہر ایک طرح کے شکاکات میرے ساتھ تھیں  
آتے رہے۔ میں اپنی تمام کوشش کے باوجود اپنے

ماں بیٹے کے چکر میں پڑا ہوا بھی پسند نہیں کرو گی یہ میں جانتی ہوں۔" یہ دھمکی دے کر وہ پلٹ گئی مگر اس نے مجھے شاید کسی بات کا ہوش ہی نہیں رہا تھا۔

حسن کا سلوک میرے ساتھ بہت اچھا تھا۔ میں اُن سے طبیعت کی کاتھوری بھی نہیں کر سکتی تھی۔ میں بہت دنوں تک اسی کنکشن میں رہی تھی کہ اس مخلوق کی دی ہوئی دھمکی کا خد کہ حسن سے کروں یا نہ کروں کہ میری ساسی سبے چاری پوتے کی خاموشی دل میں ہی لیے ملک عدم سودا کر گئی تھی۔ اب کھر میں کسی نام دونوں جال ہی پڑی ہوئی تھے۔

زندگی کا سفر جاری رہا۔ اب وہ دان میری حسن سے لولاہ کے موضوع پر بھی بات نہ ہوئی نہ بھی انہوں نے اس کا تذکرہ کیا۔ جب سے میری اس مخلوق سے وہ دھمکی کی صورت آخری بات ہوئی تھی وہ بہت مصروف رہنے لگے تھے حیرت انگیز طور پر اُن کی بہت زیادہ ترقی بہت اونچی پوسٹ پر ہو گئی تھی بہت اعلیٰ کواہ کے ساتھ کافی مراعات بھی لی تھیں پھر ہم نے عزیز آباد کا ایک سو بیس گز والا کھر چھوڑ کر ڈیڑھ سو ایک ہزار شاندار بنگلے لیا تھا اور پھر میری زندگی میں ایک اور اتفاق ہوا اس کو میں حسین اتفاق کہوں گی۔ کیونکہ اس نے میرے مسئلے کا جذ بہ کر سیکھن کی مگر۔ میری ساسی کی رشتہ کی ایک بیٹی کا انتقال

ہونے کی پیدائش کے دوران ہو گیا تھا اتفاق سے اس کے شوہر کا انتقال بھی چند ماہ پہلے ہی ہوا تھا اور ساسی کا پہلا بچہ تھا۔ نومولود ایک بچی تھی بہت بھاری سی چونکہ اُس کو کوئی نگہداشتہ داریس تھا اس لیے اس بچی کو قیمتی خانے میں داخل کرنے کا فیصلہ ہوا مگر میں نے حسن سے مشورہ کر کے اس بچی کو کوئلے لیا تھا۔

ہم نے اُس بچی کا نام ارمان رکھا اور اس کی پرورش میں ہی جان سے لگ گئے۔ حسن بھی اس کو اپنی

مکی لولاہ کی طرح یاد کر رہے تھے۔ دیکھتے ہی دیکھتے بچی بڑی ہو گئی۔ ہم نے اس کو کسی چیز کی کمی محسوس نہیں ہونے دی نہ بھی اس کو یہ پتہ چلا کہ وہ ہماری سہ پاک ہے اور پتہ چن بھی کیسے اُس کی والدہ سے کے خانے میں "حسن" کا نام لکھا تھا۔ جی ہاں اُس کے حقیقی باپ کا نام حسن ہی تھا۔ اب آپ اس اتفاق پر حیران نہ ہوں کیونکہ مزید حیرت انگیز اتفاق یہ بھی ہے کہ اس کی ماں کا نام بھی راحت ہے۔ یعنی میرا اس کو کوئلے والی ماں کا نام بھی راحت ہے۔ ہے اتفاق!!

ہم نے اس بچی اور ان کو اپنی تعلیم دلوانے کے ساتھ بہتر تعلیق اور روحانی تعلیم بھی دلائی اور ایک اچھا رشتہ دیکھ کر اس کی مناسب وقت میں شادی کر دی۔ اب اس کے بچوں کو نواسہ لڑکی بھی کھر اس سے بھی یاد کر رہے ہیں۔ حسن اب رہنا نہ ہو چکے ہیں اور تیزی سے بڑھاپے کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ میرا بھی اب بڑھاپا ہی ہے لیکن وہ مخلوق..... نا دلہا دستی اور میری انجانی سوکن۔ اب بھی حسن کے پاس آتی ہے۔ اور اس کے آنے کے بعد حسن کی طبیعت اب بھی خراب ہو جاتی ہے لیکن اب مجھے اس سے بالکل دور نہیں لگتا ہے۔ قرآن کی تلاوت اور قرآنی آیات اب بھی میرے در و دریاں ہیں مگر اب میں یہ سب اس مخلوق کو بھانگنے کی نیت سے پاس سے لڑ کر نہیں کرتی۔ میں نے اپنی سوکن کو دل سے قبول کر لیا ہے۔ اب مجھے معلوم ہوا ہے کہ محبت کا جذبہ ہر مخلوق کے دل میں موجزن ہوتا ہے حتیٰ کہ جانوروں بھی محبت کی زبان سمجھتے ہیں اور محبت کا جواب محبت سے دیتے ہیں۔ میری انجانی سوکن کو میرے شوہر سے واقعی محبت ہے اس لیے اس نے مجھے پائیاں کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا اور ہاں اب مجھے اس بات کا بھی یقین ہو گیا ہے کہ میرے ساتھ اتفاقی واقعات یا حادثات ہی مخلوق کا کرشمہ ہیں۔

عمران خان



## آسیب زدہ مکان

مجھے واقعی ایسے مکانات سے دلچسپی تھی جن کے بارے میں مشہور ہو کہ ہاں آجیب کا میرا ہے یا دروازہ غیبی رشتی ہیں جو زندہ انسانوں کو پریشان کرتی ہیں۔

ایک سنے لکھاری کی حیرت و تجسس سے بھری پر لہراؤ گہائی



فعل حق صاحب سے میری ملاقات  
 اچھوٹا اسٹوڈیو کی جانب کے درمیان ہی ایک روز  
 ڈراما سیریل کی ریکارڈنگ کے درمیان ہوئی تھی۔ وہ  
 ایک معروف اداکارہ کے ساتھ مہمان کی صورت  
 وہاں اسٹوڈیو آئے تھے۔ انتظار کے اُن لمحات  
 کے دوران جب وہ اُن اداکارہ کی ریکارڈنگ ختم  
 ہونے کا لمحہ انتظار کر رہے تھے وہاں موجود کچھ لوگوں  
 کے درمیان پر اسرار اور ہار ڈراموں کے حوالے  
 سے گفتگو چلی تھی تو انہوں نے ہمیں صرف یہ بتایا  
 تھا کہ وہ پر اسرار کم کی چیزوں سے دلچسپی رکھتے ہیں  
 اور اُن کی زندگی سے بہت سے ایسے واقعات جڑے  
 ہوئے ہیں ساتھ ہی انہوں نے ہمیں یہ اسرار مری  
 کہانی بھی سنائی تھی۔

میرے دوست ہادی صاحب ایک تعلیم یافتہ اور  
 سمجیدہ کم کے انسان ہیں۔ ایک رات وہ مجھ سے  
 ملنے آئے اور بتایا۔ "میں کئی روز سے آپ کو ملاحظہ  
 رہا تھا۔"

"خبرعت؟ میری ایسی کیا ضرورت پڑ گئی؟"

میں نے پوچھا۔

"آپ کو مجھ سے بہت سے اور آپ سب زدہ مگر وہاں  
 میں بڑی دلچسپی ہے کہ تو اس شخص کے وسط میں مجھے  
 ایک آپ سب زدہ مکان سے واسطہ پڑ گیا ہے۔"

میں نے سن کر غش ہو گیا کیونکہ مجھے وہاں ایسے  
 مکانات سے دلچسپی تھی جن کے بارے میں مشہور ہو  
 کر وہاں آپ سب کا میرا سہا یا اور اوج غیور رہتی ہیں  
 جو زندہ لوگوں کو یہ شان کوئی نہیں۔ میں نے بڑے  
 اشتیاق سے پوچھا۔ "واقعی؟ کیا آپ کا کسی آپ سب یا  
 بدروح سے سابقہ پڑا ہے؟"

"میرے پاس اس بات کا کوئی واضح ثبوت  
 نہیں ہے میں تو صرف یہ جانتا ہوں کہ وہ میں نے  
 مجھے اور میری بیوی کو کبھی نہ دیکھا ہوں کہ اسے ایک

فرشتہ اپارٹمنٹ کی ضرورت تھی۔ سڑک پر سے  
 گزرتے ہوئے ایک مکان نظر آیا جس پر "فرشتہ"  
 اپارٹمنٹ لکھا تھا۔ "کسا ہوا قہر اعلیٰ کھلی  
 بجائے پر ایک بڑی عورت نے دروازہ کھولا اور  
 ہمیں گھر دکھایا۔ گھر میں پسند آیا گیا یہ بھی واجب  
 تھا کہ میں نے اسے کرائے پر لے لیا لیکن میں نے اس روز  
 کے دوران جب وہ اُن مکان کو اس حالت میں چھوڑا  
 پڑا کہ دنیا کی کوئی طاقت بھی ہمیں وہاں رہنے پر  
 آمادہ نہیں کر سکتی تھی۔"

"آپ نے وہاں کیا دیکھا قاجس سے آپ  
 اتنا گھبرا گئے؟"

"میرے دوست! میں نہیں جانتا کہ میں جو کچھ  
 کہوں آپ اسے سن دین مان لیں یا اسے  
 پر اسرار سے کہ غیر متعلق خوف مجھ کو میرا مذاق  
 اڑائیں اس لیے آپ کا ذاتی مشاہدہ اور تجربہ لازمی  
 ہے۔ میں صرف اتنا کہوں گا کہ جو کچھ مجھ نے سنا یا  
 دیکھا اس کی اتنی اہمیت نہیں ہے بلکہ جس چیز نے  
 ہمیں خوف زدہ کر کے وہاں سے ہمارے پر مجبور  
 کیا وہ ایک عجیب اور وحشت خیز ڈراما جو میں ایک  
 خالی کمرے کے سامنے سے گزرتے ہوئے دیکھ رہی ہو  
 تھا اور میری ہلکی سی طاری ہو جاتی تھی حالانکہ میں اس  
 کمرے سے کوئی آواز نہ آتی تھی اور نہ ہی میں کوئی  
 دکھائی دیتا تھا۔ ان حالات میں وہ بیوی کے  
 خیال سے متعلق تھا کہ میں یہ گھر چھوڑا چھوڑ دینا  
 چاہیے چنانچہ میں راتیں گزارنے کے بعد ہماری  
 بہت جواب دے کر اور ہم کی طرح بھی وہاں پہنچی  
 رات گزارنے کو تیار نہیں تھے قہراً ہم نے اس بڑی  
 باؤں کچھ کر دیا اور کہا۔ "اب ہم اس گھر میں نہیں  
 ٹھہر سکتے اور جانا پڑے ہیں۔"

"مجھے معلوم ہے۔" "دوئی۔" "میں جہان جی کہ  
 تم ابھی تک مجھے کیسے نہیں؟ تم واحد کھلی ہو جس نے

اس گھر میں تین راتیں گزار دی ہیں اور نہ تو سے پہلے  
 نے والے تو ایک یا زیادہ سے زیادہ دو راتیں ہی  
 گزار سکے۔ میرے خیال میں وہ تم پر مہربان رہے  
 ہوں گے۔"

"وہ کون؟" "میں نے پوچھا۔

"وہ جو اس گھر میں میرا کرتے ہیں جو واقعی  
 قدرت طریقے سے ظاہر ہوتے ہیں اور لوگوں کو  
 پریشان کرتے ہیں۔ بہر حال وہ چونکہ میں نے جہان  
 سے کوئی نہیں دیکھا ان کے بارے میں مجھے اس  
 وقت سے معلوم ہے جب میں یہاں ملازمہ کی  
 حیثیت سے تھیں بلکہ ایک معزز کرائے دار کے طور پر  
 رہتی تھی اور مجھے یہ بھی احساس ہے کہ وہ میری موت  
 کا سبب نہیں گھر میں مجھے کوئی گھر نہیں۔ میں بڑی  
 ہو چکی ہوں اور قبر میں باؤں لٹنے کی تپتی ہوں۔ میں  
 مردوں کی بھی تو انہی کے ساتھ اس گھر میں رہوں  
 گی۔ اس عورت نے یہ سب کچھ ایسی خوب ناک  
 آواز میں کہا کہ میں گھبرا گیا اور اس کو پارے میں پھینک  
 دی۔ یہ کرم لوگ وہاں سے بھاگ آئے۔"

"آپ کی باتیں میرے بس کو بواؤں سے ہی  
 ہیں اس سے انکی بات اور کوئی نہیں ہو سکتی کہ میں  
 چلے اور چلے ہی آپ سب زدہ گھر میں رات گزاروں۔  
 لگائے مہربانی مجھے اس گھر کا پتا نہیں۔" میں نے  
 ہادی صاحب سے کہا۔

میں اپنے دوست سے اس گھر کا پتا نہ کر دیا ہوں  
 پہنچا تو کھر کو نہ پتا۔ سڑک پر پہنچتے ہوئے ایک بچے  
 نے مجھے کھنسی بجاتے دیکھ کر پوچھا۔ "بھابھ آپ  
 یہاں کس سے ملنے آئے ہیں؟"

"سانپ نے یہ گھر خالی ہے نہ اسے کرائے پر لینا  
 چاہتا ہوں۔"

اس نے بڑی حیرت سے مجھے دیکھتے ہوئے  
 کہا۔ "خالی تو ہے مگر جو عورت یہاں باؤں کچھ رہی

اس کا انتقال ہو چکا ہے اس گھر میں کوئی بھی رہنے کو  
 تیار نہیں ہے۔ اس گھر کی صفائی اور اسے بھرنے کے  
 لیے میری ماں کو خاص بیوی تم آفر کی گئی ہے لیکن  
 میری ماں نے صاف انکار کر دیا ہے۔"

"خبر کس؟"

"یہ گھر آپ سب زدہ ہے اس گھر میں بدروحیں  
 رہتی ہیں۔ وہ یہاں جو یہاں باؤں کچھ کی ایک دن  
 اپنی چارپائی پر بصرہ دیا پانی کی خوف اور وحشت سے  
 اس کی آنکھیں مل ہوئی تھیں۔ لوگ کہتے ہیں اسے  
 بدروحوں نے ہلاک کیا ہے۔"

"تم اس گھر کے مالک کا پتا کتنے ہو؟"

"ہاں کیوں نہیں وہاں سے چھٹی گئی کے  
 ساتویں مکان میں رہتا ہے۔"

میں نے لڑکے کو کچھ احاطہ دیا اور مالک مکان کی  
 تلاش میں چلی پڑا۔ خوش قسمتی سے وہ گھر پر عمل  
 کیا۔ دو درمیان مگر خوش باؤں کچھ کا آدمی تھا اور مالک  
 ہی رہتا تھا۔ میں نے اپنا تعارف کر دیا اور واضح الفاظ  
 میں اپنے آئے کا مقصد بیان کرتے ہوئے کہا۔

"یہ گھر جو آپ سب زدہ سمجھا جاتا ہے میری  
 خواہش ہے کہ میں اس معاملے کی تہہ تک پہنچوں۔  
 کیا آپ مجھے اپنا مکان کرائے پر دے سکتے ہیں؟  
 میں اس کا کرایہ دار کر کے اپنے لیے حاضر ہے۔ جب تک  
 یہ گھر آپ کے لیے حاضر ہے۔"

طاہرین قیام کریں۔ کرائے کے سوال ہی پیدا نہیں  
 ہوتا۔ میں ذاتی طور پر آپ کا مشکور اور زہرا احسان  
 رہوں گا اگر آپ اس کی پر اسرار سے کی تہہ تک پہنچی  
 سکیں۔ یہ گھر میرے لیے معیت بن گیا ہے آپ  
 زدہ مشہور ہونے کے باعث ذوق کو کر وہاں تک  
 ہے اور نہ ہی کوئی کرائے دار میرے بدروحیں یا جو کچھ  
 بھی ہیں رات کو ہی نہیں بلکہ دن کو بھی باؤں کچھ آئیں۔  
 وہ غریب عورت جو اس گھر میں رہتی ہے بچپن سے

میرے خاندان والوں کی واقف تھی۔ ایک وقت وہ اسے اچھے حال میں بھی کر اس نے یہ گھر میرے چچا سے کرائے پر لے لیا تھا۔ وہ اعلیٰ تعلیم یافتہ اور مضبوط ارادے کی مالک تھی اور صرف وہی اس گھر میں رہنے کو تیار ہوئی تھی۔ اس کی موت کے بعد وہ گھر اور یہی بنام ہو گیا ہے۔ اگر کوئی رہنے کو تیار ہو تو میں اسے بغیر کرائے کے یہ گھر دیتا ہوں۔

"کیا آپ تائید ہیں اب سے یہ گھر آسب زدہ قرار دیا گیا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"مجھے اس کا کچھ اندازہ نہیں ہے لیکن وہ بوڑھی عورت کبھی تھی کہ جب اس نے چالیس بیٹیاں بیس سال قبل اسے کرائے پر لیا تھا تو یہ اس وقت بھی آسب زدہ تھا اور یہاں روح کا کایہ تھا۔ واصل میں ذرا دیر تک سے باہر ہوں۔ جب میں وہاں آیا تو میرے چچا مرحوم کی وصیت کے مطابق یہ گھر مجھے ملا۔ اس وقت یہ بند تھا اور میرا باپ اس وقت بھیے بتایا گیا کہ یہ گھر آسب زدہ ہے اور کوئی بھی اس میں رہنے کو تیار نہیں ہوتا۔ میں نے اس بات کو بھی میں اڑا دیا۔ کافی رقم خرچ کر کے اس کی مرمت کروائی اور کچھ نیا فرنیچر بھی ڈالا پھر "کرائے کے لیے نکالی ہے" کا اشتہار دیا تو ایک کمرل نے اسے کرائے پر لے لیا اور اپنی بیوی بیٹی بیٹے اور کئی لوگوں کے ساتھ رہنے کے لیے آ گیا۔ وہ ایک دن گھر ایک رات اس گھر میں خیمہ لے اور دوسرے دن اس گھر چھوڑ کر چلے گئے۔ ہر شخص نے کہا اس نے کچھ دیکھا اور دیکھا ہے۔ اس کرائے دار نے ساتھ یہاں کوئی روح بھوت یا جو کچھ بھی دیکھا بہت خوف ناک تھا اور وہی اس ڈر کا باعث بنا۔ اس کے بعد میں نے اس بوڑھی عورت کو ہڈیاں کبیرے طور پر رکھ لیا اور اسے گھر کرائے پر چڑھانے کے تمام اختیارات دئے لیکن اس گھر میں کوئی بھی ایک یا دو دن سے

زیادہ نہیں ٹھہرا سوائے آخری کرائے دار کے جس نے اس گھر میں تین دن گزارے۔ میں ان کرائے داروں کی کتابیاں بھی تھانوں گا اس لیے کہ کوئی بھی وہ کر لے اور ان کے ایک بیٹی بھی نکلیں۔ دیکھی۔ بجز ہے کہ اب اس گھر میں کچھ دنوں سے داخل ہوں اور اپنے دیکھنے اور سننے کے لیے مناسب احتیاطی تدابیر اختیار کر رہی۔"

"کیا خود آپ نے اس گھر میں رہنے یا اس کا معلوم چیز کو دریافت کرنے کی کوشش کی؟"

"ہاں میں نے ایک رات نہیں بلکہ دو کوئین سمجھے قیام کیا اور میری اس چیز کو دریافت کرنے کی نہ صرف آرزو پھیلی ہوئی بلکہ پیشہ کے لیے فخر ہوئی۔ مجھے اس تجربے کو ذہن سے نکالنے کی کوئی خواہش نہیں بلکہ میں آپ کو بھی یہی مشورہ دوں گا کہ آپ بھی وہاں شب بھر کی کارواں کر دیں۔" اس نے بتایا۔

"میں نے اس سے منہ کوٹ کر گھٹے کا پتہ ارادہ کر لیا ہے۔ اس کا تاجروں کی بھی نہیں کہ یہ باتیں سن کر پیچھے ہٹ جاؤں۔ میں اس قسم کے حالات میں کبھی تیرا آواز نہ دے گا۔"

مالک مکان نے اس کے بعد بحث کو مناسب نہ سمجھا اور مکان کی چابیاں مجھے دے دیں۔ میں اس تجربے کے لیے کافی سیر تھا کہ چھتھے ہی میں نے اپنے ملازم کا ڈرائیو جو میرے ساتھ کی اسکی مہمات میں حصہ لے چکا تھا۔ وہ اونچے قدر اور طاقت ور جس مکان کا خاثر تھا اور مضبوط ارادے کا مالک تھا۔ میں نے اسے بتایا۔ "مجھے پتا چلا ہے کہ اس شہر میں ایک آسب زدہ گھر ہے۔ میرا ارادہ آج رات اس گھر میں رہنے کا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ نہ ہو کہ دیکھنے یا سننے میں آئے گا۔ ہو سکتا ہے یہ خطر ناک ثابت ہو اگر میں نہیں اپنے ساتھ لے چلوں تو کیا میں تمہاری حاضر و ناںی و عزت پر بھروسہ کر سکتا ہوں؟"

اس نے سکاٹے ہوئے جواب دیا۔ "سر مجھ پر بھروسہ کیجئے۔ کیا وہ ہم کو خطر ناک بھی جب سے سر کے حضرت ہمیں گھر سے ہوئے تھے۔ آخر ہم نے اس ہم کو بھی تو سر کیا تھا۔"

"تو تو یہ چاہاں اور یہ گھر کا انڈر میں۔ جاؤ اور میرے اور اپنے لیے کمرے پسند کر لو۔ کڑکاس" دو دن سے مکمل کر کر ہو گیا۔ آٹھ بیٹھی میں آگ روشن کر کے میرے لیے میرا اور والدین گھر لیتے جاؤ اور اپنے لیے بھی اچھا اور خود پسند کر لو۔"

میں دن بھر مصروف رہا۔ شام کو طبیعت سے کھٹا کھٹا پڑنے کے لیے ایک کتاب لکھائی اور اپنے دوکان پر بھی بیڑ سے آٹھ گھنٹہ کے کراس آسب زدہ گھر کی طرف مل گیا۔ کھٹکی بجانے پر میرے نوکر نے دروازہ کھولا اور میرے پوچھنے پر بتایا۔ "میں ٹھیک سے لار کر کے بھی آ رہا ہوں۔"

"میں تم نے ابھی تک کچھ دیکھا یا؟"

"سر میں نے ایک عجیب اور بے دھنگی سی آواز سنی ہے جیسے کوئی میرے پیچھے پاؤں ٹھیک کر چل رہا ہو اور کسی سے سرگرمی میں پائیں کہ ہاں۔"

"تو ذرا سہا جائے گھر سے؟" میں نے پوچھا۔

"پاؤں نہیں۔"

اس ہی وقت کراؤ ظہور کے ڈرائنگ روم میں تھے۔ ہر سرگرمی کی طرف کھلے اور دروازہ بند تھا۔ سنا پہلے تو میرے آگے ہر گاہ ایک دم پلٹ کر بھونکا ہو اور دروازے پر بچھنے مارنے لگا جیسے باہر نکل جانا چاہتا ہو۔ میں نے اسے پکارا اور سر ہٹا دیکھی تو وہ ڈرتے ہوئے میرے ساتھ بیٹھنے لگا۔

ہم نے کچن دیکھا جس کے پیچھے ایک بے درختی سائیک بائو تھا جس کی دیواریں اور دریں میں کچن زدہ جسم اور مٹی سے اٹی ہوئی تھیں۔ جہاں جہاں ہمارا پاؤں پڑتا وہاں مٹی میں پاؤں کے نشان بن جاتے

تھے۔ اب پہلا حیران کن اور عجیب و غریب واقعہ پیش آیا۔ میں نے دیکھا میرے آگے کے کھٹکی میں کسی کے ننگے جیروں کے نشان بھرتے جا رہے تھے جیسے کوئی میرے آگے کے پل رہا ہو۔ یہ نشان کسی بچے کے پاؤں کے تھے۔ سامنے کی دیوار تک جا کر یہ نشان غائب ہو گئے۔ وہاں پر ایسا کوئی کش پانٹر نہ آیا۔

ہم دوبارہ ڈرائنگ روم میں داخل ہوئے اور کچن کا دروازہ بند کر دیا۔ ڈرائنگ روم کا دروازہ سرگرمی کی طرف کھٹکاس کے ایک طرف ڈانگ رہا اور دوسری طرف گیسٹ روم تھا۔ ہر پلٹنے کی وجہ سے ٹھنڈا اور تھکن کا احساس ہوتا تھا۔ ان کمروں میں موت کی سی خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ ڈرائنگ روم قدرے صاف تھا۔ میں اس کمرے میں بیٹھ گیا اور نوکر سے کہا کہ صوم حق جلا کر باقی سب دروازے بند کر دے۔

جیسے ہی وہ دروازے بند کرنے کو ملا کسی ناچہ دہ ہاتھ نے سامنے دیوار کے ساتھ رکھ دی ہوئی کسی افکار میرے سامنے گھبر کے قائلے پر رکھ دی۔ میں نے سکاٹے ہوئے کو بھی آواز مل گیا۔

"میزوائٹ پلٹ کرنے کی بجائے کسی افکار رکھنا بہتر ہے۔"

جیسے ہی یہ الفاظ میرے منہ سے نکلے میں نے دیکھا میرے منہ کے کان کھڑے ہو گئے اور وہاں کھڑے کھڑے میرا نوکر جب دروازے بند کر کے آیا تو اس نے کمری کی تبدیلی شدہ جگہ کے بارے میں کچھ مضمون نہ کیا بلکہ کچھ کوسنیانے لگا۔ میں اس دوران میں سامنے رکھ دی ہوئی کمری کو رکھ رہا تھا۔ دیکھتی ہی دیکھتی اس کمری میں مجھے زردی آنے لگی۔ نیچے لگ کر روشنی کا ایک دھندلا سا بادل نظر آیا۔ میں کہیں نہ سکا کہ وہ انسانی خاک تھا یا کھار۔ وہ بول

اتحاد تھا کہ مجھے اپنی بیوی کا رنگ ہونے لگا تو میں نے اپنے ملازم سے کہا کہ وہ کسی کو سنا سے والی دھار کے پاس رکھ دے۔ وہ کسی اٹھا کر وہاں کی طرف جانے لگا تو ایک منکر ہوا۔ "سر کیا ہے آپ تھے؟"

"کیا ہوا کیا بات ہے؟" میں نے پوچھا۔

"کسی نے مجھے کندھے پر ضرب لگائی ہے۔"

میں نے اسے پیچھے کھینچ کر دیکھا۔ "کیاں کچھ"

دھاری لپٹا تھا دھماکے میں شمول نظر آتے ہیں

لیکن اس سے پہلے کہ وہ ہمیں ڈرامہ میں نہیں

پکڑیں گے۔

اس کے بعد ہم ڈرائنگ روم سے اندر کمرہ کی

منزل پر آئے جہاں بیڈروم تھے۔ بیٹے سے پہلے ہم

ڈرائنگ روم کی کھڑکیاں دروازے بند کرنا کھولے

جو ہمارے خفیہ انتظام کا حصہ تھے۔ میرے لیے جو

غراب گاہ ملازم نے منتخب کی تھی وہ اس صبح کا

بہترین کمرہ تھا۔ اس کمرہ کے دروازے بند کرنا

میں جرم کی طرف مائل تھی جس سان دونوں کے

درمیان آتش دان تھا جس میں اس وقت آگ

روشن تھی اس کے سامنے میرا ڈبل بیڈ تھا۔ ڈبل

بیڈ اور کھڑکی کے درمیان ایک دروازہ تھا جو اس

کمرے میں کھلا تھا جسے میرے ملازم نے اپنے لیے

پہننے لیا تھا۔ اس کمرے میں کوئی اور کھڑکی یا دروازہ

نہیں تھا جس میں آنے جانے کے لیے وہی ایک

دروازہ تھا جو میرے کمرے میں کھلا تھا۔ ہم نے ان

دونوں کمروں کی دیواروں کو خوب خوبصورت بنا کر

دیکھا۔ یہ بچی دیواریں تھیں اور کوئی خفیہ راستہ نہیں

تھا۔ یہ کمرے اچھی طرح دیکھنے کے بعد میں اور میرا

ڈاکٹر راجداری اور دوسرے کمرہ کو دیکھنے کے لیے

نگے۔ بیڑیوں کے پاس ایک دروازہ نظر آیا جو بند

تھا۔

میرے نوکر نے کہا۔ "سر آتے وقت میں نے یہ دروازہ کھلا چھوڑا تھا مگر یہ اندر سے بند نہیں ہو گیا؟" اس کا یہ فقرہ غم ہونے سے پہلے ہی ہی دروازہ خاموشی سے کھل گیا۔ ہم نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ یقیناً ہم دونوں کے ذہن میں یہ خیال ابھرا کہ اندر کوئی آدمی ہوگا۔ میں ایک حسرت میں کمرے کے اندر چلتا تھا اور میرے پیچھے میرا ڈاکٹر بھی داخل ہوا۔ ایک چھوٹا سا کمرہ تھا جس میں ایک کھڑکی تھی جو بند تھی اور وہی ایک دروازہ تھا جس سے ہم اندر آئے تھے اندر آئے گا اور کوئی راستہ نہیں تھا اس کمرے میں کوئی قالین نہیں تھا فرش بکا کاٹی تھا اور ایک سبک سے صحت مند قہار۔ اس کمرے میں خندہ ہمیں کوئی اور نظر نہ آیا۔ اندر سے کوئی دیکھ نہ جہاں کوئی چھپ سکتا۔ ہم اس خالی کمرے کو دیکھ رہے تھے کہ جس دروازے سے ہم داخل ہوئے تھے وہ آج بھی کے ساتھ باہر سے بند ہو گیا اس طرح جیسے وہ کچھ دیر پہلے کھلا تھا۔ اب ہم اس کمرے میں قید تھے۔ میرے بدن میں خوف کی لہر دوڑی لیکن بغیر میرے ذکر پر کسی قسم کے خوف کا کوئی اثر نظر نہ آیا۔ میں نے کہا۔ "مگر وہ کچھ ہیں کہ ہمیں پھانسی یا تو دو ٹھکی ہیں۔ چنانچہ میری لالت کی ایک ہی ضرب سے دروازہ ٹوٹ جائے گا۔"

میں نے کہا۔ "پہلے ہاتھوں سے کھولنے کی کوشش کرو میں کھڑکی کھول کر دیکھتا ہوں۔" میں نے کھڑکی کے چٹ کھولے اور باہر جھانکا۔ یہ کھڑکی دیکھنے میں کھلی تھی۔ کھڑکی اور زمین کے درمیان کافی فاصلہ تھا۔ وہاں پر کسی بھی ہاتھ یا پاؤں نہ جاتے کی جگہ نہیں تھی۔ کھڑکی سے کوئی والا جیسے روش کے چہروں پر گر کر بیٹیاں تھوڑا جھٹسا لیں اور وہاں میں میرے نوکر نے دروازہ کھولنے کی کوشش کی لیکن بے سود پھر اس نے مجھ سے طاقت استعمال کرنے کی

ابہارت باجی۔ اگرچہ وہ لپٹا چلا اور طاقت ور آدمی تھا لیکن اس کے پاؤں کی شوکریوں سے دروازے میں ڈھکیا جیٹش نہیں ہوئی مگر ہم دونوں نے ساتھ مل کر زور لگا کر ابھی نتیجہ صرف رہا۔ زور لگا کر ہم تک کر سستے نہ کر سکے تھے محسوس ہوا کہ نوکر نے بونے فرش سے کسی یا اس قسم کی چیز چن کر دی ہے جو انسانی زندگی کے لیے مضر اور خطرناک ہو سکتی ہے۔ ایک بار پھر مجھ پر خوف غالب جانے لگا پھر ایک ہی دروازہ خاموشی اور آہستگی سے خود بخود کھل گیا اور ہم دونوں نے ایک ساتھ راجداری میں چھلانگ لگ دی۔ راجداری میں ہمیں احمدی ہی زوردار لگی روشنی نظر نہ آئی جو انسانی جسم کے بعد بھی اس کی کوئی واضح شکل نہیں تھی جس ایک دھندلا سا خاکہ تھا جو ہمارے گے چٹا ہوا اور جانے والی بیڑیوں کی طرف بڑھا۔ میں اس میں روشنی کے اور میرا نوکر میرے پیچھے چلا۔ یہ روشنی صحت پر پڑنے والے ایک کمرے میں داخل ہوئی جس کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ ہم دونوں بھی اس روشنی کے پیچھے پیچھے اس کمرے میں داخل ہوئے۔ اب اس روشنی نے ایک کھلی شکل کی شکل اختیار کر لی جو سامنے پڑے ہوئے سبز پر چاکر تھا اور غائب ہو گیا۔ ہم سبز کے قریب پہنچے۔ ایک خام قسم کا بیڑا تھا جو موم کا ڈوکو غیر استعمال کرتے ہیں۔ اس بیڑے کے قریب ایک چوٹ آف ڈازر رکھی ہوئی تھی جس کے اوپر ایک دیوال پڑا ہوا تھا اور وہی سے لٹا ہوا تھا۔ بظاہر یہ کوئی سرفراز کارٹر تھا اور غائب اس صورت کے زیر استعمال تھا جو پچھلے دنوں اس کمرہ میں تھی۔ ہم نے دروازہ کھلا دیا اور اس میں موجود کسی کو سیدھا کپڑے تھے جن کے پیچھے دو خطہ ایک پرانے زمین میں بندھے تھے۔ تھے جو میں نے اٹھا لیے۔ جب تک ہم اس کمرے میں رہے تو پھر کوئی

(undone)

روشنی دکھائی دی اور دھڑکی کوئی غیر معمولی بات ہوئی البتہ جب ہم وہاں جانے لگے تو ہمارے آگے کے فرش پر پاؤں سمیٹ کر چلنے کی آواز آئی رہی۔ جب ہم بیڑیاں اترنے لگے تو مجھے محسوس ہوا کہ کسی نے مجھ سے وہ خطہ چھیننے کی کوشش کی ہے لیکن اس کی گرفت کڑو تھی اور وہ خطہ چھیننے میں کامیاب نہ ہوا۔ جب ہم وہاں خواب گاہ میں آئے تو میں نے کہا۔ "خیرانی کی بات ہے کہ کتنا سارے ساتھ نہیں آیا اور اب یہ آگ کے قریب بیٹھا کانپ رہا ہے۔" میں خطہ پر ہنسنے کے لیے سبے تاب تھا۔ کسی طرف دھیان نہ دینے پھر میں نے وہ خطہ پر صاف صاف دھڑکی سے میرا اور اور پھر بیڑی سائیڈ پر رکھا اور پھر کچے کو پکڑا لے لگا۔ خطہ مختصر تھے ان پر بڑی تاریخ آج سے چالیس سال قبل کی تھی۔ وہ کسی شخص نے اپنا محبوب یا بیوی کو لکھے تھے۔ ان میں سندری سبز کا اشارہ اور اعزاز بیان تھا کہ کتنا قہار کھینچے والے کا تعلق کسی بھری جہاز کے مسئلے سے ہے۔ کھائی اور املا سے پتا چلتا تھا کھینچے والا پتا چاہنا کھانسی تھا لیکن الفاظ اور اعزاز تھا طلب سے محبت تھی جو اسے اور ایسے اشارے بھی ملتے تھے جس سے محبت کے علاوہ کسی تکلیف جرم میں ملوث ہونے کا اعزاز بھی ہوتا تھا مثلاً میں ایک دوسرے سے محبت کرنے کا چاہے روزگار کوں کو وہ بات معلوم ہو جائے تو وہ کب کیا کہیں گے؟ یا اپنے کمرے میں کسی اور کو نہیں سونے دینا اس لیے کہ جنہیں بیڈ میں لوٹنے کی عادت ہے۔ نہیں تمہارے منہ سے ایسی بات نہ نکل جائے جسے ہم چھپانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ یہ بات ہمارے بے خطر کے باعث بن سکتی ہے یا پھر جو کچھ ہو چکا ہے اسے کوئی نہیں جاسکتا۔ (what is done, can not be undone)



ہمارے خلاف اس وقت تک کوئی ثبوت نہیں  
جب تک کہ مردہ زندہ ہو کر ہمارے خلاف کچھ نہ  
تائے۔ (پیارے) کسی صورت کی تحریر میں لکھا تھا۔  
مردہ زندہ ہو سکتے ہیں۔)

پھر خط کے آخر میں بھی زمانہ تحریر تھی۔ وہ  
سمندر میں لایا ہو گیا۔ یہی اسی دن چار جون کو۔ وہ  
میں نے خط پڑھنے کے بعد انڈین سائنس کونسل  
پر دیکھا اور ان کے ہاں سے سوچنے کا پھر بہتر  
لیٹ کر اپنے ملازم سے کہا کہ وہ کسی کام کرنے  
لیکن درمیان کا دروازہ کھلا چھوڑو۔

میں نے دو موم پتیاں بنا کر بیڈ سائنس کونسل پر  
رکھیں اور ان کی گڑی بھی اتار کر دیں اپنے ہتھیاروں  
کے پاس رکھ دیں اور حالات کا مقابلہ کرنے کے  
پارے میں سوچنے کا نقش دان میں آگ روشن  
میں اور اس کے قریب ہی کتا ہوا تھا قابو و سوہا  
تھا۔ تقریباً بیس منٹ کے بعد مجھے محسوس ہوا کہ کتا  
بستہ بنا کر جھوٹا ہوا گھر دیکھا۔ اور نظر اتالی  
ہو۔ میں سمجھا دروازہ کھلا ہوگا۔ اور نظر اتالی  
دروازے کو بند پایا پھر بائیں طرف دیکھا تو موم  
تیوں کی لکڑی پھڑپھڑاتے ہوئے پایا جیسے وہاں میں  
رہی ہوں۔

میں اسی وقت میری گڑی چوڑے پھسلتی نظر آئی  
مگر اسے پہنچنے والا نظر نہ آیا۔ میں نے فوراً ایک ہاتھ  
سے روم اور دوسرے ہاتھ سے پتھر اٹھایا کہ سارا  
غیر برقی ہاتھ اٹھائے۔ ہتھیاروں کو قبضے میں  
لینے کے بعد میں نے ابھر اُچھڑا دیکھا تو میری گڑی  
غائب ہو چکی تھی۔ یہ یقیناً کسی ہاتھ ہاتھ نے اٹھا  
لیا تھا پھر بیڈ سائنس کونسل سے تین مرتبہ "لٹک" "لٹک"  
لٹک کی واضح آواز آئی جیسے کوئی تھلی کو جیڑے سے  
بجارتا ہوا۔

یہ آواز سن کر میرے لازم سے بلند آواز میں

کہا۔ "کیا آپ میری بجائے یہ آواز پیدا کر رہے  
ہیں؟"  
"قابو و سوہا میری اپنے کرب دکھا رہے ہیں۔ ہمارے  
ذرا ہوشیار رہنا۔" میں نے چہان کیا اور پھر میری گڑی  
کے پیڑ پر ڈی۔ وہ اپ بھلی جانگلوں پر بیٹھا تھا۔ اس  
کے کان تلے سے تو درجہ کے پال کڑے ہو گئے  
تھے۔ وہ خود بخود نظروں سے مجھے تکہ رہا جیسے مجھ  
بجھت پڑے گا۔ میں ابھی کتے کی طرف دیکھ رہی  
تھا کہ میرا فکر اپنے کمرے سے نکلا۔ خوف  
اور ہشت سے اس کے چہرے کے خدو خال اس  
قدر جھکے ہوئے تھے کہ اس میں اسے حال میں  
کھین اور دیکھنا تو پہچان بھی نہ پاتا۔ میرے پاس  
سے گزرتے ہوئے وہ چلایا۔ "لٹک" وہاں یہاں سے  
بھاگتا تھا اس وقت میرے پیچھے پڑا ہوا ہے۔ وہ  
دروازے کی طرف لپکا اور ایک ہتھکے کے ساتھ  
دروازہ کھول کر رابادری میں بیڑیوں کی طرف  
بھاگا۔ میں اس کے پیچھے رابادری میں آیا اور اسے  
رکتے کے لیے آواز دی لیکن وہ بیک وقت کتے  
بیڑیاں پھلانگتا ہوا مجھے اتر گیا پھر باہر کا دروازہ  
کھلے اور چند ہونے کی آواز آئی۔ اب میں اس  
آہستہ آہستہ کمرے میں آیا تھا۔

میں نے ہر کے لیے میں نے بڑبڑ کا دکھار دیا اور  
فیصلہ نہ کر سکا کہ میں اپنے نوکر کی طرح یہاں سے  
بھاگ جاؤں یا یہاں سے رگ کر آئے والے واقعات  
کا مقابلہ کروں؟ پھر مجس انا اور ہٹ دھرمی نے  
مجھے بھاگ جانے سے روک دیا۔  
میں خواب گاہ میں واپس آیا اور احتیاط سے نوکر  
واپس لے کرے میں داخل ہوا۔ اسے اس کی طرح خوف  
بجارتا دیکھا تو وہاں مجھے کوئی ایسی چیز نظر نہ آئی جس  
نے میرے نوکر اس قدر ہشت زدہ کر دیا تھا۔  
میران تھا کہ آفریکن کی چیز تھی جس سے ڈر کر

ہاں میں تھا؟ اگر وہ چیز اس کے کمرے میں داخل  
ہوئی تو اس کا رات صرف میرے کمرے سے ہی تھا  
پھر وہ مجھے کیوں نظر نہ آئی؟ میں کمرے میں موجود  
ہوئے بھی اسے کیوں نہ دیکھ سکا؟  
درمیان دروازہ بند کر کے میں آتش دان کے  
سامنے آکر اٹھا اور اسے والے خطرات سے ٹٹنے  
کے بارے میں سوچنے کا پھر بہتر لیٹ کر ساتھ  
دائی ہوئی کتاب کی روشنی گروائی شروع کر دی۔ ذرا  
دیر گزرنے کے بعد موسم بقی کی روشنی اور کتاب کے  
مجموعہ مایہ حاکم ہو گیا اور کتاب کے الفاظ  
اور میرے میں ڈوب گئے۔ میں نے نگاہ اٹھائی اور  
جو کہ میں نے دیکھا اسے سچ ظور پر تائے سے  
چہرہ ہوں۔ وہ سیاہ کونے کے بالندگی کی چیز تھی جو  
بستہ آہستہ ایک بدمعوس سے میں تبدیل ہو رہی  
تھی۔ وہ اتنی بڑی تھی کہ فرش سے چھت تک پھیلی  
ہوئی تھی۔ اس کے خدو خال واضح نہیں تھے لیکن اس  
پر انسانی خاکے کا گمان ہوتا تھا میرے محسوس  
ہوا چھت کے قریب سے اس صفت کی کتھیں  
کھینے ہو رہی ہیں۔ تو پھر کے لیے وہ ان کتھیں  
کھینے نظر آئیں پھر غائب ہو گئیں۔ اب وہاں سے  
دھنکے دھنکے کے بعد زوردار ہل چلی شعاں کل  
رہی تھی۔

میرا جسم خدو خدو رہا تھا اور خوف میری رگوں میں  
کراہت کرتا رہا۔ میں نے یونان چاہا تو میری آواز نہ  
گئی۔ اب میں بول تو نہیں سکا لیکن سوچ سکتا تھا۔  
میں نے سوچا کیا یہ خوف ہے؟ نہیں؟ یہ خوف نہیں  
ہو سکتا۔ میں اس سے خوف زدہ نہیں ہوں پھر میں  
نے اٹھنا چاہا تو اٹھ نہ سکا۔ یوں محسوس ہوا جیسے  
میرا جسم نے مجھے بکڑ رکھا ہو۔  
پھر میرے ذہن میں آواز ابھری۔ یہ تمہاری  
اور اس صفت کی قوت ارادہ کا امتحان ہے۔ تم

میرے لا شعور نے کہا۔ "روشنی ہے بلا میرے  
کی ہے روشنی سے بھاگے گی۔"  
اب میری پہلی آواز روشنی تھی۔ میں کسی دھکی  
طرح کڑی تک پہنچا اور اس کے پٹ کھول دیئے  
پھر چاہا تو پوری آب و تاب سے روشنی قاتل جانعلی  
چلی ہوئی تھی اور کڑی کھلنے سے روشنی کمرے  
اعداد آ رہی تھی۔ میں نے مرکز دیکھا تو وہ چہرے  
عمریت غائب تھی لیکن اس کا سایہ سامنے کی دیوار پر  
پڑ رہا تھا اب میری نظریہ سائنس کونسل پر پڑی تو مجھے  
گھائی تک ایک زندہ سلامت تھا پھر آج

جیت گئے تو اس پر فتح پاو گئے اور ہار گئے تو نا ہوا  
گئے۔

میری سوچ نے کہا۔ یہ صرف نظر کا دھوکہ ہے  
میں خوف زدہ نہیں ہوں میں اس تم سے نہیں ڈرتا۔ جب  
تک میں تم سے ڈرتا نہیں ہوں اس تم مجھے نقصان نہیں  
پہنچا سکتے۔ پھر میں ہر پر کوشش سے اپنے ہاتھ اپنے  
روانہ کی طرف بڑھانے میں کامیاب ہو گیا۔

اس سے پہلے کہ میں روم اور اٹھاتا میرے  
کندھے پر بازو بڑھاتا دیکھا جیسے کتے کی خاک کا ہوا اور  
میرا بازو کھل ہو کر یوں گرا گیا جیسے خابج زندہ ہو کر کاہ  
ہو گیا تو میرے خوف کو بڑھانے کے لیے موم  
بقی کی لکڑی ہر کوشش نے گی اور موسم بقی کے سرے پر  
ایک تھکی چٹکاری میں کڑی روشنی نہ صرف بلکہ کتھیں  
دان میں چلی ہوئی آگ کا یہ خبر ہو جیسے اس کی  
روشنی کھینچ کر لی گئی ہو اب وہاں سے کڑی ڈھیر کی ساں  
مجھ پر غائب آ کر اور یوں محسوس ہوا کہ اس میرا  
ساتھ چھوڑ رہے ہیں۔ میں نے ساری قوت بقی  
کر کے یونان چاہا تا مظلوم تھی کہ بعد میرے منہ  
سے یہ الفاظ نکلے۔ "میں تم سے نہیں ڈرتا مجھے تم سے  
کوئی خوف نہیں ہے۔"

میرے لا شعور نے کہا۔ "روشنی ہے بلا میرے  
کی ہے روشنی سے بھاگے گی۔"

اب میری پہلی آواز روشنی تھی۔ میں کسی دھکی  
طرح کڑی تک پہنچا اور اس کے پٹ کھول دیئے  
پھر چاہا تو پوری آب و تاب سے روشنی قاتل جانعلی  
چلی ہوئی تھی اور کڑی کھلنے سے روشنی کمرے  
اعداد آ رہی تھی۔ میں نے مرکز دیکھا تو وہ چہرے  
عمریت غائب تھی لیکن اس کا سایہ سامنے کی دیوار پر  
پڑ رہا تھا اب میری نظریہ سائنس کونسل پر پڑی تو مجھے  
گھائی تک ایک زندہ سلامت تھا پھر آج

جیت گئے تو اس پر فتح پاو گئے اور ہار گئے تو نا ہوا  
گئے۔

میری سوچ نے کہا۔ یہ صرف نظر کا دھوکہ ہے  
میں خوف زدہ نہیں ہوں میں اس تم سے نہیں ڈرتا۔ جب  
تک میں تم سے ڈرتا نہیں ہوں اس تم مجھے نقصان نہیں  
پہنچا سکتے۔ پھر میں ہر پر کوشش سے اپنے ہاتھ اپنے  
روانہ کی طرف بڑھانے میں کامیاب ہو گیا۔

اس سے پہلے کہ میں روم اور اٹھاتا میرے  
کندھے پر بازو بڑھاتا دیکھا جیسے کتے کی خاک کا ہوا اور  
میرا بازو کھل ہو کر یوں گرا گیا جیسے خابج زندہ ہو کر کاہ  
ہو گیا تو میرے خوف کو بڑھانے کے لیے موم  
بقی کی لکڑی ہر کوشش نے گی اور موسم بقی کے سرے پر  
ایک تھکی چٹکاری میں کڑی روشنی نہ صرف بلکہ کتھیں  
دان میں چلی ہوئی آگ کا یہ خبر ہو جیسے اس کی  
روشنی کھینچ کر لی گئی ہو اب وہاں سے کڑی ڈھیر کی ساں  
مجھ پر غائب آ کر اور یوں محسوس ہوا کہ اس میرا  
ساتھ چھوڑ رہے ہیں۔ میں نے ساری قوت بقی  
کر کے یونان چاہا تا مظلوم تھی کہ بعد میرے منہ  
سے یہ الفاظ نکلے۔ "میں تم سے نہیں ڈرتا مجھے تم سے  
کوئی خوف نہیں ہے۔"

میرے لا شعور نے کہا۔ "روشنی ہے بلا میرے  
کی ہے روشنی سے بھاگے گی۔"

اب میری پہلی آواز روشنی تھی۔ میں کسی دھکی  
طرح کڑی تک پہنچا اور اس کے پٹ کھول دیئے  
پھر چاہا تو پوری آب و تاب سے روشنی قاتل جانعلی  
چلی ہوئی تھی اور کڑی کھلنے سے روشنی کمرے  
اعداد آ رہی تھی۔ میں نے مرکز دیکھا تو وہ چہرے  
عمریت غائب تھی لیکن اس کا سایہ سامنے کی دیوار پر  
پڑ رہا تھا اب میری نظریہ سائنس کونسل پر پڑی تو مجھے  
گھائی تک ایک زندہ سلامت تھا پھر آج

جبر میں سے بھرا ہوا تھا اور اس کی پشت پر نیل رنگیں نظر آ رہی تھیں۔ ساتھ کے چھوٹے ہونے کی وجہ سے میرا اعجاز وہ تھا کہ یہ کسی عورت کا ہاتھ ہے اور جبر میں کی وجہ سے کسی بڑی عورت کا ہاتھ کہہ کر باقی تمام عورتوں کی ہاؤس تک پہنچ کر میں مرد ہو پائی تھی۔ اس ہاتھ سے میرے پردے کے ہونے مفلطہ کی میں دیا ہے اور قائب ہو گیا۔

اب ایک مرتبہ میری جگہ پر فلک، فلک، فلک کی آواز آئی اور کچھ کراہیوں نے کہا جیسے بچہ نال آ گیا۔ ہوا ساتھ ہی ساتھ کمرے کے پرے کنارے سے رنگارنگ روشنی کے پلٹے سے اچھے شروع ہوئے سرخ، سبز، نیلے، پلٹے پلٹے سارے کمرے میں گردش کرنے لگے۔ اس دوران میں ٹیڈیہ ہاتھوں نے دیوار کے ساتھ دھکی ہوئی کسی اٹھارہ بیڈ سائڈ ٹیبل کے پاس رکھ دی۔ اس پر وہ بھی گرا ہوا ہیولہ سا نمودار ہوا جس نے دیکھتے ہی دیکھتے ایک عورت کی شکل اختیار کر لی جتنی جاتی خوب صورت، کرم زوہ عورت پھر وہ اپنے ہاتھوں میں ہاتھ سے کھینچنے لگی۔ اس کی نگاہیں دروازے کی طرف تھیں جیسے وہ کسی کا انتظار کر رہی ہو۔ سامنے کی دیوار پر پڑتا ہوا حضرت کا سایہ بکھار کر گرا ہوا گیا۔ میں نے نظر اٹھائی تو محبت کے پاس دو آنکھوں کو اس عورت کی طرف دیکھتے پایا۔ سامنے میں میری خواب گاہ کے بند دروازے سے ایک سایہ نمودار ہوا جس نے دیکھتے ہی دیکھتے ایک نوجوان کی شکل اختیار کر لی۔

جوں جوں وہ اس عورت کے پاس پہنچا تو حضرت کا سایہ جو دیوار پر پڑ رہا تھا آگے ہو جاو اور دونوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ وہ دونوں اس سامنے کے اندر میرے میں گم ہو گئے۔ چند لمحوں بعد اندر میرا چہرہ اندر ہم کی روشنی ابھری تو سامنے کی بجائے وہ حضرت ان دونوں پر ہوا تھا عورت کے سینے

سے خون نکل رہا تھا اور وہ ان اپنے ہی خون میں نہایا ہوا تھا میری روشنی کے پلٹے دو بارہ ظاہر ہوئے اور انہوں نے کمرے میں بیکر لگا کر شروع کر دی۔

اب میرے نوکر والے کمرے کا دروازہ کھلا اور اس میں سے ایک بڑی عورت باہر آئی۔ اس کے ہاتھ میں وہی مفلطہ تھے جو کسی ہاتھ سے میری بیڈ سائڈ ٹیبل سے اٹھائے تھے اس کے پیچھے کی پلٹے کی آواز آئی۔ اس نے پیچھے سرگرد کیا اور سر ہلک کر کھڑے ہونے لگی۔ اس کے کندھے پر سے ہما نکلا ہوا ایک ہما نکلا اور درجہ چہرہ اٹھارے پر پھولا ہوا تھا پلٹے پلٹے میں ڈوب مرنے والے کا ہوتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی اس عورت کے قدموں میں ایک لاش نظر آئی جس کے قریب ایک ٹوکھا سڑا قاتل ڈھکڑا کھینچا ہوا تھا۔ میں نے دو بارہ اس عورت کی طرف دیکھا تو اس کے چہرے کی ہمریاں قائب تھیں۔ اب وہ ایک نوجوان عورت کا چہرہ تھا۔ ایک بار پھر وہ سایہ آگے ہو جاو اور اس نے ان سب دیکر دو اپنے اندر میرے وجود میں چھپا لیا۔

اب میرے کمرے میں اندر میرے سے سوا کچھ نہیں تھا۔ میں اٹھی تک اس اندر میرے سامنے کی طرف دیکھ کر دیکھا تو اس میں سے دو آئیں ابھریں جو سائب کی آنکھوں سے شاپاں میں دوران میں میرے نیچے لیٹے رنگ کی شاعیں نکل رہی تھیں۔ اب ایک مرتبہ فلک، فلک، فلک کی تین آوازیں آئیں پھر وہ اندر میرا حضرت قائب ہو گیا جیسے یہ سب کچھ اندر میرے سے نکلا اور اندر میرے کی نذر ہو گیا۔ اب ایک اور جو پھر پھر نہ ہوا۔

جس طرح صوم جی کی لوگم ہوتے ہوتے ایک سرخ تختہ بن کر زمین کی کسی طرح آہستہ کے ساتھ دایکس آگے آئے اور صوم جی دو بارہ مل گئی۔ اس طرح آٹھ دن ان کی آگ بھی دو بارہ روشن ہوئی۔

اب میں نے اپنے کتے کی طرف دیکھا جو کتے کے پاس خاص طور پر ڈال رہا تھا۔ میں نے اسے پکار کر اس کی طرف پڑا۔ اس نے اپنے کتے کو اس کی زبان باہر نکلی ہوئی تھی اور وہ سر پر چکا تھا میں جھماکے سے خوف اور ہوش کی وجہ سے مرا خاکین جب ہاتھ لگا تو اس کی گردن کی ہڈی ٹوٹی ہوئی تھی۔ ٹیڈیہ ہاتھوں نے اس کی گردن توڑ دی تھی۔ مجھے اس کی موت پر بہت ہنس ہوا۔ دوسری جہان کی بات یہ تھی کہ میری گڑی بیڈ سائڈ ٹیبل پر صوم جی کی گھنٹا دو بنگلی۔

اس کے بعد ہاتھوں میں ہوا اس لیے کہ جلد ہی صوم جی کو اور صوم جی کی روشنی سے کمرہ اندر ہو گیا۔

مجھے شب تھا کہ جو کچھ میری خواب گاہ میں ہوا تھا اس کو نقل کسی نہ کسی طرح اس چھوٹے کمرے سے جس میں میرا نوکر اور میں کچھ دن کے لیے قید ہو کر رہ گئے تھے۔ جانے سے پہلے اس ملک کو مار کر مرنے لیا۔ اس مرتبہ میرے داخل ہوتے لڑا کر مرنے لگا اور میں نے فوراً ہی باہر باہر داری میں چلا گیا۔ اب مجھے یقین ہو گیا کہ ان تمام محبت اور آسیب زدگی کا مرکز جی میں کھرا تھا۔ جب میں نیچے تر با تھا تو مجھے میرے آگے پاؤں کشمکش کر پلٹنے کی آواز آ رہی تھی۔ جب میں باہر کا دروازہ کھول کر گرومک پر آیا تو مجھے پیچھے سے کسی کی دھڑکنی دی۔

وہاں سے میں سیہ حاسپہ مگر پہنچا۔ وہاں میرے نوکر کے بجائے اس کا کھڑا تھا جس میں اس نے اپنی بیوی اور بھانجے کے ساتھی مانگی تھی۔ وہ انداز کیا تھا کہ اس نے یہ شر چھوڑ دیا۔ اب میں مالک مکان کے مگر پہنچا تو وہ نے مگر یہی حال

گیا۔ میں نے اسے رات کے واقعات بتائے اور اس بڑی عورت کے بارے میں تفصیل پر بھی تو اس نے وعدہ کیا کہ وہ ایک ہفتے بعد معلوم کر کے بتائے گا پھر اس نے کہا۔ "اس مگر کا کیا فائدہ جس کا عقدہ حل نہیں ہو سکا۔"

میں نے اسے بتایا کہ میں اندر پہنچا ہے اور اس کا علاج چل کر رہا ہوں اس پر مل کر بتا کر کہتا رہا کہ کام ہے۔ میرے نزدیک یہ جو سب کچھ ہوا ہے یہ وہم اور غریب فکر ہے جو ایک دانش سے دوسرے دانش میں لہروں کے ذریعے منتقل کیا جاتا ہے۔ یہ میری زندہ انسانوں یا مردوں کے دماغوں سے پیدا کی جاسکتی ہیں۔ اس کے کوڑے کے لیے نہیں بلکہ منظر کی ضرورت ہے۔ جب آپ اس عورت کے بارے میں معلومات سمیٹا کر کہیں گے تو ہم کچھ لاکھ مل بنا سکیں گے۔"

"مگر پھر بھی کچھ نہ بتاؤ میں اس مگر کو کیا کروں گا؟"

"میں آپ کو بتاتا ہوں کہ اگر آپ کی ہیکہ میں ہوتا تو کیا کرتا۔ مجھے پتہ یقین ہے کہ یہ جو چھوٹا کمرہ اس خواب گاہ کے ساتھ ڈھلے قاتل بنا ہوا ہے۔ میں ان شخصوں روجوں کا مرکز ہے۔ آپ انہیں محبت پرے یا سایہ بیکہ خیالی Illusion یا phantom یعنی مراب یا قریب فکر کہہ سکتے ہیں۔ ان روجوں سے چھٹکار پانے کے لیے میں اس کمرے کا جوری ختم کر دیتا۔ یہ کمرہ پچھلے محسن میں خواب گاہ والے کمرے کے ساتھ ڈھلے قاتل بنایا گیا ہے۔ اور اس کا اصل عمارت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ میرے خیال میں اسے مرنے سے لہروں کا کشل ٹوٹ جائے گا اور یہ قصہ ختم ہو جائے گا۔" پھر ایک ہفتے بعد اس کے لئے کاودہ کر کے کر آ گیا۔

پانچویں دن مجھے اس کا کھلا دماغ میں لکھا تھا۔

"آپ کے جانے کے بعد میں اس گھر میں آ گیا۔ وہاں مجھے آپ کے تانے بٹانے سے مطلع ہوا اس صورت کے کمرے میں درج کے خانے سے ملے۔ انہیں پڑھنے کے بعد مجھے اس صورت کے بارے میں پتہ چلا۔ حریف معلومت کرنے پر پتا چلا کہ اس کا تعلق اچھے خاندان سے تھا اور وہ تعلیم یافتہ اور خوب صورت تھی۔ اس کا ایک ہی بھائی تھا جو کافی دولت مند تھا۔ اس کی بیوی بچہ تھی۔ اس کا ایک ہی چچا تھا جو باغیچہ سال کا تھا۔ اس کی وصیت کے مطابق اس کی بہن یعنی عورت اس بیٹے کی سرپرست تھی اور بیٹے کے مرنے کی صورت میں تمام دولت اور جائیداد کی وارثی کی۔ خطوں پر پڑی تاریخ سے ایک سال پہلے اس نے خاندان کی مخالفت کے باوجود ایک ایسے شخص سے شادی کر لی تھی جو اپنے آپ کو کسی بکری جہاز کا چٹان بٹا تھا لیکن لوگوں کا خیال یہ تھا کہ وہ بکری قزاق ہے۔ اس شادی کے تین ماہ بعد اس کا بھائی قتل ہو گیا۔ لوگوں کو شک تھا کہ اسے اس کی بہن یا اس کے خاوند نے قتل کیا ہے لیکن ثبوت نہ ملنے کی وجہ سے انہیں کچھ نہ ہوا پھر یہ ماہ بعد وہ لاٹک چکے تھے کہ ان کے بیٹے مردہ حالت میں ملا۔ عورت اسے اسپتال لے گئی لیکن وہ خانے سے نکال دیا گیا۔ لوگوں کو یقین تھا کہ یہ بھی اسی عورت کی وجہ سے ہوا ہے لیکن پوسٹ مارٹم کے رپورٹ کے مطابق اس کی موت قدرتی تھی جس کی وجہ پکڑوری نشاہت اور خون کی کمی تھی۔ اس بیٹے کی موت کے بعد یہ عورت اپنے بھائی کی دولت کی واحد مالک تھی اور یہ اس وقت اس گھر میں ایک مسز کرانے دار کی حیثیت سے رہ رہی تھی۔

شادی کے ایک سال بعد اس عورت کے خاوند نے ایک بکری جہاز خرید لیا اور سندری سڑ پر روانہ ہو گیا۔ وہ ایسا گیا کہ پھر وہاں نہ آیا۔ بعد میں پتا چلا

کہ اس کا جہاز سندری میں فریق ہو گیا۔ یہ عورت پھر ماں دار کی تین مکانات محل سے نہ نکلا سکی۔ ایک دن اس کا جہاز سندری میں قتل ہو گیا اور اس کی لاش ڈوب کر پھر اس نے اپنا جہاز کیا تو اس کی لاش بھی نقصان اٹھایا۔ لاش کی تو وہ بھی زیادہ عرصہ تک نہ رہ سکی اور آخر کار اسے غریب نے پھیر لیا تھی کہ وہ اس آسپ زہرہ کی باؤس تھیں۔ کئی جن میں وہ بھی اعزازت کر رہی تھیں۔ حقیقت سے یہی تھی۔"

مالک مکان اس آسپ زہرہ کو مرنے کے لیے تیار اور میری شمولیت کا خواہش مند تھا۔ چنانچہ مقرر کردہ دن میں وہاں پہنچا۔ ہم نے حدودوں کے ساتھ مل کر اس جھوٹے گھر کے محبت کو ٹھیکہ بند سے قذوائے ایک جگہ میں پیدا کر دیا جو نیچے سے کسی کمرے کی طرف جاتا تھا اور جس کا نام کسی کو نہیں تھا۔ کہوے کی بھٹی میز پر سے لے کر اتارے تو کھپ اندھا خاندان سے لے کر یہیں کی موسم تیار کیا۔ پڑیں اس کمرے میں تین کرسیاں ایک پیچ اور ایک چنگ تھرا آیا۔ یہ سب مہمان کی تھی ہوئی تھی اور ان کا ڈیرائن غالباً سو سال پرانا تھا۔ میز کے سامنے والی کرسی پر ایک انسانی اعضاء بیٹھا تھا اس کے سامنے میز پر سرخ رنگ کی ایک ڈائری رکھی تھی اس پر ایک ففٹری سو جھوٹی اس میں کوئی سیال مادہ تھا جس سے ایک خاص قسم کی بڑھ رہی تھی جو اعصاب پر اثر انداز ہو رہی تھی۔ اس سے پاؤں کی انگلیوں سے لے کر سر کی ہالوں تک سستا ہٹ محسوس ہو رہی تھی۔ اس ففٹری پر بطور نمونہ کے سیاہوں کی تصویریں بنی تھیں اور سیال مادے میں ایک قلب لٹا حیر رہا تھا جس کی سولی قریب اور کھوم رہی تھی۔ ففٹری کے پاس ایک جیب سا آٹہ رکھا ہوا تھا جس کا ایک سر اجڑا ہوا تھا۔ دوسرے سر پر حیات اور بکری کی کوئی چیز منڈی

تھی۔ ڈھانچے کے ہاتھ میں لکھ تھا اور اس کے ہاتھ کاغذ پر لکھا تھا۔ "آج میرا جشن مکمل ہو گیا ہے۔ ایک تو میں نے لڑائے دو بچے اور دو بچے اپنی کوئی کر دیا ہے اور دوسرے یہ ففٹری مکمل کر لیا ہے۔ میں نے یہ کمرہ کشش محل اور ستاروں کی ہال کے مطابق اس طرح تعمیر کیا ہے کہ خوب گاہک اس کے ساتھ والے چھوٹے کمروں میں ڈرامی رکت کا ڈرامی جنس حتیٰ کہ آواز کا ارتعاش بھی منب لگا کی سونے کا بیٹس اپ بیٹ کر سکا ہے اور یہ رکت کرنے لگ جاتی ہے جس کے زیر اثر ان کمروں میں موجود سٹینڈی لہریں آپس میں کھینچیں اور وہ کئی چھوٹی نظر آتی ہے جس میز پر سے یہ سونے رکت کرنے لگی تھی یہ دونوں درمیں سے جیسے کوئی زلزلہ رہا ہو۔" اس خط کے پچے 1780ء کی ایک تاریخ پڑی ہوئی تھی۔

خط پڑھنے کے بعد میں اس ڈائری کو پڑھنے کے لیے تپ ہو رہا تھا۔ جیسے ہی میں نے ڈائری کے اوپر سے ففٹری کی افغانی تو قلب لگا کی سونے بہت خوبصورت سے کھوتا شروع ہو گئی اور مجھے یوں محسوس ہوا کہ مجھے ایلیٹک شک ہو گیا۔ ففٹری مجھے ہاتھ سے گر کر ٹوٹ گئی اور قلب لگا کر داد دینے لگا۔ اس وقت کہ از رو زور سے بٹنے لگا اور اس کی ایک دو انوٹ کر گر پڑی۔

اب میں نے ڈائری کھولی تو اس میں صرف ایک ہی صفحہ تھا جس پر لکھا تھا: "ہر وہ چیز جو زندہ ہو گیا ہر وہ چیز جو احساسِ داوراک کے قابل ہو پھر وہ چیز مجھے جس ہوئے جان ہو یا نہ ہو حیات ہو اور وہ کمرہ میں موجود ہو اور ان تک یہاں سے کچھ نہ رہی ہو تو ان پر ہر اور اس قابل نعت گھر پر میری بد دعا پائی ہو اور اس میں رہنے والے بے یقین بے قرار مکمل و خوار ہوں۔"

## ماں کا دل

جب میں بچی تھی  
جب میرا دل شیر جتنا تھا  
مجھے کوئی ڈارو گھر تھی  
جین اب!  
جب میں بکھرا ہوں تو.....  
میرا دل چاہتا ہو گیا ہے  
جب تک سب کچھ نہیں جانتا  
جب تک  
مجھ پر اک خوف طاری رہتا ہے  
کہ تکلیف مجھے ملے اس سے نہ ملے  
کہ ادا تھی۔

ماں کا دل چاہتا ہوتا ہے۔؟

نیچل مینٹلو

## دو گیسو کی گلی

میں یہ سارا مسخر کر نگہیں سے دیکھ رہا تھا۔ مرنے لے اپنی چوچ سے ٹوکر اٹھا دیا اور اندر داخل ہو گئی۔ وہ کوئی پٹا بھٹکا ٹوکر نہیں بلکہ میں بھلو دڑتی تھا۔ اس مسخرے میں ایسا خوف زدہ ہوا کہ۔

**ایک عجیب و غریب مرنے کا قصہ سن کر ایک شخص نے اس سے خالی ہاتھ لیا**

یہ چند روزہ سال پہلے کی بات ہے اس وقت میری عمر نو سو سال رہی ہوگی۔ وقت اتنی جلدی سے گزرتا کہ پتہ ہی نہیں چلا۔ اجماعت بھی کیسا پرندہ جو اڑن چھو ہونے میں دیر نہیں لگا تا بس اتنی تیزی سے پر پڑ پڑ پڑا ہوا آگے آگے چلا جاتا ہے کہ انسان کو پیچھے مڑ کر دیکھنے کا موقع ہی نہیں ملتا۔ میری زندگی کا وقت بھی ایسا آؤا کہ کچھ ہی نہیں چلا کہ کب میری عمر کے چند روزہ سال بیت گئے میرا حال کب باقی تھا اور مستقبل کب حال اس کے بارے میں آج سوچا ہوں تو حیرانگی ہوتی ہے۔ ارے یہ بھی کی تو بات تھی بات تو ابھی کی تھی مگر اس ابھی میں کی سال گزر گئے۔ وقت کا پرندہ آگے پرواز کرتے وقت اپنے پیچھے باقی کی ایک ایک ہول چھوڑ جاتا ہے جس کی گرد میں کچھ صاف دکھائی نہیں دیتا جس دھندلا دھندلا سا مسخرہ رہ جاتا ہے۔ کسی بار میں نے اپنے باقی کی ہول میں کچھ تلاش کرنے کی کوشش کی تو بہت کچھ چاب ملا۔ کئی باقی کی یادیں اور تاریک واقعات سامنے آ گئے۔



یہ واقعہ بھی ماشی کی رات میں ہوا تھا۔ چند روزہ سال قبل اس واقعہ پر میرے دو گھٹے کڑے ہو گئے تھے۔ دل مانتے یا نہ ماننے کی کیفیت میں اس وقت بھی تھا اور شاید اب بھی ہے مگر اس کی حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا۔

ان دنوں بھاری گلی میں ایک چھان پاپا اکڑ آیا کرتے تھے۔ گڑھی کی ایک چھوٹی سی ریز بھی پر وہ چھان پاپا بچوں کی کھانے پینے کی اشیاء اور کھلونے بچا کرتے تھے۔ وہ تازہ لگتے ہوتے وہ جیسے ہی بھاری گلی میں داخل ہوتے تھہ سست لگی اپنے بھانجے ہوئے ان کے پاس پہنچ جاتے اپنے ہاتھوں میں ایک دو روپے کے سکے لیے سارے بچے ان کے چادر گردہ بیچ ہو جاتے اور مختلف چیزیں دیکھ کر فریاد کرتے۔ وہ ہفتے میں دو تین بار ہی بھاری گلی میں آتے تھے سب کے سارے بچے بے چینی سے ان کا انتظار کرتے تھے۔ ان کے آنے پر ہم سب اٹا اور دم چائے کا لٹھ مٹائی۔ مگر خان بابا بھی بھی ہم کو ڈانٹنے نہیں تھے بلکہ ہمیشہ چارے بات کرتے تھے۔ مجھ

میں تو انہیں بہت لگاؤ تھا۔ اگر میں کوئی چیز لینا تو ایک اجیز کی اضافی دے دیتے۔ وہ سہرے پر گواتے اور ہم ہونے سے پہلے ہی چلے جاتے تھے۔ جب تک وہ بھاری گلی میں ہوتے سارے بچے ان کے ارد گرد ہی مڑلائے رہتے تھے۔ وہ ہمیں بڑھائی کی تھیں کرتے تھیں اور چلی کے فرق کے بارے میں کہتے۔ چھان بابا خود بھی بڑے نڈر اس تھے۔ ان کی شخصیت بڑی سادہ اور پر وقار تھی۔ مگر سفید دھڑکی سفید لباس اور سر پر سفید ہیٹ پر وقت میں جوہر دھڑکی کی۔ وہ بی بی باتوں کے علاوہ وہ ہمیں کئی سبق آموز باتیں بھی بتاتے۔ اپنی جوانی کے دلچسپ قصے بھی سناتے۔ وہ جوانی میں فوج میں ملازم میں اپنی فوجی زندگی کے بارے میں بھی وہ بہت کچھ بتاتے۔ ان ہی میں یہ واقعہ تھے میں کہانی کی صورت میں خوشی کر رہا ہوں اس واقعہ کو یاد کیجیے۔

میں فوج میں ملازم تھا اور پنجاب کے علاقے میں تعینات تھا۔ میری ڈیوٹی آفیسر رئیس میں ہوتی تھی۔ میرا کام بس اتنا تھا کہ کھانا وغیرہ تیار کیا اور کارخانہ ہو گئے۔ رئیس پر ریش میں جواڑے ملتے تھے وہ یا تو خراب ہوتے تھے یا پھر مشکوک نظر آتے تھے۔ بہر حال میں جو کچھ تھا وہی تیار کر کے کھلا دیتے تھے۔ میں نے سوچا کہ اگر میں اپنے ذاتی کھانے کے لیے مرنے کو نکال دوں تو چند دن میں وہ اڑے دینے لگے گی۔ اس طرح میرا آسانی میں دینی اڑے کھا سکتا ہوں۔ اسی سوچ کے تحت میں نے دیہات سے ایک سیارہ مرنے 35 روپے میں خریدی۔ اس کے لیے ایک ٹوکرا بھی بنانا پڑے گا کیا اور ایک پانی کا برتن تو کوسے کے اندر رکھ رکھ کر رکھ کر گھبراہٹ کرنے لگا۔ مرنے کی وقت پر وہ اندر نہ نکلا تا۔ اور اس کی دیکھ بھال کرتا۔ جب مرنے اس ماحول کی عادی ہو گئی تو اسے ٹوکرے سے نکال کر کھلا چھوڑ

دیتا۔ اس طرح وہ ہیں کیوں کے روزگار محم ہجر  
لکھی اور اپنے مقررہ وقت پر واپس آ جاتی تو میں اسے  
نوکر سے گندہ بند کر دیتا۔

مرفیوں سے اٹھنے حاصل کرنے کے لیے  
ایک دوسرے کی ضرورت ہوتی ہے مگر میری جیب  
اجازت نہ دیتی تھی کہ میں ڈیڑھ روپے کے اٹھنے  
کے لیے ایک دوسرا شرطیں لوں۔ کافی سوچنے کے  
بعد میں فیصلہ کیا کہ میری کوئی مٹائی دینے کی  
ضرورت نہیں ہے وہ خود سٹائ کر کے وہاں بھی  
جائے گی جہاں کوئی مرغ رہتا ہو یا اگر وہ اپنی چالاک  
ہوتی تو مرا خود اس کے پاس بن جائے سہان بن  
کر آ جائے گا۔ بہر حال میں نے اس مسئلہ کو  
غیر ضروری سمجھا اور میری کاس کے حال پر چھوڑ دیا۔

چند دن کے بعد مرفی نے اٹھنے دینے شروع  
کر دیئے۔ جس میں صبح کو کرا اٹھا تو اس میں ایک  
خوش صورت اٹھ اٹھا تھا۔ میں اسے اٹھا لیا اور رکھ کر کے  
کھانا کھاتا۔ مرفی اٹھنے سے پہلے ہی وہاں میں بدستور کھانا ہوا۔  
ان دنوں میں مختلف نوعیت کے مساک میں بھرا  
رہتا تھا۔ کوئی نہ کوئی کھریا پر بیٹھتی میرے دائیں کمر  
دائیں کی۔ ایک روز مجھے خیال آیا کہ کیوں نہ کسی  
نزدیکی میں بغیر صاحب کے پاس جا کر اپنے مساک  
جان کر دوں۔ میرے اٹھ کر کام پڑ جاتے تھے چنانچہ  
ایک دن میں ایک کمر کے پاس جا پہنچا۔

میں نے ان کو اپنی ساری روداد بیان کی کہ  
میرے مال کو کام ہوتے ہی نہیں ہیں۔ اگر ہوتے ہیں  
تو بک جاتے ہیں اس لیے میں اکثر بیٹان رہتا ہوں  
اور ان کو مل کرنے کی مجھ میں طبعی طاقت نہیں ہے۔  
میں ان تمام مساک کا مل جاتا ہوں۔

مرفی نے میری پہلی بات سن کر مجھے غم دینے  
ہوئے کہا۔ ”تم چاہیں روز کا چل کر مگر غنا بچ گا  
کی پابندی لازمی ہے اور ہمیشہ باوجود بھی رہنا ہوگا۔“

اگر تم چاہیں روز کا چل کر مگر غنا بچ گا  
تو بک جاتے ہو گا کہ تم کو یہ بتا دوں کہ میں اس کام  
میں تھکاؤ کو انجام نہیں حاصل ہوگا۔“

مجھے یہ صاحب کی بات بہت پسند آئی۔ میں  
نے ہمہ ارادہ کر لیا کہ اس طرح ایک دو میں پانچ وقت  
کا نماز ہی بن جائے گا۔ اس کے علاوہ مجھے مگر کاری  
کام سے بھی بچنا پڑے گا۔ چاہے گندہ میرے سامنے  
میرے حصے کا کام ہی کر دیں گے۔ سوچ کر کہ وہ تو  
چلے پریشانے اس لیے اس کو شرب نہ کر دو۔

لیکن کر پر ورام کے مطابق اپنے کیمپ میں مصلہ  
ڈال کر شرب سے ہی چلے پریشانے گا۔ میں وقت پر ہر  
نماز پڑھتا اور وقت پر ہی مجھے کھانا مل جاتا تھا۔ مرفی  
بھی وقت پر آ کر میرے بغیر دھلے پڑے لے جاتا  
اور دھلے ہوئے دے جاتا۔ مرفی کا نوکر بھی افکار  
میں کیمپ کے اندر لے آیا تھا۔ کیمپ سے مرا میرا وہ  
خفیہ ہے جو ہاتھوں اور دھیلوں کے ڈھیر پر ہوا کہ  
”کیمپ“ بیان میں بیک کی حالت میں باجی مشینوں  
کی حالت میں افکار قیام کرتے تھے۔ اس خفیہ کے  
اندھ بہت کے ساتھ ہی سے لاشیں لگا دی جاتی تھیں  
تا کہ وہ مرفی کا انتقام لے۔

دن ہی اس طرح گزرتے جا رہے تھے۔ میں  
نہایت ہی قوت سے چل کاٹ رہا تھا۔ میرا زیادہ تر  
وقت اپنے مصلے پر ہی گزرتا تھا۔ جب رات حاجت  
وغیرہ کی ضرورت ہوتی تو میں خفیہ چلے افکار  
باہر چلا جاتا پھر باجی سے بات کیے خوش کر کے  
واپس اپنے چلے میں مصروف ہو جاتا۔  
یہ صاحب نے چلے کے متعلق دیابت لایا  
ہوئے مجھے بتایا تھا کہ چلے کے دوران تمہارے  
ساتھ مرفی معمولی حالات ہیں۔ انہیں گہنڈا ان کی  
پر وہ کیے بغیر اپنا دھیان چلے پر مرکوز رکھنا۔ بصورت

نہ کام رہو گے۔ میں نے ان سے کہا تھا کہ ہم  
قوی لوگ جس بات کا ارادہ کر لیں اسے ضرور پورا  
کرتے ہیں خواہ انجام بکھا ہی ہو۔

چلے کے دوران وہ کالی مرفی حسب معمول  
اٹھنے دیتی رہی اور میں کھانا باجی بغیر دھلے جب  
میں اٹھ کر اسے سے اٹھاتا تو وہ چونچ مار کر اسے کو  
میرے ہاتھ سے لینے کی کوشش کرتی مگر میں اٹھا  
لیتا اور کھانا جاتا۔ اس طرح میرے چلے کے پختیس  
دن مکمل ہو گئے تھے اور محض چلے دن بچا تھے۔ میں  
روزانہ دن گزارنے کا حساب رکھتا تھا جس طرح  
آپ کوئی دیکھ کر دکھایا جاتا ہے کہ اسے روز خشن  
آزادی ہوگا جانتے روز بعد اس کے ہونے روز خشن  
آپ کو ذہن نشین کر دیا جاتا ہے اس طرح میں اپنے  
چلے کے گزرتے دنوں کا حساب رکھتا تھا۔

ایک رات میں میں عجیب الجھن لگائی۔ جہاں  
آفسر وغیرہ کا کھانا پکنا تھا وہاں سے ہندوں کے  
پلڑ پڑانے اور لوگوں کے بھاگنے کی آوازیں آنے  
لگیں لیکن میں نے کوئی توجہ نہ دی اور اپنے مصلے پر  
چلے میں مصروف رہا۔ بعد میں مجھے باہر ہونے  
والے بنگلے سے متعلق پتہ چلا کہ مرفی کو میں  
نے شام اپنے نوکر سے میں بند کیا تھا وہ اپنی ہوتی  
تو مجھ والے خفیہ دیکھ کر اس کے درخوں سے ہوتی  
ہوتی اس میں بر آن کر گئی تھی اور وہاں موجود رہتی  
کے کھوے وغیرہ کھانے کی بھی پڑے گا اس کا رنگ سیاہ  
قہاس لیے اندھ میرے میں ان لوگوں کو پہچاننے میں  
مشکل ہوتی کہ وہ کیا شے سے جرات کی تار کی میں  
”درخوں سے پلڑ پڑاتی ہوتی میں سے قریب آ کر  
گئی ہے؟“ آخر ایک فوجی افکار اس نے قریب جا  
کر مرفی لائٹ کی روشنی میں اسے دیکھا تو حسب علم ہوا  
کہ میری مرفی سے چونکہ میں تو چلے پر بیٹھا ہوا تھا اس  
لے اس کو پکڑ بھی نہیں سکتا تھا لہذا اس فوجی نے اس  
مرفی کو پکڑنے کی کوشش کی مگر مرفی وہاں سے اڑ کر

اگر!

☆☆☆

اگر جہیں مجھ سے شکایت تھی  
تو پھر مجھ سے کہا ہوتا  
”جہیں آؤ وہاں نہ جتا  
نظر کرے میں بند رہتا  
یہ سوچا ہے ابھی میں نے  
بھی ایک مل نکالا ہے  
تمہارے محلہ جاؤں گا  
جہیں ایک دن ملاؤں گا  
میں سب بھیج دلیٹ کر دوں گا  
میں ان زخموں کو بھر دوں گا  
غیروں سے کہا تم نے  
بھی مجھ سے کہا ہوتا  
تمہارا مان رکھا میں  
عجب ہی شان رکھتا میں  
ندر سے میں بھی آؤ  
نہ کالج چھوڑنے جاتا  
اسے مجھ سے کہا ہوتا

☆☆☆



صفیہ سلطانہ مغل





"اس جی کی چڑیا مار گئی جیب میں رکھیں۔ مجھے اپنے جال میں پھنسانے کی کوشش نہ کریں۔ پامس  
سند کیٹ میں واقعہ آدھی ہوں جو چیخ کے اسل ۱۰ اور چہرہ سے واقف ہے۔"

"تم قلم دست چڑھ رہے ہو سالی شیر خان میں ہوں اس نے دھوکے سے میرا چہرہ خراب کیا اور پھر منہ  
کھلا کر میرا گھونٹا خراب کر دیا۔ میری دکان کا نام چاند کا منہ تھا اس نے سنڈ کیٹ کا راز معلوم کیا پھر میری گری  
پر آکر مجھ کی سب میرے پاس وہ چہرہ ہے اور نہ وہ آواز جس کے ذریعے میں تم کو گھبراہٹا چاہا وہ قلم دست تھا۔"

"اور کچھ کہتا ہے؟" اس نے ہماری رائے کی جانب دیکھا۔  
"مجھے کچھ کہتا ہے۔" آصف نے گھڑی۔

"تم کیا کہتی تھم خود ہی دھوکے پانے کے جال میں پھنسی ہوئی ہو۔" اشتقاق طرکے بغیر نہ رہا۔  
"یہ فیملی انہی ہو جاتا ہے کہ ان جال میں پھنسا رہا ہے۔"

"یہ بات تو تم فون پر اپنی جال کی سے جانتی تھی۔"

"خدا میں انکل کا جملہ تھا کہ میں مار کر جلد ہی اپنی ریاست واپس لے لوں گا۔ کیا تم نے اس جملے پر غور کیا۔  
انہوں نے سنڈ کیٹ کے لئے فقط اپنی ریاست کا استعمال کیوں کیا؟"

"اشتقاق خاموش رہا۔ اس کے چہرے پر آئی تبدیلی نے بتا دیا تھا کہ وہ کسی میں پڑ گیا ہے پھر بھی وہ کھوٹے  
لچھے میں بسے بغیر نہ رہا۔" کیا سنڈ کیٹ کو اپنا گھبراہٹ دینے سے وہ اس کی کلیتہ ہو گئی؟"

"میں صرف اتنا سوچنے کی انتظار کر رہی ہوں کہ انہوں نے کیا کیوں کیا؟"

"اس لئے لکھا کہ تم اس جملے کو بغور دیکھنا راستہ لے کر سکو۔ مجھ جیسے لوگوں کو سنڈ کیٹ سے فدا داری پر  
اکسا سکو۔"

"مطلب؟"

"خدا اس نے لکھا۔" اشتقاق نے اگلی سے انکل کی جانب اشارہ کیا۔ "لیکن الفاظ تمہارے تھے۔ تم نے  
جان بوجھ کر خط میں فقط اپنی ریاست کا استعمال کیا ہے۔"

"یہ تمہارا خیال خام ہے۔ سچائی؟ ہم کو کی نہیں۔ وہ حقیقت وہ فدا انہوں نے ہم سے مشورہ کیے بغیر لکھا اور اس  
پر اپنے پیسہ دم میں رکھائے تھے۔"

"موت؟"

"ثبوت کچھ دیکھو پہلے کا واقعہ ہے۔" آصف کھتی پٹی گئی۔ "تم نے دیکھا کہ ہم نے اس پر عمل درآمد اس وقت  
تک نہیں کیا تھا جب تک حقیقت کا پتا نہیں لگا لیا اور یقین دلایا تم نے تمہاری باتوں نے۔"

"وہ واقعہ ڈرامائی تو ہو سکتا ہے۔"

"ڈراما اس لئے نہیں ہو سکتا کہ ہمیں تمہارے جواب کے مطابق خبر نہیں تھی۔ ہمیں کیا معلوم تھا کہ تم کس سوال  
کا کیا جواب دو گے۔" اشتقاق کا جواب ہو گیا۔

"میں یہیں پہنچی تھی تم میری باتوں پر سو فیصد یقین کرو لیکن یہ ضرور کیوں جس کی طرح اپنی کوشش سے ہم نے  
سچائی تلاش کی ہے تم بھی کوشش کرو۔"

"اس بدھل آدمی کے پاس کیا ثبوت ہے کہ یہ سلی شیر خان ہے؟"





میں سچائی تیار تہ ... "اس نے گرمی وار چاقو نکالا کڑکڑاہٹ کی آواز سے کرا کوئی اٹھا۔" میں اسی چاقو سے تیری کھال اتار دوں گا۔ یاد ہے تو نے بھی میرے ہاں کی کھال اتاری تھی۔ اب میں اس وقت تک اذیت دیتا رہاں جب تک تمہیں نے فوٹو کی لٹائی نہیں کر دی گی۔ آج وہی دن رہا میں میرے ساتھ کھیلوں گا۔"

"یقین کر راحت میں ہے تصور ہوں۔ شرعاً میں کرنا انتقام ملے رہا ہوں۔"

"کیسا انتقام؟" راحت نے چہرے کی دھار پر اٹھلی میری۔

"میں بھی تمہاری طرح انتقام کی ایک میں ہلا کر رہا تھا۔ میں نے مثل کا استعمال کیا اور موقع ملنے ہی شیر خاں کو بوجھ لیا اور پہاڑی علاقے کی ایک نکل میں لے گیا اور اپنی بیٹی کے پیرو بننے کے انتقام کے لیے اسے اگا تار چڑھایا کہ وہ مقدر ہو جائے۔ اس کی آواز سمجھنے کی جا کر اس کا پیرو بھی گاؤں آیا۔ میں نے اسے مردہ جگہ کر چیک کر لیا تھا کہ وہ خست جان لگا۔ زندہ مردہ کیا اور دوبارہ میرے مقابلے کیا ہے۔"

"اس کا مثل نام؟"

"سبیل۔ سبیل اختر؟"

"جوت؟"

اس بھاری میں وہ دلچسپ ہے۔ اتفاقاً کو بار تک میں نے اسے شاک نہیں کیا ہے اس میں وہ تصویر بھی ہوگی جسے یقیناً تمہارا سہا بنے ہوگی۔ اگر سچ بیان کہتے ہو تو بچپان لو۔"

راحت اس بھاری کی جانب بڑھ کر آؤ اڑھوئی اور ایک اہم نکال کر اس میں بھی تصویر رکھی۔ فوٹو دیکھنے کے بعد بولا۔ "ہاں یہ تصویر میرے ہاتھ تھپی ہے۔ ان کے کمرے کے کینس پر لگا مائل تھا جس کو کس تصویر میں بھی نظر آتا تھا۔ وہی کس اس تصویر میں بھی ہے۔ پھر اس نے صفحہ پلایا۔ مختلف سنی کی متعدد تصاویر تھیں۔ ہر تصویر کے پیچھے کسا تھا شیر خان۔ میں۔۔۔ شاہجہاد کی سربراہ کی شناخت تھی۔

"اب تو مجھے سیدھا کر دو۔" عثمانی گڑ بویا۔ راحت نے اہم بند کر کے کہا۔

"تمہیں فی الحال یہ ممکن ہے۔"

"نہیں کیا نہیں ہوگا۔ ہم دونوں سبیل کے خلاف ایک ہی آگ میں جل رہے ہیں۔ دشمن کا دشمن دوست ہوتا ہے۔ اس حساب سے ہم دوست ہوتے۔ یقین رکھیں کہیں کوئی نقصان نہیں پہنچاؤں گا۔" عثمانی ایک ایک کر بولا۔

"جرات سے مارے راز جان چکا ہے اسے تم زندہ نہیں چھوڑ سکتے لیکن میں ایک فوجی ہوں۔"

"تم فوجی ہو؟" عثمانی نے اس کی بات کاٹی۔

"ہاں میں ایک فوجی ہوں۔ جس وقت میں جان کی بازی لگا کر دشمن کر بیچے دیکھ کر رہا تھا اپنے ہم وطنوں کی حفاظت میں بیٹھ رہا تھا۔ ابھی تو میں نے خبر لی کہ میرے ہی کیم دشمن نے میرے کمر کا چاؤ دیا ہے لیکن اس وقت دشمن کی حفاظت مقدم کی اس لیے ہوش بھانڈوں سے بچنے نہیں آزا اب لوٹا ہوں تو کھانگوں سے دو دو ہاتھ کے پٹیرے نہیں کھائے گا۔ اسی لیے تو میں جرم کی دیماں آیا۔ لیکن تم نے فراموش نہیں فرمائی ہوں۔ زبان کا دشمنی تمہاری جان نہیں لوں گا۔ جانتے وقت یہ چاقو دے جاؤں گا۔ تمہارے ہاتھ آؤ زوڑ ہیں۔ مجھ نے ہوسے آگے بڑھا کر اپنا پھر کمر سوز کر کے کاٹ لیا تب تک میں تصور کے ساتھ باہر نکل چکا ہوں گا۔"

"ہیں کیا کرو گے؟"

"یہ میری فحاش ہے۔ جب تک میرے پاس رہے گی تم پر خوف طاری رہے گا کہ میں کبھی کو تصویر دکھا کر بین الاقوامی ہوں۔ پھر اس کے سہارے تو میں اسے آٹھ گروں گا۔"

"مگر اب تو اس کی شکل بدل چکی ہے۔"

"اس تصویر کے سامنے دو تصویریں ہوں گی تیس ایک میں گورت بھی ساتھ ہے۔ یقیناً یہ اس کی بیوی ہوگی۔ یا پھر کسی لکی گورت جسے وہ دنیا والوں کی نظر سے بچا کر رکھنا چاہتا ہوگا۔ حفاظت کا یہاں مستقل انتظام بھی تو ہے۔"

"ہاں وہ اس کی بیوی ہے۔"

"تو یقیناً اس کے لئے یہ تصویر کافی قیمتی ہے۔ میں انبار میں اشتہار دوں گا۔ انبار میں اس کی تصویر ہوگی کہ چوسو دوسری تصاویر کے ساتھ مجھے رو پڑنے کی جی ہے جن میں صاحب کی بچہ کر لے جائیں۔ وہ دوڑتا ہوا پیچھے گا اور میں اسے سرخ سی کے مطابق سزا دوں گا۔"

پھر اس نے چاقو ڈھکیں پر رکھا اور باہر نکل آیا۔ وہ اندر والے دو دروازے سے باہر گیا تھا میں باہر والے دروازے سے نکل کر کمرے پر پہنچا گیا تھا۔

میرے دماغ میں طوفان مچا رہا تھا۔ میں نے اس جتنی کے تہہ دیکھے تھے۔ وہ تو تھا۔ زبان کا کیا تھا۔ اس نے کمر کھائی ہے تو سبیل انکل کو ختم کر کے ہی جینے کا بیٹھنے کا۔ میں بالکل گرہ گیا تھا۔ ایسی حالت میں انکل کو تانا کھینچے بھی کہیں۔ میں نہیں سہا پار تھا۔ اس شخص میں بظاہر پہنچاؤ آؤ منہ کمال اور صادق تیار بیٹھے تھے۔ مجھے دیکھتے ہی آؤ منہ نہ کہا۔ بڑی دیر کا وہی "ہم جی اشتیاق" سے ملنا چاہتے ہیں۔"

"ل آؤ۔" میں نے جواب دیا۔

"کیسا ایک بندہ کرتا ہے۔ گلاشن کوف تیار ہے۔ انکل چلا میں گم صرف کرو دیا ہم باہر نکل آئے۔ کار باری کی۔ انکل کبھی سیٹ پر بیٹھے تھے۔ ان کے ساتھ صادق تھے۔ میں نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی۔ آؤ منہ میرے پیرو بن کر چلے گئے۔ اشارہ دینے ہی میں نے انکل کی آؤ منہ کو دین کے انکیشن میں چلی گئی۔ آؤ منہ نے جان بوجھ کر اپنی بڑھادی ماگ اٹھا اور پھر دین کمان سے اٹھ کر تیری طرح سڑک پر دوڑتی چلی گئی۔ میں نے جان بوجھ کر اپنی بڑھادی خمی۔ جگہ جگہ پر کس والے گاؤں کو روک کر رکھا لیٹے تھے۔ کبھی کسی موہاں نے روک لیا تو کہہ دیا کہ وہاں سچو میں رہی تو رکتے رہے کبھی کسی گاؤں تک دور کے۔ اپنی دوڑا کر چیک کر لیض وقت ان کے لیے ناممکن ہوتا ہے ایسی حالت میں وہی بائیں ہاتھ پر چلی ہیں۔ یا تو جانے کی اجازت دے دیتے ہیں یا پھر نصرتارے کے لئے ایک ایک کی بجائی کی جوائی لیتے ہیں۔ اگر سڑکی کی گولیت آتی ہے تو ہاتھ تو ہاتھ کے راستے سے کبھی سوچ کر میں نے سچو بڑھادی کی اشتیاق کی بات سے راستے میں نہیں بھی موہاں سے گراؤ نہیں ہوا اور ہم اشتیاق کے کھلے میں کھینچے گئے۔ کس کمر میں چند قدم کے فاصلے پر ایک ما کبڑ تھا۔ اس جڑ کے بچے ایک شخص کڑا تھا۔ اس نے انہیں میں فہرے سے قائم رکھے تھے۔ دور سے وہ فہرہ بیٹھے والا نظر آ رہا تھا۔ میں نے اس کے قریب پہنچ کر اپنی بڑھادی کی۔ اسی وقت انکل نے کاشن کوف کی ٹال کڑی سے باہر نکالی۔ رت رت کی مخصوص آواز ابھری اور

غبار سے بالآخر حاکم گیا اور اس پاس کی زمین خون سے سرخ ہو گئی۔ میں نے ہمارا پیٹہ تیز کر دی۔ کافی آٹے تھے کو بعد دوسرے راستے پر مڑا اور پھر واپس ہو گیا۔ اشتقاق والی گلی کے دوسرے سرے پہنچ کر دوڑ کر صوفی گھر میں سب اتر پڑے۔ انگل نے سیٹ کے پیچ کلاشن کوف چھپائی اور ہمارے پیچے پیچے چلے گئے۔ گلی کے آخری سرے پر اشتقاق کا مکان تھا جس کے دروازے پہنچ کر میں نے دنگ دی۔ دروازہ کھل گیا۔ سامنے ہی اشتقاق کھڑا تھا۔ ہمیں دیکھتے ہی مسکرا اٹھا۔ ہم باہر داخل ہوئے۔ اس نے دروازہ بند کیا اور بولا۔ ”کیسے گئے آج ہوا؟“

”بس چلے آئے اچھی ساؤ!“

”بحر صادق بولی“ ہم نہیں لینے آئے ہیں۔“

”لیکن باہر تو سنڈکیٹ کے لوگ ہوں گے۔“

”تم فکر کرو۔ ایک بندہ تھا جواب جنم میں بیٹھا جلدی آئے کا مقصد یاد رکھو گا۔“

”اگر۔۔۔ چلے۔“

اشتقاق کی آنکھوں پر ہم نے نئی پانچوڑی۔ اسی حالت میں ساتھ لے کر کم پٹے پر پہنچے۔

پٹی کھلنے ہی اشتقاق نے کہا۔ ”راستے میں تو میں نے کچھ کہا تھا مگر اب کتنا چاہتا ہوں لکھا جائے تک آپ لوگوں نے مجھ پر یقین نہیں کیا۔“

جھوٹ نہیں بولوں کی اشتقاق! ”آصف نے کہا۔“ تم پر پورا بھروسہ نہیں کر پائے ہیں اور کچھ پھو تو ابھی تک بھروسے کی بات بھی سامنے نہیں آئی ہے بلکہ تم کچھ داری نظر آ رہے ہو۔“

”میں سمجھا نہیں۔“

”ہم سائنسی دور میں مائنس لے رہے ہیں۔ الیکٹرونکس کے سامان عام ہیں۔ مائنس ایسی چیزیں پائمانی مل جاتی ہیں جنہیں پہلے لوگ جادو سمجھتے تھے۔ اب یہی دیکھو۔“ کہتے ہوئے اس نے اشتقاق کے کٹ کا کارڈ بچل

جانب الٹ دیا۔۔۔ وہاں کا کارڈ ہے کچھ چھوڑا ہوا تھا جسے الال کر آصف نے پھیل کر رکھا پھر بولی۔

”اسے پہچانتے ہو؟“

”یہ کیا ہے؟“ اشتقاق نے پوچھا۔

”الیکٹرونکس کا کال یا ایک ایسا ٹانگ ہے جس کے ذریعے دو ڈھائی کلومیٹر کی رینج میں ایک خاص شدت پر

تھماری باتیں کی جاسکتی ہیں۔ یہ آکر چائین کی ایک مشین کو مٹی نے تیار کر کے لارڈنٹ میں بھیجا ہے۔ اس کی

خرچہ داری صرف سو کوئی سا رہے ہوئی ہے۔ مگر یہی ہم نے حاصل کر لیا ہے۔ اس کے ذریعے کچ کی کئی باتیں سنو گے۔

لو سنو۔“ کہتے ہوئے آصف نے نیپ دیکھا ڈان کر دیا۔

مجھے بھی حیرت کا شہدہ چھٹا کمانی اہم بات مجھ سے چھپائی گئی تھی مگر میں نے کچھ نہیں کہا اور بہتر

کوش ہو گیا۔ نیپ دیکھا ڈے پہلی آواز اشتقاق کی سنائی دی۔ وہ کہہ رہا تھا۔ ”کیل کا استحقاق لینے کے لئے میں

نے دو سال پرانے واقعے کا ذکر کیا۔ اس واقعہ کا جب پتہ آکر کونسی طاقت میں ہو پس آپ کے پیچھے گئی

گئی اور آپ کا ادھار کوئی سے ڈنگی ہو گیا تھا۔ میں نے اس سے دھانیا تو رکھا تو کچھ تو بلیں جھانکے گا۔“

# مکھنی

ارشد علی ارشد کے قلم سے

ایک ایسا ناقابل فراموش سلسلہ جو قارئین

نے پہلے کبھی پڑھا نہ ہو گا۔

بہت جلد **مکھنی** کے صفحات پر

دوسری آواز بھری۔ "لیکن سر وہ بہت جلاک ہے۔ اس نے نورانی تاویل پیش کر دی۔ کہنے لگا وہ نشانِ نور  
 میں چلا سنگسرجی کے ذریعے شرم کروا کر قاضی وقت جب میں شیر خان تھا۔"  
 "حیرت ہے بٹاؤر کی بات تمہارے کیسے معلوم ہو گئی؟"  
 "ہوسکتا ہے کہ یہ بات آپ نے بتائی ہو۔ اور کیجئے۔"  
 "ہاں یاد آ گیا۔ میں نے ایک روز اسے بتایا تھا لیکن میں اس بات ذکر نہیں کرنا چاہتا تھا۔"  
 "میں اسے چھانستا جا رہا ہوں۔"  
 "کیسے؟"

"چکھون بعد وہ خود مجھ سے یہ جاننے کے لئے ہالہ کے گھر گئے جانی جانے کی میری کوشش کیا نتیجہ کیا نکلا۔  
 میں ان کی بات میں اس ملاوٹ کا کیوں کیا کچھ کوشش کے بعد اس نے مجھے پرکھنا ہوں کہ شیر خان کون ہے۔"  
 "کوئی خاص اسکریم ہے کیا؟"  
 "یہی سیدی اسکریم ہے۔ انہیں یقین دلا کر ان کے ساتھ شامل ہو جاؤں گا اور انہیں پرسل راستے کے

ذریعے پرانے روٹ پر دم تک لاؤں گا۔ ایسا راستہ ہے جس کے بارے میں آپ نے مجھ پر یقین کر کے بتایا تھا  
 مگر انہوں نے مجھ پر یقین کر لیا تو یقیناً چکس چکس گئے۔"  
 "آصفہ میڈی ٹریڈیو جین ہے مجھے یقین نہیں ہے کہ وہ سانی سے پھنسے گی۔"  
 "میری گمراہی ہوئی کہانی اور ملاوٹ کا یہی اسے یقین دلا دے گی۔"  
 "یہ اسکریم خطرناک ہے تمہاری جان بھی کھاتی ہے۔"  
 "سنڈ کیٹ کے کوکوں کو کہتے ہوئے گھر کے علیہ آپ ہی نے دی ہے سر۔"  
 "ایک اسکریم اور ہے۔ تم کسی طرح قلفند کو تھوڑا کھیر خان میں ہوں۔ وہ میری بیٹی ہے۔ میرا نام سننے ہی وہ  
 سرخڑی گاڑی لگا دے گی۔ یہ میرا دھوکا ہے کہ اب تک نہیں لے آئیں جو کہ چلنا ہوگا سب نہیں ہو جائے  
 گا۔ قلفند اس دم کر لے گی۔"  
 "تمہیک ہے میں انہیں یہ انتظار میں دوں گا۔ آپ اس پختی کریں تاکہ وہ اس کے گرد سے نکل  
 آئے۔"  
 "در اصل سنڈ کیٹ کے دشمن کو میں اپنا دشمن سمجھتا ہوں وہ میری بیٹی ہے تو کیا ہوا سنڈ کیٹ کے خلاف ہے  
 ایسے میں نے اس پر اپنے گھر کا دروازہ بند کر لیا ہے۔"

"ایک سوال پوچھوں؟"  
 "ہر گز؟"  
 "سبیل کا پتہ کیا ہے؟"  
 "مگر قمر نے ہالہ کے لئے کوشش کر رہے ہو کہ اسلی شیر خان کون ہے۔ میں یا سبیل تو میں اپنا دروازہ بند کر دیا  
 جہاں کوئی بھی نہیں آتا۔"  
 "تمہیک یا تمہیں کہہ رہے ہیں مگر ایسی بات ہوئی تو میں ان سے ملاقات کی بات کرتا ہوں۔"

"تمہیک ہے ہالہ۔"

اس کے بعد ہوا کی سائیں سائیں اور موڑ گاڑیوں کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ آصفہ نے ٹیپ دیکر ڈینڈ  
 کر دیا پھر بولی۔ "اب ہر گز؟"

"یہ تو میں اس کا اتفاق لے رہا تھا۔"  
 اگلے کے ہونٹوں پر مسکراہٹ چمکی ہوئی تھی اسلافق نے ان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "کیوں چیف میں  
 غلط کہہ رہا ہوں۔"

"چیف؟" صادق نے کہا۔ "کیا تم انہیں چیف مان چکے ہو؟"

"ہاں نہیں جان چکا ہوں بلکہ وہ شیر خان نہیں ہیں۔"

"وہ کیسے جانتے؟"

"تمہیک! ان تک اس انہیں میں رہا کہ جانی کیسے جانوں اور میں نے عثمان سے ایسے بہت سے سوال کئے جن کا  
 جواب کسی پرانے وقت سے ملتا تھا۔ مجھے ہر سوال کا صحیح جواب ملا۔ یہ سب میری یہ دقتی کا کمال ہے۔ اس  
 لیے میں خاص نہیں بیٹھا۔ جی کی تلاش میں اور بارہا بھی مجھے ہر مسئلہ کا خیال آیا۔ مجھے کئی سال پہلے کا ایک

جملہ یاد آ رہا تھا جو ایک بار آپ نے اپنی تقریر میں کہا تھا ایسے مجھے یہ میری رہنمائی کی اور میں جان پر کھیل کر اس  
 کمرے میں داخل ہو گیا۔ اس وقت اسلافق کی آنکھوں میں ایسی چمک تھی جو فلک کی کا خاصہ ہے۔ چوہے دروازہ  
 دھڑا کر تھا کہ راتے وقت دیکھی چمک تھی کی آنکھوں میں ہوتی ہے۔ چہرے پر مایوسی کا مٹا تھا۔ اس نے کچھ  
 وقت کے بعد کہا۔ "وہاں مجھے ایک ڈائری بھی نظر آئی ہے۔ اس ڈائری میں وہ تمام باتیں قلم کے ساتھ لکھی  
 ہیں کہ اس نے کب اور کیسے آپ کو بے خوف بنایا۔ آپ پر کیا کیا ستم ڈھائے۔"

"وہ ڈائری کہاں ہے؟"

"کے ہنا کرانی موت کو موت دیتا۔ وہیں چھوڑ آیا ہوں۔"

"بے خوف! اسے لے کر آنا چاہیے تھا۔" کمال نے جھڑکا۔

"اس ڈائری کو حاصل کرنا ضروری ہے۔" آصفہ نے سوچتے ہوئے کہا۔

"آپ منصوبہ بنائیں وہ دس دنوں کا۔" اسلافق بولا۔

آصفہ کچھ دیر تک سر جھکا کر سوچتی رہی پھر چل کر بولی۔ "خاکہ بن رہا ہے۔ شاید بتاتے تھے چورا  
 منصوبہ تیار ہو جائے۔ دراصل کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے، بے شک کیا جائے یعنی جس کا مکمل منصوبہ۔"  
 "مطلب؟"

"پہلے ایک سوال اسلافق نے سمجھنے کی میننگ کا کیا سہم ہے اسلافق؟"

"ہر قسم کی جھگڑا کو میننگ ہوتی ہے۔"

"آج کل تاریخ ہے۔ ہم ہر دن انہیں دیکھ کر کہتے ہیں کہ میننگ بھی تو ہوتی ہوگی۔"

"میں میننگ صرف شیر خان بلا سکتا ہے۔"

آصفہ کا احوال جاننے کے لیے  
 اگلی قسط احمد و شہرہ میں ملاحظہ فرمائیں

# حقیقی جاگتی تحریریں ☆ زندگی کی ہفت رنگ تصویریں



منیر  
نگار شنگھ چمن

مرا چلنے کا خیال  
صرف مانع تھی جا بند تباہ کئے تک  
پھر تو وہ جان حیا ایسا کھا ایسا کھا

ادبیت کی آواز دہشتہ صدی کی آواز ہے۔ ادبیت کی آواز ہے۔



سن نورمیشین  
بلبل خوارستان  
گلے گلے گل  
فنا کر گل  
موسیقار گل  
جیلہ گلہ بند گل  
ہر شا دہند گل خیر ایک اور

ان عمارتوں کے علاوہ بھی ایسی بے شمار عمارتیں ہیں جو پندرہویں سالوں سے اسی طرح استاد ہیں، پھر سے ٹوٹی پھوٹی اور بدست حال یہ عمارتیں اندر سے انکی ہی مضبوطی اور محکم دکھائی دیتی ہیں۔ جیسے کہ کئی نئی بنی ہوں، بعض عمارتیں ۱۸۰۰ء کی ہیں اور بعض ۲۰۰۰ء کے ہیں شروع کی دہائیوں کی ہیں مان عمارتوں میں کچھ ایسی بھی ہیں کہ یوں سمجھیں کہ اب گریں کہ اب گریں، ہندوؤں گڑبڑوں کی بنی۔ سا ہنسی کر آتے جاتے دم کی ضمانت نہیں دیتے۔۔۔ بڑی بڑی کامیاب عالم کہ شفاف ذہن کے لوگ اسے چھوڑ کر جانچیں اور اندر چلے کو آدہ نہ ہوں، متعلقہ ہوں کے لوگوں نے انسانوں کی جان کے ڈر سے کئی بار انہیں گرائے کی کوشش کی، طوائفیں اس کارن پر نہ ہوئیں کہ سکھتوں کا کچھ بھر دے نہیں کہ سنے کے سے بنائے پر آدہ نہ ہوں۔ اور یہاں بھی ایک شاپنگ پلازہ تعمیر کروا دیا جائے۔ جس عجزی سے شہر کے سنبھلا کھر مسہار ہو رہے ہیں، جتنا بچہ ہ کیوں کو یقین ہے ایک دن اس جگہ بھی طوائفوں کے صرف یاد باقی رہ جائے گی۔ جو عمارتیں رینو صحت ہوئی ہیں ان میں بھی سب سے دست تو بالا خانے ہی سے ہیں کہ کئی افعال سرکار کھٹے ہوئے لوگوں کو اور بونکے کا ارادہ نہیں رکھتی۔ نئی نئی کھانوں کو بھی دیکھ بری طرح چاٹ چکی ہے اور چاہا کھانوں کے چالے گئے ہوئے ہیں اور انہیں صاف کرنے کی

دست بھی نہیں کی جاتی ہوں سمجھو کہ قمار میں ایسے بھی سخرے نہیں آتے کہ وہ ایسا کوئی مطالبہ کریں یہ کوئی کھانہ تو ہے نہیں کہ جہاں تہذیب و تمدن سے خود طوائف کی کبھی بڑے زوروں کی پامی تھی۔۔۔ کراچی کے تو شرفاء کے گلی محلے ایسی ناقابل بیان گند کی سے مہیا کرتے ہیں کہ کہیں کو تو یہ تک یاد نہیں، رہا کہ اس گند کی کو صاف بھی کرایا جاسکتا ہے۔۔۔ سو وہ کیا مطالبہ کریں گے۔۔۔ غلطی کے ذمہ دار وہ بدبوؤں کے طوفان خوب جا چکاتے پھرتے ہیں۔۔۔ لیکن اس وقت آنکھیں بند ہو جاتی ہیں جب انکی عمارتوں میں باہر سے ایئر کنڈیشننگ لگے دکھائی دیتے ہیں۔۔۔ جن وقت میں سانس نے وہاں جانا شروع کیا تھا وہ ایسے وقت نہ تھے کہ کھلی سے نہراں کھانا ہوا ہو۔ اب تو جانے دو ایئر کنڈیشننگ بھی نہیں لگے گئے چلنا بھول گئے ہوں کہ کھوں میں اتنا دم نہیں کہ وہ اس قدر زور نہ مانے میں کبھی سے چلنے والے طوائفوں کے ایئر کنڈیشننگ چلاؤں گی۔۔۔ یہاں سانس نے محسوس کیا رنڈی اور طوائف کے الفاظ اس روانی سے استعمال ہوتے ہیں کہ شہر کے جن حصوں کو بھر ایڑی نہیں سمجھا جاتا وہاں تو اب تک یہ اب بھی ایسے دیکھ الفاظ ہیں لوگ مرنے مارنے پر بھی آمادہ ہو جاتے ہیں۔ یہ ایک فرق تو اب بھی باقی ہے۔۔۔ سانس کو کسی آگ کی کھش میں لپکتا ہے انسانی کی پکیان گلیوں کے حوالے سے ہوتا۔۔۔ کتنا صحت خیز ہے۔۔۔ اس سے بھی زیادہ عجوبہ یہ ہے کہ لفظ بھی کیا عجیب ایجاد ہے۔۔۔ انسان کے پیٹھ رنڈوں کی وجہ سے لفظ تو ہیں جس الفاظ نہ ہوتے تو کیا انسان ہی نہ نسک تھا؟ بعض عمارتوں کو دیکھ کر کہیں کا خیال آتا ہے اور اس محسوس تباہی کے طوائفوں کی حد تک اب بھی کوئی ایک ملک نہیں ہیں وہوں کا دین ایمان ایک جیسا ہے۔۔۔ جیسے سارے یورپی لوگوں کو دیکھ کر لگتا ہے کہ



ہمارے ہاں روانہ نہیں ہے۔ جب میں نے مان  
بڑھانے کو کھڑے ہوا کرتے ہوئے کہا کہ اچھا تو پھر  
آئندہ ہر کام میں شامل کر لیجئے گا۔ یہ جیسا میرے  
پاس امانت ہے آپ کی۔ میں نے سننا تھا کہ ایک دم  
بڑا کم لگے اور پورے ایک خائفانہ ہوش پر  
قائم رہ سکتی ہے تو ہمیں کب نہیں اس بات پر کہ آپ  
ڈر کر بھی نہیں کر سکتے ہر گز کوئی آپ کا ہی تھا۔ جب  
سے میرا مودہ اچھا تھا۔ اسے تو لوگوں کو آشکر مجھ مگ  
کے بھی کھلا جی ہو جنہیں کھائی ہوتی مگھائی ہوں  
تھمارے لیے بھی۔

سائرس نے انکار کیا۔  
”تمہیں دیکھا تو دل سے آواز آئی کہ ہونو آج  
یہ جو ہر گرام نہیں ہوتا تو اس کا کارن تم ہی ہو  
قدرت کا اشارہ ہے کہ تم نے سے آج ہوتی بات  
کر لیتی چاہیے۔ اب دہی لوگوں کے نہ آنے کی  
بات تو۔۔۔ ہاں ہر روز گویا تھا کہ آج کو کھانا ہے۔  
بالکل سہما بالوں کی طرح کا سنا ہے۔۔۔ بچا پچھو  
تو خوشوں کی زندگی بھی ایک قشاش اور تفریح ہی تو  
ہے۔۔۔ بولتے ہوئے دیکھ اور بولی اور ہنسا کھڑا  
اس سو کے بچے سے سائرس صاحب کے لیے  
آشکر ہوا تو مگھوا دے۔ بھل شہا شہا بلدی کر۔  
”دیکھو ہاتھ دھو لیتے۔ یہ مختلف مت کرو۔ میں پہلے  
کی طرح جانے چاہوں۔“

”اے نہیں جانے چاہے گا کہ کسی کی  
خاطر داری کی گئی ہے۔ جانے تو روز کا موصول ہے جیسے  
اور کام ہیں۔ روزانہ سے کہ مختلف ہوتا ہے جب ہی تو  
اس کا ہوتا ہے کہ ہم نے کسی کی ہمتا داری کی ہے  
کچھ دیر میں آشکر بھی آئی گئی سائرس نے کھانا  
شروع کی تو وہ بولی ”ہم لوگوں نے ابھی کھائی  
ہے یہ ساری آپ کو کیلئے ہی کھائی ہے نہ کی۔“  
”تمہیں سے کھا کر مٹانا کہ وہ کون سی بات ہے

میں کو نہیں کہ قدرت حیرت کا درد کو دیکھ بھی  
پر ہیٹ کے لیے بند کرو۔۔۔ جب تک  
امان زندہ ہے جب تک حیرت کے درد بھی کھاتے  
ہیں گے۔ سائرس نے بھی یہ خیال دیکھا کہ نہیں  
ہے چار چار دنوں کو کھانا کا قہار کا ڈر نہیں کیا۔  
”فیصل!“ ساری کھائی سننے کے بعد ہاتھ لگا کر  
دست سے اٹھائی نکل گیا۔

”ایک دن مجھے سے دیکھ کر شہر ہوا تھا مگر میں  
کیسے ہاں لکھی کہ اس جیسی صورت میں تقدیر کے دنگے  
کھائی ہیں اس بازار تک پہنچ سکتی ہے۔ دور سے  
دیکھا۔۔۔ یہاں رہنے والے ایک دوسرے کو جان  
تکے ہیں اور بات تو دنیا میں ایسی غلطی اور طوفان اٹھ  
تے ہیں کہ کسی کے پاس کسی کے لیے اختلاف نہیں  
ہے۔ جن عورتوں نے اس کا بھی ذکر کیا تو ان کی  
آواز سے ہر آدمی میں اس مقام تک نہ پہنچا تو ان کی  
بہنی تھیں کو بھی یوں اپنے جیسی قسمت کی ماری  
خوار تک اٹھائی۔ دور کی اور کھانا ہوتے ہوئے بولی۔

”کھداری میں تمہیں اپنی ساری کھائی سناؤں گی  
ور پوری ہونے سے پہلے جو مت بھی آئی تو اس کے  
دھم بھی نہ چاؤں گی۔ مگر اس وقت تم مجھ پر پرائی  
ہر پائی کر دواور اتنی مہلت دو کہ میں اپنی تھیں سے  
ملاؤں ان سے ملے بغیر میں کچھ بھی کھائی اور شادی  
سے نہ سناؤں گی۔“

سائرس نے بکا ماتم کیا وہ جانتا تھا سب سے  
میں میں کہ ایک ایڑی ہوئی صورت اپنے کسی  
دوسری صورت کی ایسی دلدرد کھائی سننے کے بعد کسی  
مکھن سے بھی رہے اس کا دل نہ تر پڑے وہ کہنے کو  
دیکھنے کو بغیر نہ ہو جائے اور صورت کی ایسی کسی  
سے اس کا ایک ہی شہر کا ایک ہی مگر اور ایک ہی مرد  
کا رشتہ بھی تھا۔ اس سے سائرس نے بس انکار کیا۔  
میں بھی ساتھ چلا ہوں۔۔۔ ورنہ وہ جانے میرے

بارے میں کیا سوچے۔  
”ہاں ہاں“ ضرور تجھ تو نہ بھی ملتے تو میں  
تھمارے پاؤں پر جاتی اور تمہیں ساتھ لے کر جاتی۔

جن دو عورتوں کو ایک ہی آدمی نے ایک جیسی  
ایک ایک رات میں باطلہ تارنگ کے بوڑھے کی  
بٹیوں کی طرح کھداری سے اولاد بننے والی عورتوں  
کی صف میں شامل کیا آج بھی دو عورتوں کا طعن  
ہونے والا تھا مستقبل کی کو میں جانے کون سے  
طوفان پیچھے ہیں جس میں جانو نہ کوئی

ہاتھ لگا دے سائرس کے ساتھ جانے کو بھاری  
جلت ہے کام لیا کہ جانے اس کے میں کسی  
بٹیل بھی تھی کہ وہ ایک مدت کے بعد اپنی کی چھڑی  
ہوئی ہاں جانی ہے لئے جاری تھی۔ کہتے ہیں ایک  
ہی وقت میں دو کہ بیہوش کو ہونے اسلام کوئی بھی  
سوکن اپنے حرم میں نہیں رکھتا کہ اور دنیا میں اس حرم  
کی کیا سزا مقرر ہے یہ کم سے کم کسی عام عورت کو  
معلوم ہے نہ عام آدمی کو مستقبل نے یوں بھی ان  
سب باتوں کو ملت انہم ہونے نہیں دیا جو عورتوں  
کے حق میں ہائی ہوں اور ان کی باتوں سے بچے بچے  
واقف ہے جو عورت کو سزا دینے اور اس کی اصل  
نکالنے لگانے کو کھڑکی لگی ہوئی۔ سو کھائی یہ سمجھ ہا  
ہے کہ ہاتھ لگا دے تھیں دونوں کی تھیں ہیں بھٹا ایسا  
نہیں ہے مگر جو ستر اس سے کی ساتوں میں سائرس  
نے دیکھا کہ وہ کسی بھی طرح کی بیہوش اور باطلہ  
تارنگ کے بوڑھے کی بیٹیوں کے دور سے کم نہ جا جو  
بوڑھے کی نسل بڑھانے کو اپنا کھداری تیار کیا دینے  
کو قربان کا وہ کی بیٹت جا چیں۔۔۔ جو کج ہوئی اور  
بوڑھے نے ان کی قربانوں کو عورت کی ہوس کی پری  
سے تعبیر کیا ہوتی عورت کی ساری تاریخ میں اس سے  
بڑا ظلم کوئی اور ہو نہیں سکتا تھا۔ سو کر زمانہ نہ لگتا

عرف ہوا تھا مابور بھیس کو آج فائدہ ہو رہا تھا کہ وہ اس سے بڑا عظیم اور کیا ہو سکتا ہے۔ اور یہ ناکل سے نکلنے کی تھی ہے۔

ہاں ہاتھ سے اپنی آنکھ کو جو چاہیے بھروسہ ہے اس وقت کے خیال سے کہ اس کے اپنے ممکن کی طرف کوچ کر چکی ہو اور ہاتھ کی حفاظت کی اسب ضرورت ہی کیا تھی وہ تو ایسا مال تھی جو جتنی ہوتے ہوئے کسی ایسا ہے تو قہری خائن کو لٹا اور چوری کرنا حال یا بھروسہ

ایک عالم خائن جتنا چوری کیا جائے اس میں اس کا ہی اضافہ ہوتا تھا سو اس سے صرف ایک خادمہ مبین کی نام جس کا کمال تھا کہ وہ اس کو لے کر جھکے ہوئے تانے کو بھی کرنا ہی اصل مال کی دہائی ہوتی ہے اور یوں ماہ لٹا منہ بیڑیاں اس کو بل پر اور دستان کی راہ لی وہ عتق پیچھے لگیوں سے گزرتی ہوئی اس خدمت کے سامنے تھی جس میں بھیس کا قص جاری تھا کیا سستا سامی کین حاجب بانیے کا پتہ ہوا تھا۔

بھیس کی ڈیوڑھی میں قدم چلا رہا اس وقت بھیس داغ کے ایک قیامت نلائے سے آسمان سے زمین کی طرف گھبراہٹ کی گئی کہ اس نے زلفیاں کو دیکھا اور اس کے قدم اس کی زانو سے ٹک گئے وہ ایک خوش کھانے انسان کی طرح سیدھی ہوئی اور سائرس کی طرف دیکھنے کے بعد اسے ایک لڑکا لپٹی اس ہاتھ کو دیکھنے سے جو ہاشمی کی ان ساتوں میں جب وہ خود بھی ایک بھیس نہ تھی جیسی کہ آج۔۔۔ اور وہ صرف زلفیاں ہی ہاتھ نہ تھی۔۔۔ بھیس تو چاہنے کے تک سوچتی رہا تھی کیا کہنے کہ اسے اور کیا نہیں کرنا ہاں تھا وہ جب جانتی تھی وہ اس کے ہمراہ کی اور اس وقت سے بھیس کی طرف چلی کہ خود بھیس اس من کے لیے اس طرح تو تیار نہ کی۔۔۔ اور پھر چشم شک سے ان دو دوڑوں کو ایسا حارہ دھار دھار دے دیکھا جو لوگوں کو

دلائے اور تڑپانے کے ان گھٹ کر جانتی تھی۔۔۔ سائرس کی آنکھیں بھی فٹاک ہو گئیں اور دھڑکا۔۔۔ اس کی کچھ میں تانے کے باجرا کیے۔۔۔ جو چند سی میں جو سے قرش بین بیٹھے تھے ان کی جگہ اور کچھ میں بھیس ہی نہ آیا ہو کر وہ اپنی طرح بھگ گئے کہ اس اب اس مائی بھیس میں ان کے بیٹھے کو کوئی جواز نہیں سو ایک ایک کر کے وہ سب اپنے اپنے جیسے جتانے کو دوڑنے کے بعد کوئی انسانی گروہ خاموشی سے اپنے مستقر کی طرف رواں دواں ہو گئے وہاں خالی ہو گیا اور بھیس نے ہاتھ کو غور سے انگ کر کے ہوئے سب سے پہلا سوال یہ کیا تھی کہ ہے؟

بھیتی ہوئی جو اسے ڈھکی مائی پوچھا ہے؟

ہائے تھی مصمم اور شتاب مئی اور اب کسی گھر پہنچا کر میری رہی ہے۔۔۔ میں جانتی تھی کہ قندیر تھے کچھ سنبھلی لے آئی ہے پر کسی بہت نہیں پر ہی کر کے منہ سے جاؤں اور تم سے کہہ دوں کہ کوئی نہ کوئی ایسا قابل فکر کام ہے جسے کرتے ہوئے کسی سے نہ کو دل کرے اور اس کے سامنے ہر افکار کے چھٹے کے کوئی تھم سے ہوئی تیری ماکن نہ ہو چکی ہو یہ نہ جانتی تھی کہ تو بھی اسی سانپ کی ڈسی ہوئی ہے جس نے میری رنگوں میں نہر تارنا ہے۔۔۔ یہ تو ان سائرس بابو کی وجہ سے چلا کر تو بھی ہے یہاں اس خرابے میں۔۔۔ پھر کچھ ہمت نہ جوڑ پائی کر کیا ہوں تھم سے چاہے کہ جو یہ چھوں کر تو یہاں تک کیسے آئی تو کا میں اب فائدہ کیا ہے۔۔۔ کیا تو چلا۔۔۔ اس چشم میں۔۔۔

آپا انکی دوڑی گئی کہ کسی دوسرے کو بولنے کا موقع ہی نہ ہوئی۔۔۔ یہ تو ٹھیک کام نہ۔۔۔ اب تو چاہاں چک گئیں سارا کھیت پر جھے جو چلا کر یہ تم ہی ہو تو مجھ سے ہر نہ کیا۔۔۔ بس دوڑی چلی آئی اور آج یہ چھو تو یہ سارا دھار اس گھماری باجرا کی ہے جو آج میں تمہارے سامنے بیٹھی ہوں ورنہ نہ زانہ تو عجیب

قیامت کی حال چاہے اس شہر میں۔۔۔ یہاں تو پڑا ہوں کوئی اس وقت کی کمرے والے کی خبر ہوتی ہے جب اس کا تاجہ ہو پتا ہے جب شہر ہے۔۔۔ تم کیسی ہو۔۔۔ تمہاری کچھ کہاں تو مجھے گھماری بابو کے کارن نہ چل گئی ہے اپنی تم سے سنوں کی۔

اچھا اسے مرے بعد آئی ہے۔۔۔ میں تجھے کچھ اچھا سنا تھا تو ہوں۔۔۔ کہتے کہتے وہ دھڑکا پانی سے بولی آپا جرم مانا ہوا تو پل جا اب دھندہ نہ ہو گئے کہ میری بڑی برائی مکمل آئی ہے میں تو سن جوڑ کے اب اس سے اسکی سب باتیں کروں گی جو ایک مدت سے کہنے کو تھی ہوں۔

تو تو خیر میں اس گھماری کو دیکھتی ہی بھگتی تھی یہ عین سر پہ لاکھ کے چھڑے سے گا۔۔۔ پر یہ ہاتھ مٹا لپٹی ہوئی تھی یہ اور میں یہ جانتی تھی کہ یہ اپنی دھار کا پانی تیری گل ساسی ہے۔۔۔ ہلڑم دوں جھوٹا میں کرو۔۔۔ اور پھر کچھ نام سے تالا دیا۔۔۔ اصول کی بات ہے اور میں اصول تو نہ تو شہر میں تھا

دھڑکا پانی نے ایک فرت میری نظر سائرس پر ڈالی تو اسے بھگتیں آیا کہ اس موقع پر وہ کیا کیا پھر شہر سے کہ ایک طرف دو دوڑوں کی چھڑی بھوں جیسی بھگیاں ایک دوسرے سے تل کے خوب نہال ہوئی جاتی ہیں اور دوسری طرف دھڑکا پانی کا پتہ دھندے کے شراب ہونے کی فکر کہ سائرس کی وجہ سے اس کی کئی ساتیں یوں ہی بنا مال وصال کے دریاں چلی گئی تھیں۔۔۔ سائرس نے منہ دوسری طرف پھیر لیا اور دھڑکا پانی کی دسوں کے پیچھے ہی گئی۔

جب دوڑوں کو دیر تک تنگ سے میرا ہونچیں تو بھیس کی خادمہ کی کمانے کی چیزیں ہار جائے ٹکڑ آگئی ساتھ میں اس کے اس بلڈنگ میں ایسے ہی کام کر کے دلا ایک لڑکا جس کا تاجہ اس کا رنگ گہرا اور آنکھیں بڑی بڑی تھیں ان آنکھوں سے بھوک

جھاگتی ہوئی اتنی صاف دکائی دیتی تھی کہ اس کے ذرا ہی دیر بعد خادمہ نے کہا آپا بھیس نے ملے بہت تنگ کر کے مفت میں سفر کیا کرتا ہے۔۔۔ بھیس نے اسے گھور کے دیکھا اور بولی یوں بے بدعا شوق اس بازار کے رسم و رواج نہیں پہچانتا یہاں مفت تو کوئی اچھا سوت بھی نہیں دیتا اور تو ہماری پل پلائی لڑکی سے مفت میں سفر کیا کرتا ہے۔

صاف کرو آپا اب میں کروں گا مجھے کیا چاہتا کہ یہ آپ سے فلاکت لگا دے کی اسی مفت کی بات تو مجھے تو ایسی بھی سنبھانا نہیں آتا جب پیسے ہوں گے جب ہر کس کو کہا نہیں پڑے گا بھیس اس کی بات سن کر کپڑوں اور دوسرے شہر مندہ سا چلا گیا۔

بھیس اعتراض نہ تو تم ہی اپنی لڑکی کہیں بلا بیچو تمہاری بانی کی کہاں میں اور بھیس ایک ساتھ ہی سن لیں گے سائرس کی بات سن کر بھیس نے بھی اس کی تائید کی اور خادمہ کو کھینچ کر اس کی ساتھ ہاتھ لگا دے بھی اپنی خادمہ کو کھینچ کر اس کے وہیں بولایا۔۔۔ اور یوں اس ہاتھ لگانے پر جہاں کچھ دیر پہلے تک ایک محفل رقص جاری تھی اور دھڑکا پانی دھندے میں سائرس نے کھنڈت ڈال کے دو گھڑی سحر رسیدہ عورتوں کا میل کر لیا اب وہاں ایک انکی محفل آراستہ تھی جس میں ہاتھ لگا دے بنا ساتوں کے ایسا بھڑاوش نظر نا سازا کھیت پھینچنے والی گئی کہ اس کے بعد کچھو کچھ بھیم نام پھینچنے والی۔

کہاں کہاں کہنے سے کہی اور اس میں کہاں وہ دھڑکا کرنے والا دھڑکا پانی تھا نے ہاتھ کو ہادی ہوا پر اس نے کہہ دینے کا حوصلہ جوڑنے کو سائرس سے ہی پوچھا کہ بات کہاں تک وہ کہ چکی تھی یہاں سے دھڑکا پانی کہاں سے ہاتھ لگا دے والے اسی طرح پوچھا کرتے تھے کہ میں کہاں تک پہنچا تھا اس سے یہ جانا مقصود ہوا کہ تھا کہ سننے والے تھے استغراق سے تھکن

رہے ہیں، انھیں یاد دہانی ہے کہ قہر گویں ہی ہو گئے جاتے۔ ہاں یہ سب مشہور میں تھا۔ گویا حوصلہ یہ جاتا تھا کہ سننے والے ہماری دہش سے کھانکھانہ کرتے تھے اس زمانے میں بھی ماہاتاد گویا ہی نہیں ہوئی اور سانسز سے چائل ٹیک ٹیک چلاب دیا سانسز کو یوں بھی ٹیک دیا کہتا تھا کہ وہ ان ماسکی کے سامنے کے مقابلے میں لکڑی پر چڑھ اور زیادہ ضرورت مند تھا اس کا مقصد شخص دہش اور دقت گذار دینی میں تھا اس کا اور بھی یہ مقصد تھا چھاپا ہو کہ سہرست ہم ان پیکروں میں نہ پڑیں اور ماہاتاد کی زبانی اس ہولناک رات کا قصہ سنیں جو اسے اُس لینے کو زور پاؤ اور یاد رکھیں۔

”جب میں نے فیصل کے دانت کھینکے کر دیے اور وہ اس سے دم دے کر کسی دنگی کے کی طرح چلا گیا تو جانتے جانتے اس نے فرار اور کر کو کھینکے دی کی اس چمٹا لگو تو میں تم سے اچھی طرح جانتا ہوں یہ ایسی ہوشیار ہے کہ ہاتھ تھامے بھی نہیں آئے گی بڑے چمٹ چمٹ ہیں اب کی چوٹی میں۔۔۔ نہیں بھئی بس ہری جھنڈی دکھانے کی اور تب تم سے میں ابھی طرح بھونک رہا تھا ساتھ ہی اس نے جانتے جانتے دنگی بھی دی کہ لڑنا اچھا تھو تو میں ایسے منوں کا کہ تیری سات نہیں بھی یاد کر سکی گی، جانتے جانتے اس حرام زادے نے ایسی آگ لگائی تھی کہ میری سب چائیں پلٹے سے پلٹے ہی پھٹ گئیں، میں نے فرار کو بہت مٹایا کہ وہ مجھ سے شادی کرے اور اس کے بعد وہ جو کہے گا میں کرنے کو تیار ہوں گردو نہ سے سس نہ ہوا بلکہ اس نے صاف صاف کہہ دیا کہ جو تو اپنے بل کی تو فیصل مجھے تھو کے تیروں سے ہی اتانگ کرے کہ وہ میرے جسم کا کوئی حصہ ایسا نہ رہے گا جس میں اس کا دیا ہو اور ہم اس کا چلایا ہو میرے چہرے پر آہو دے تو وہ میں

میری اتنی ہی بات مانا کہ وہوں مجھے اس طرح اپنے آہو دے کر میں کہیں خود اپنے آپ کو بھی خود کھانے کے قابل نہ رہوں۔۔۔ اور میں وہ کافی سیاہ رات میرا سب بھگ چھین کے لے گئی میں اپنی اور اڑھائی گئی۔ مگر مجھے نہیں معلوم کہ اس رات ایک عورت کی لاش کو کھانے بھجھوڑے ہیں۔۔۔ فیصل ہمارے بھی جیت کا قہار ہے جیت سے بھی ہار گئی۔ صبح فرار شدہ قہار اب کیا ہو سکتا تھا جب چڑیاں چمک ہی تھیں سارا پانچ۔۔۔ اب میری بھگ میں نہیں آیا کہ میں کیا کروں کہاں جاؤں اور خود سے کیا کہوں میں کو تو ہوں اور دغا میں اب میرا کیا مقام ہے۔۔۔ میں نے تنگ آنسوؤں اور دیا کی طرح دھما دھماڑے دل کے پانچوں میں خود کو ڈھپے ٹھونس دیا دل چاہا کہ ابھی کے ابھی خود بخود کروں کراس سے کیا ہوگا کہ میری آقا کو شاید کوئی شائق مل جائے مگر جس مقصد کے لیے میرا بھگ تھا قہار قہار اور کبھی ادھوری دے گا میرے بھگ بھائی جانے بھگ کی کنیت میں تو سے گزریں گے چاہیں وہ وہ ذلیل فیصل ایتنیوں کا دروازی میں انھیں کسی اور طرح کا نشانہ بنا ڈالے تب ہی بیٹھے بیٹھے ٹھونس میں روئے مجھے ایک راستا نظر آیا اور میں نے فرار سے کہا کہ وہ راتوں رات مجھے میرے کمر والوں سے اس شہر سے نکل دے اور اس طرح کہ فیصل کو بھی خبر نہ دے کہ میں کہاں ہوں کیا تو میرا کام کرے گا وہ چھوڑ دے سوچنا ہمارے اس نے اس ہمدردی میں میرا ساتھ دینے کا فیصلہ کر لیا کہ میں جہاں بھی جا سکوں اسے ضرور اطلاع دوں میں نے اسے یقین دلایا کہ میں جہاں بھی رہوں گی اس کے رابطے میں رہوں گی ایک طرح سے وہ مجھ کا کینزہ اپنے مستقبل کی عیاشی کے دروازے کو کھولے گا کہ اس کا اہتمام کر رہا تھا قہار میں اس کی نیت کو خوب پچھائی تھی سوچے نتیجہ میں

نے کھر پھٹی میں نے اس کو تھما کر کسی طرح میں اپنی عزت کی قیمت پر دلوں بھائیوں کی زندگی بچا کے لائی ہوں اور اس کے باوجود ہم سب کی عذریاں اس طرح خطرے میں ہیں ہمیں فوری طور پر یہاں سے ہونا چاہیے۔

”کہاں۔۔۔ میں نے رزنی اتانہ میں پوچھا وہ تو ایک ایسی کیفیت میں ہے سب ہم دہش میں کی نے قید کر کے اس کے گب پر فوج لے ہوئے اور اسے وہ سب بننے پر مجبور کر دیا وہ خود مٹانہ جانتی ہو اس کی سوچنے لگنے کی صلاحیتیں ایک دم سلب ہو چکی ہیں اسے یاد تھا کہ کس طرح پوچھی دلوں میں اور خود دینا ہے اس سے اس کا سر کا سامنا نہیں کیا تھا قہار وہ کسی سے بیک نہ پوچھ کر اس کا قصور کیا تھا۔۔۔ تقدیر نے اسے بار پیلے سے ہی بدنام کر دیا تھا ایک ہی رات میں اس عورت کے دونوں بیٹے جن کے بغیر جینے کا وہ میری کسی کشتی میں نہیں رہ سکتے تھے اور اسی ایک رات میں اس کی جوان بیٹی کی آہو دھانسی کی گئی اور وہ اتنی بے بسی تھی کہ اس کی عمر بکا سا عمر بھی چاہے تب بھی دنیا کی جو جینے سے منع کرتے آجائے گی کوئی اس کے غلے کے خلاف نہ بولے گا اور یہ بھگہ دلوں میں غم کھول کر کہیں بے ہوشی کے گندہ لٹکانا اور پانڈہ عورت سے اور اس سے کہ ساتھ دنیا کی عورت کو جینے کا حق نہیں ہے۔۔۔ کتنی میں نے اس سے کہا جو میری موت ہے تو کھلی لاش کی کتنی سے تو ابھی دنیا والوں کو کچھ جا نہیں چلا میں خود کو آگ لگا کر کھینکے۔۔۔ میرے کمر کی کتنی بھگہ بھگہ لگ گئی تھی۔۔۔ میں جانتی تھی وہ میں مانے کی ہیں کہ یہ حالات کسی بھی طرح اس غریب کے حق میں نہ تھے جو جینے اپنے حالات کی پرواہ نہ دیتی تو میں اس کو تنگ نہ ڈھوئی تھی دنگی اور میں جیسے یہ کہہ رہی تھی تو اب یہ بھی ایسے ہی سوچا کہ ان دن چھوٹے چھوٹے بھائیوں کے ساتھ وہ اپنی دنیا کا مقابلہ نہ کر سکے گی۔۔۔ میں اس نے بھائیوں کو سوتے سے جگا اور ہم لوگ احتیاجی بے سرو سامانی کے عالم میں وہاں سے

پلے آئے۔۔۔ ایشیوں نے فرار کیا تھا۔۔۔ اور میں پانچ انٹوں کا یہ قہار کہانی جانے والی نہیں میں بھگہ یہاں پہنچ گیا۔۔۔ کہانی جانے کا مشورہ بلکہ فیصل خود فرار سے ہی اس اور میں میں سے بھگہ بھگہ کی کہیں بھی پہنچوں اس حرام زلزلے سے بھی کوئی رابطہ نہ ہوئی کی اور ہی اسے بھی مٹاؤں کی کہیں کہاں ہوں۔۔۔ اور یوں میرا ایک جنم اپنے اختتام کو پہنچا۔۔۔ کہانی کھینکے ہی میں تھا کہ ہمارا سب سے بڑا سوتہ بھوک بھوک رہا تھا نہیں وہ ہمارے پاس پہنچے تو تھے۔ مگر کھوکھلی نہیں تھا چپے تک پہنچے تو وہاں حجت کے ہم کب تک باہر روکتے تھے۔۔۔ میں شرم میں پوچھنے لگی کہ رہنے کا آسرا کیسے ہو آخر مجھے کئی ٹھنڈوں کی باتیں تھیں کہ بعد ایک تھانوں کی کشتی کی وہاں کے کھیا کو میں نے اپنا مسئلہ بتایا تو اس نے کہا کہ جن تھانوں سے ہم یہاں رہتے ہیں جو تو وہ کتنی تو تھیں کوئی اور اس میں نہیں ہے۔۔۔ میں اس طرح میں نے اس اور بھائیوں کا وہی طرح بھگہ کے لیے میری دلائی کی مجھے ہی مجھے کوئی کالے کا تو ہم کی اور مناجا سے جلد پوچھے جائیں گے۔۔۔ اب یہاں تقدیر سے مجھ سے وہ روایا جو میں نے سوچا نہیں تھا۔۔۔ میں ایک بھگہ تک بھائیوں کو کھانا نہ دیتی تھیں۔۔۔ مگر میں تو ان تک نوٹ آجکی میں بھائیوں کا کھانا کھا کر جو بھی کام دینا چاہتا تھا وہ خود کو نہ پوچھتا تھا اور جب ہم اسے تھانوں کی کشتی کا بتاتے ہیں تو بھائی چلا کر سے کیوں کہ یہاں کے لوگ چوری ہوئے سے بہت خوفزدہ رہتے ہیں۔۔۔ اس میں ایک جذبہ میری ناک کی بھی جب کھیا پڑے نے تھے مشورہ دیا کہ میں بھگہ کیوں نہیں مانتی۔۔۔ میرا صرف اتنا ہی نہیں اس نے یہ مشورہ کہ دیا کہ سارے کالے بھگہ کے قہار و دور ہو جا میں گے۔۔۔

اس غریب نے تو میری ہمدردی میں کیا قہار میرے ہونے تلے سے جیسے کی زمین کھینکی ہو اس رات میں سو نہ کی اور ساری رات بھگہ کی بارے میں سوچ رہی اور جب صبح کی آواز میں تو میں نے ایک فیصلہ کر لیا تھا۔۔۔!!

(باقی آئندہ)





خلیل جبار

## تاکل روح



میری کار کے ریکارڈ مل گئے۔ گاڑی اس وقت ایک ٹھاکہ دار سے دھڑی چلی، خوف سے میرے ہاتھ پاؤں پھل گئے۔ سوت کا خوف تھا کہ جس کے ہوش اڑا دیتا ہے۔ اہا تک یک جزو ٹھاکہ دار کی کار کے سامنے اس کی عمر اس وقت بھی لگتی تھی۔

اس بد نصیب چٹا کھنکھ کا قصہ، جب جو بار بار پڑھ دہن جاتی تھی

میں اسپتال سے رات گئے لوہے قمار کمر میں داخل ہوتے ہی سب سے پہلے میں نے بچوں کے کمرے میں چھانک کر دیکھا۔ دونوں بچے سکون کی نیند لے رہے تھے۔ پھر میں اپنے کمرے کی جانب بڑھا۔ جوں ہی دروازے کے قریب پہنچا، اندر سے نرس کی باتیں کرنے کی آواز سنائی دی۔ مجھے شدید حیرت ہوئی اس وقت کون آگیا۔ رات کے دو بج رہے ہیں؟ میں نے ایک جھٹکے سے دروازہ کھول دیا لیکن کمرے میں نرس کے سوا کوئی نہیں تھا۔ ”نرس!... تم کس سے باتیں کر رہی ہیں؟“ میں نے پوچھا۔ ”مم... مم... مم... کس سے بھی نہیں کر۔“ ”نرس نے کہا۔ ”مجھے تم کس سے بات کر رہی ہیں۔“ میں نے اٹھن سے کہا۔ ”آپ کو کب سے میں تو سوری تھی میں اپنی پانی پینے

اچھی تھی۔ ترس نے کہا۔ ”آج آپ جلدی آ گئے۔“ ”ہاں آج اسپتال میں میری کم تھے میں انہیں چیک کر کے آ گیا۔ اگر کوئی لکڑی ہوئی تو میرا اسٹنڈ ڈاکٹر کلیم فون کر کے مجھے بلا لے گا۔“ میں نے مسکراتے ہوئے نرس کی طرف دیکھا۔ ڈاکٹر فون سے میری شادی کو پھٹل چین بنا ہوئے تھے۔ میری پہلی بیوی باہر کے انتقال کے بعد میں دو سال سے تنہا زندگی گزار رہا تھا۔ بچے زیادہ چھوٹے نہیں تھے اس لیے مجھے بڑھتی نہیں ہو رہی تھی۔ بچوں کی دیکھ بھال کھانا پکانے اور کمرے کے لیے دوسرا ملازم ہونے کی وجہ سے میں نرس کی اور قافلہ بھر ملازم ہونے کی وجہ سے میں نرس کی طرف سے ہر طرح کا تعین پھر میں مرد ہو یا عورت دونوں کو زندگی میں سماجی کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ بیوی کے انتقال کے بعد سے میں خود کو تنہا تھا محسوس کر رہا تھا۔ رات میں یہ تنہائی کاٹ کھانے کو

اچھی تھی۔ اس وقت شدید بے زاری کا احساس ہوا تھا اور میں سوچتا کہ واقعی مرد اور عورت ایک جیسے کے لیے بنے ہیں ان میں سے کوئی ایک بھلا بنائے تو دوسرے کے لیے زندگی گزارنا کس قدر دشوار ہو جاتا ہے۔

اگلے روز میں نے اپنے دوست کا شف کے پاس پر کال کی دوسری طرف سے کوئی نسوانی آواز آئی۔ ”کیا جس پر میں نے کہا۔“ ”جی“ کا شف سے بات کرادیں۔“ ”جیہاں کوئی کا شف واقف نہیں رہتا۔“ دوسری طرف سے مکڑ لکھ میں کہا گیا۔ ”بیکس میں میری کا شف سے بات کرادیں مجھے سے ضروری کام ہے۔“ میں نے کہا۔ ”ابھی کبہ رہے ہیں“ کا شف سے بات کرادیں ہر کس کے کر آپ سے بات کرنی ہے فون بند نہ

کرنا۔“ اس نے قدرے صبر سے کہا۔ ”دیکھئے محترمہ میں آپ سے کیوں بات کروں گا میں آپ کو جاننا تک نہیں۔“ ”جان بھیاں نکالے میں تم جیسے کھلیا مردوں کو دہریہ سمجھتی تھی ہے۔“ ”نہ جان بھیاں آپ نے مجھے کھلیا مرد بھی دیا؟“ ”مجھے بھی قصداً کیا۔“ ”مجھے نہیں معلوم“ تم کون ہو؟ خود ہی اپنا تعارف کرادو۔“ اس نے کہا۔ ”میں ڈاکٹر زہیر بات کر رہا ہوں۔“ ”اچھا اچھا آپ ڈاکٹر زہیر بات کر رہے ہیں“ یقیناً گاڈ میں آپ کی رشتیں بھی ہوں گی اور ایک پرانی محل لدا ہو چکی ہوگی۔“ اس نے طرے پر اٹھا کر میں کہا۔ ”ہاں یہ جگہ ہے۔“ میں نے کہا۔

موبائل پر بات کرنے والی نے اگرچہ مجھ پر کھڑا تھا مگر کڑوں میں واقعی ہماری زمینیں تھیں جس پر ہماری کاشتکاری کرتے تھے۔ حریف بھی پرانے زمانے کی بنی ہوئی تھی۔ مجھے شوروں سے ہی ڈانکڑنے کا شوق تھا اس لیے اپنے اس شوق کی تکمیل کے لیے شہر آ گیا تھا۔ بائبل شل میں تھا۔ میں نے بہت محنت سے تعلیم حاصل کی ہر ڈانکڑا کرنے پر شکاری ہو کر رہ گیا تھا۔ گاؤں کی انہی صورتوں کی دیکھ کر میرے بھائی کر رہے تھے۔ میں اس فکر سے آزاد تھا۔

"دیکھئے! میں ان کی طرح دینے اور میری کاشت سے بات کرادیا۔"

"تم میرے کیا لگتے ہو جو تم سے مذاق کروں گی؟"

"دیکھئے! میں آپ سے بڑے ادب سے بات کر رہا ہوں اور آپ ہیں کہ مسلسل بدتمیزی کا مظاہرہ کر رہی ہیں۔"

"تم جیسے لنگھتا آوارہ لوگوں سے میں اسی لہجے میں بات کرتی ہوں۔ میں تم جیسے لوگوں کو اب بھی طرح جانتی ہوں۔ پہلے فرضی نام کے گزروں کرتے ہیں پھر لڑکیوں سے مراسم بڑھا کر اپنے آپ کو کبھی دوسرے اور والدہ آدمی کا بیٹا ظاہر کر کے شادی بچہ کی بات کرتے ہیں پھر لڑکیوں کی زندگی بھر برباد کر دیتے ہیں۔"

"اس سے کہاں کی مسلسل بدتمیزی سے فتنے کے بارے میں والدہ! کھول لیا تھا۔ آج تک کسی لڑکی نے مجھ سے اس لہجے میں بات نہیں کی تھی۔"

"آپ ہیں کون؟" میں نے فتنے سے بچنا۔

"میں ڈانکڑنرس ہوں اور صدر میں میرا ٹیکٹک ہے۔ آج میرے نمبر پر فون نہیں کرنا۔"

میں نے دوبارہ کال کی مکمل جاتی رہی لیکن اس نے کال ریسیو نہیں کی۔ دو تین بار ڈرائنگ کر کے میں نے موبائل کو مڑا کھانا چاؤ ایک ٹیکٹک میری نظرس ہر پر پڑی۔ میری ہی طرح چلا۔ ٹھیکری بھی گئی تھی میں نے کال

لگاتے ہوئے آخر پر غلط دیا تھا۔ کوئی اور موقع ہو تو میں بات کو ختم دینے کو دیتا لیکن اس نے مجھ سے جو بدتمیزی کی تھی اس نے میرا دماغ ہلکا کر رکھا تھا۔ قاتل چاہے جو کچھ ہو جانے لگے اس سے ایک طاقت کر کے تھی۔ قاتل کشمیر میں ہوں چور و کچھ بھی ہے۔

میں ڈانکڑنرس سے واقف تھا صدر میں اس کا بڑا سا ٹیکٹک قاتل تھے جیسے آگیا تھا قاتل وہاں سے قاتل بدتمیزی ہو سکتی ہے۔ لنگھان میں ڈانکڑنرس کے ٹیکٹک پر میری طبیعت سے موثر تھا کہ ٹیکٹک اگر میں اپنا نام تاکہ طاقت کرنا چاہتا تو شاید وہ لنگھان سے انکار کر دیتی اسی پر میری طبیعت میں کئی آسانی سے طاقت ہو سکتی تھی لیکن اس سے طاقت کے لیے مجھے ایک ہزار روپے کی پنی خریدنی پڑی تھی۔ ڈانکڑنرس کی فیس اگر مجھے ہزار روپے کی پنی تھی ضرور ادا کرتا۔ میری خود سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ میں

ایسا کیوں کر رہا تھا؟ اپنی باری آئے پر میں ڈانکڑنرس روم میں داخل ہوا اور ڈانکڑنرس کو دیکھا تو دیکھا وہ کیا! وہ دو دھاتی رنگت والی خوبصورت عورتوں کی دکان کی مالک تھی۔ میری نظروں نے اس کے چہرے سے بچنے سے انکار کر دیا تھا۔ چہرے اس کی طرح گزور گئے میں سمجھتے تھے ڈانکڑنرس کو تکہ دو تھا۔ وہ بھی خاموش تھی میرے بولنے کی سختی پر مجھ پر کھڑا ہوا۔

"کیا تکلیف ہے آپ کو؟"

"آپ سے طاقت کی خواہش تھی وہ پوری ہو گئی۔" سچا تھا میرے منہ سے یہ جملہ نکلا۔

"ہی۔" اس نے چہرے ہوئے کہا۔

"کل ٹھیک ہے آپ کا نمبر مل گیا تھا جس پر آپ نے مجھ سے بہت بدتمیزی کی۔" میں نے کہا۔

"کوہ تو وہ آپ تھے کیا میں بات تانے کے لیے ہزار روپے خرچ کر دیا؟ کیا ہی اچھا ہوتا یہ

میں خراب کو دے دیتے؟" ڈانکڑنرس کا مودا بپ ہو گیا۔ وہ بڑے فتنے سے مجھے دیکھ رہی تھی لیکن اسے فتنے میں دیکھ کر مجھے اس پر بخار آ رہا تھا لیکن اس نے فون پر بدتمیزی کی تھی تو مجھے فتنہ تھا قاتل اور آج بھی وہ بدتمیزی پر اتر آئی تھی لیکن نہ جانے کیوں وہ مجھے ابھی لگ رہی تھی؟

"میں تو صرف آپ کو سمجھانے آ گیا ہوں کہ ہر شخص ایک جیسا نہیں ہوتا۔ انسان سے ٹھیک ہو جاتی ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس طرح بدتمیزی کی جائے دیکھو ہی آپ ڈانکڑ ہیں ڈانکڑ کو اتنا گرم دیکھ نہیں ہوتا چاہیے۔" میں ابھی کھڑا کہا تھا چاہتا تھا کہ وہ فتنے سے گئے سمجھتی ہوئی بولی۔

"آپ جو مجھے سمجھانے آئے تھے وہ کچھ ٹیکٹک ہمارے بھائی کا تھا مجھے دیکھ کر میری طبیعت کو یکساں ہے۔"

میں آٹھ کر دوڑاؤں کے طرف بڑھا۔

"کوہ! ہاں اپنے ہزار روپے کا فون سے دلوں لے لیجئے گا۔" اس نے اسی طرح فتنے سے کہا۔ میں خاموشی سے چلا آیا۔ کوئی اور عورت میری اٹنی بے عزتی کرتی تو میں ہرگز نہ کرنا اس کا رونا نہ کرتا لیکن مکمل طاقت میں ہی وہ میرے حواس پر چھا گئی تھی اس کا چہرہ میری آنکھوں کے سامنے ہمارا جاتا تھا۔ میری عمر تین گھنٹے کرنے کی تھی لیکن میں واقعی ڈانکڑنرس سے شوق ہو گیا تھا۔ میرا دل اسے اپنا کرنے کے لیے چلنے لگا تھا۔ لب و لہجہ سے اتفاق ہی تھا کہ ڈانکڑنرس کا ایک کزن خورشید میرے ذہن پر اثر تھا میں ملازم تھا وہ میری بہت عزت کرتا تھا میں نے جب اس سے بات کی وہ ہی طرح چلا۔

"سر! کیا آپ واقعی ڈانکڑنرس سے شادی کرنا چاہتے ہیں؟ اس نے حیرت سے پوچھا۔

"کیوں اس میں حرج کیا ہے؟" جڑا ہوا میں نے بھی اسے حرجانی سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"سر! ڈانکڑنرس بہت اچھی اور سلیبی ہوئی لڑکی تھی۔" خورشید نے کہا۔

"تھی سے تمہاری کیا مراد ہے؟" میں چلا۔

"ڈانکڑنرس کی دو بار شادی ہو چکی ہے لیکن اتفاق سے دونوں شوہر شادی کے تین مہینے باوجود ایک ہی وقت میں بالک ہو گئے جب سے وہ چرچر ہو گئی ہے بات بات پر فتنہ کرنا حراج کے خلاف بات ہونے پر سامنے والے کی بے عزتی کر دیتا اس کی عادت ہوئی ہے۔ آپ اس سے شادی کر کے مصیبت مول لیں گے۔" خورشید نے کہا۔

"تھی فخری محل ہے جس موت کے دو شوہر تھوڑے تھوڑے عرصے میں انتقال کر جائیں وہ چرچر کی اور دنیا سے اڑاؤ ہو گیا۔" میں نے کہا۔

"ہاں سر! تو بے لگیاں اب وہ شادی نہیں کرنا چاہتی۔ اس کے رشتے کی بات دو تین چھ چلی تھی لیکن اس نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ اس کا شوہر جو بھی ہو گا وہ تین ماہ سے زیادہ زندہ نہیں رہ سکے گا اس لیے وہ اب شادی نہیں کر سکی۔" خورشید نے بتایا۔

"شادی؟ شوہر کی موت کے بعد سے سے نکلی نہیں کسی سے اس لیے اس طرح کی بھیجی ہوگی تھی کہ اس سے شادی ہونے پر جب اسے خوشیاں ملیں گی تو سب ٹیک ہو جائے گا۔" میں نے کہا۔

خورشید نے بہت کوشش کی کہ میں اپنا فیصلہ تبدیل کر لوں اور اس شادی سے باز آ جاؤں لیکن میرے ارادے کو دیکھتے ہوئے اس نے ہار مان لی اور شادی کے سلسلے میں ڈانکڑنرس کے والدین سے بات کرنے کا وعدہ کر لیا۔

ڈانکڑنرس کے والدین کو اس شادی پر کوئی اعتراض نہیں تھا۔ انہیں اپنی بیٹی کو ساری زندگی کھر میں بٹھانا تھا۔ ان کی خواہش تھی کہ ان کی بیٹی کا کھر بھر سے بس جائے۔ ان کا بچہ کہا تھا کہ میں کوئی





گئے۔ موت کا خوف ایسے اچھوں کے ہوش اڑا دیتا ہے جیسا میری کیفیت تھی۔ میں ہادی کو کوشش کر رہا تھا کہ میرا اس کاغذ میرے سینے کے نیچے ڈھن پر خوف غالب تھا جیسا کہ ایک حیرت انگیز دردناک میری کار کے سامنے آ گیا اور مجھے اپنی موت کے سامنے نظر آنے کی جیسی لگے میں نے اسے اپنے سر پر ڈھکا دیا۔ اسی وقت گاتھیرے کسی نے گاڑی اٹھا کر فٹ پتھر پر رکھ دی۔ ہادی کو ایک حیرتی سرگڑائی کا خوف کے مارے میں کچھ جھک گیا۔ کم کم میں اٹھ بھاڑا ہر اکبیس کی طرح موت کے خوف سے بھاگ نکلا۔ جب وہ اس حال میں ہوتے تو میں نے کار کے اوپر کھڑکی سے ہر ایک چپکے کیے جو حرکت اچھی طور پر دیکھ سکتے تھے۔ میں نے کبھی اڑا ہوا کہ کچھ درخت کی ٹکڑیاں دیکھ کر کہیں کہیں کر رہے تھے اسی وقت ٹھکانا نکال دیا۔ دیکھ کر میں یاد میں کہیں تمام موت حال سمجھ گیا کہ جیسا کہ وہ لوگ کی کار سے نکلتے تھے۔

انہوں نے میری کیفیت بھانپ لی تھی۔

اس راست پر بیٹانی کے عالم میں اسپتال میں اپنی ڈیوٹی بھائی۔ پارہہ خوف نامک واقعہ یاد رہا تھا تاہم میں فیصلہ کر چکا تھا کہ اس واقعے کے بارے میں نرس کو کچھ نہیں بتاؤں گا ورنہ وہ اور ترقیوار بریٹان ہو جائے گی۔ ڈیوٹی ختم ہونے پر میں جب گھر پہنچا تو نرس بہت بریٹان نظر آ رہی تھی۔ مجھے کہتے ہیں وہ روز کو کچھ سے لڑ گئی۔

”نرس کیا ہوا؟ ثار نے پھر کوئی دھمکی دی ہے؟“  
میں نے اسے خود سے الگ کرتے ہوئے پوچھا۔

”میں رات بھر بے چین رہی ہوں ایک  
بھانکے خواب نے میری نیند اڑا دی تھی جس میں  
دیکھا کہ تمہاری گاڑی کا بریک فیل ہو گیا ہے اور وہ  
ایک تیز رفتار ڈک سے ٹکرانے والی ہے اور پھر میری  
جگہ مکمل گھسی۔“ تمہیں سناتا۔

”تمہارے ذہن پر ثار کی دھمکی کا اثر ہے جسبی ایسے خواب آرہے ہیں۔ دیکھو میرے ساتھ کچھ بھی

نہیں ہوا۔ ہمیں نے جھوٹ بولنے ہوئے نہ مگر  
تسلّی دی۔ باہر میں مطمئن ہونے کا تاثر دوسرا  
لیکن اندر سے خوف زدہ ہو گیا تھا کہ اس طرف  
روانے نہ ہو گی کا یار یک طرفہ کر کے مجھے  
بچنے چل دیں گے کی کوشش کی اور وہ سحر خواب کی  
صورت میں ترس کر دکھائی دیا تھا اس صورت  
حال میں میرے لیے اپنے مرشد سے فوری طور پر  
بے حد ضروری ہو گیا تھا چنانچہ میں اسی وقت اپنے  
مرشد کے پاس چل دیا۔ مرشد چنانچہ شاہ کے  
آستانے پر پہنچا تو باہر سے یہی بڑی تعداد وہاں  
موجود تھی۔ اسے جہنم میں لانے کے تفصیل سے بات  
کرا لیکن نہیں تھا۔ انہوں نے مجھے دیکھا تو مسکرا  
دیکھے۔ میں بے یقین تھا کہ جلد سے جلد اپنا مسک  
ابھیں تیاروں۔

انہوں نے میری کیفیت بھانپ لی تھی۔

”مرشد! دو روح میری جان کے پیچھے۔“  
 ”انہیں ہم براہِ امتداد نہیں۔“ حرک کے چپ کر  
 چل جاتے ہیں کیا کی رو کی تین تین نے نہیں یاد  
 کیا اور تہ زندہ سلامت ہو۔ جب تک اس کا گھر نہیں  
 ہوتا کوئی چوگر نہیں کر سکتا۔ جواب! دو روح بھی  
 جھینیں تک نہیں کرے گی۔ ”مرشد نے مسکراتے  
 ہوئے کہا مرشد کا کائنات کہہ دیا کافی تھا۔ میں خوش  
 خوش گر جلا آ۔

اس بات کو کئی سال بیت چکے ہیں اس دن کے بعد سے پھر کبھی تارکی روح نے ہمیں جھگ نہیں کیا۔  
نہ کبھی بھی بہت خوش ہے۔

واقعی اللہ والوں کا ساتھ دینا اور آخرت کے لیے بے حد ضروری ہے۔ آپ لوگوں سے بس یہی کہنا ہے کہ اگر دونوں جہانوں کی بھلائی چاہتے ہیں تو اللہ کے کسی محبوب کا دامن حرام نہ لیجیے۔

پیرے شہر کی کہانی

شہر کراچی میں جنم لینے والی کہانیوں کا نیا خاص سلسلہ



جو نبی شام کی نظر آئے، پھر اُس کی پیچھے نکلتے نکلتے رو گئی، آنے والے میں سے وہی دولا ل آئیں، اسے گھور رہی تھیں۔ سال کی روشت اس کے وجود میں سنہا نہٹ دوڑا، پہلی تھی پھر اچانک۔

فک ہے۔ یہ سوچ کہ قتل کا احوال روپا لیں گا کہ تم تیار ہو چکا ہے۔





ہراساں ہی پراردن اسی درخوف کے عالم میں گزارے گی۔

”پلوٹاؤ۔۔۔ اچلدی کرو تو بھر لیت ہو جاؤ گی۔“ عروج کوڑکی سے پردے بٹائی ہوئی کسری جی کروڑو جیسے نئے اور کھینکے کی صلاحیت سے عروج ہو چکی تھی۔ عروج جا بھگتی کر اسے ہوں لگا کوڑکی سے بھاگتی وہ وہ آٹھیں اُسے ہی دیکھ رہی تھیں۔ شاہ نے ٹھہرا کر پردے برابر کے اوپر ہاتھ بٹے ہوئے دامن روم میں آئی۔ وہ دل کوئی پانی کے چھینٹے اپنے چہرے پر ڈال رہی تھی۔ اس کے حواس کم ہو چکے تھے اور بھر جو مٹی شاہ کی نظر آئیے پر گئی اس کی پیچ لٹکے لٹکے روئی آئیے کی سا پر دی وہ لال آٹھیں اسے گھور رہی تھیں۔ شاہ برق رفتاری سے دروازہ کوئی اپنے بستر پر آئی۔ وہ قرقر کا پل رہی تھی۔ ان آٹھوں کی درخشت اس کے وجود میں سنہاٹ ہو کر دھکیلی گئی پھر اچانک ہی اسے کمرے کی دہلیز پار کرتا ہوا ایک بیڑا اس کے اچانک آگیا۔ کمرے کا چھوٹا سا کمرہ جسے چہرے پر دھکی آٹھیں تھیں۔ آگ کی ٹپٹپ ٹپٹ رہی تھی۔ شاہ سے زاپہ بدل کر دیکھ رہی تھی کراس چہرے کی بہت کڑائی میں کوئی فرق نہیں آیا۔

”چلے جاؤ یہاں سے۔۔۔“ وہ ساری ہتھیں جھنجھ کر کے چلائی۔

”شاہ۔۔۔ کیا ہوا ہے؟“ اس کے والد اس کا ہاتھ تھامے حیرت سے سوال کر رہے تھے اور وہ چوٹی ٹھونس سے انہیں گھور رہی تھی۔

”اگرے تمہیں تو بہت تیز بخار ہو رہا ہے۔ چلو شاہاں بیٹو۔۔۔“ وہ شاہ کی ہاتھ پیٹتی رہی پھر کمرے میں سے نکلے۔ ”میں ابھی قمر باغ سے گئے آتا ہوں۔“ یہ کہہ کر وہ تیزی سے کمرے سے نکلے جبکہ شاہ کے وجود پر ایک عجیب کیفیت جاری تھی۔ قہمت کا

احساس بڑھ گیا تھا جیسے کسی نے اس کی رگوں سے لہر اچھڑایا ہو۔

شاہ پر اسے ایک نئے تصور کے خیل سے باہر آئی تھی اس نے سوچی اپنا قہار اگر وہ شخص اس کا بچھا کرے گا تو وہ درے نہیں بھاگے گی بلکہ ہری ہمت اور دلیری سے اس کا سامنا کرے گی اس حواس نے جیسے یہ پیلوان کوٹھ کے راستے پر اپنی گاڑی کی ریٹس پر جان لی ٹھیک اسی وقت اس کے سامنے وہی شخص اپنی بانیک پر گھوم رہا تھا کہ وہ آگیا انہیں قہار بلکاس کے ساتھ اٹھ گیا اور شخص اس کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا۔ بانیک تیزی سے شاہ کی کار کے سامنے کی جس کے باعث شاہ نے کار کو یک گانے گئے تھے۔

”بھائی! اس نے میرے نئے انتظار کو لایا ہے اس کو اس کی سزا دی جاوے۔“ یہ ابھی شخص تھا جسے شاہ پہلی بار دیکھ رہی تھی۔

”تم دونوں اپنی ٹھوس کھل لے کر یہاں سے دفع ہو جاؤ۔“ انہیں بہر دینا تو دور کی بات اب اگر آج وہ اس راستے پر نظر آئے تو میں تمہاری ٹھوس پوٹس سے کروں گی۔“ شاہ نے اچانک سخت لہجے میں کہی۔

”بھائی! اس کی اتنی جرات اس کو کیوں آتا خوا کر لیا جائے؟“ فرنگی دادی والا شخص میٹس کے عالم میں آگے بڑھا۔

”ہاں! یہ سب ہے؟“ سالی ایسے نہیں مانے گی۔ ”دوسرا بھی آگے بڑھا مگر شاہ نے برق رفتاری سے گاڑی ریمس کی اتھڑی سے ایک راستے پر ڈال دی۔ ان دونوں بانیک پر سوار ہونے

اور اس کا بچھا کرنے میں جتنا وقت درکار تھا اتنی دیر میں کتنا مختلف راستوں سے ہوتی گاڑی کار سے واپس گھر کی طرف بھاگ گئی۔

”اُف۔۔۔ مجھے اٹھا کرنے کی کوشش۔۔۔ سوچ کر شاہ کا منہ کے مارے پر حال تھا۔ اس کی اتنی ہمت ہوئی ہے کہ اب وہ اپنے دوست کے ساتھ مل کر مجھے اٹھا کر جاتا ہے؟ اس طرح میرا تو گھر سے لٹکانی مشکل ہو جائے گا۔ کیوں میں نہیں پولیس اسٹیشن میں اس کی کھینک گھما دوں؟“ اور پھر وہ اپنی سوچوں کو کھلی جامہ پیتائی گستاخ جو ہر قاتلے کا ٹھکانا بن چکا تھی۔

”تو کیا ہے اس کا بھوت ہے جو مجھے پریشان کر رہا ہے اسے دلوں سے؟“ شاہ کے کنبے میں تشویش تھی۔

”بی بی! میں نے ایسا کیا کیا؟“ ہو سکتا ہے کوئی اس کا ہم چل ہو؟“

”اس کا ہم چل ہے؟“ اس کا بھوت لیکن وہ جو کوئی بھی اس نے میری زندگی کو اجڑا کر بنایا ہوا ہے۔ اگر آپ کو نہیں کر سکتے تو میں اب خود ہی سے نہٹ لوں گی۔“ شاہ ایک بار پھر لائن کا ٹھکانا بن چکی تھی۔

”نہیں وہ حقیقت میں کوئی بھوت تو نہیں؟ لیکن نہیں وہ کوئی بھوت نہیں ہو سکتا۔ آج اس کے ساتھ اس کا دوست بھی تو تھا کہ اس کی ہراساں آٹھیں۔ اور پھر وہ کیوں مجھے اپنے ارد گرد میں ہوتا ہے مجھے وہ کتنا میرے قریب ہی ہو؟ کہیں یہ میرا ہم تو نہیں ہے یا ہر خوف کی علامت؟“ سبھی وہ میرے اصرار پر سوار رہتا ہے ہر وقت لیکن سب انہیں کی بات کی بات کسی حد تک ہامب تشویش بھی تو ہے۔

”نہیں جس شخص نے اٹھا کرنے کی کوشش کی تھی کیا وہ اس کا قاتل نہیں ہے؟“ انہیں نے ایک بار پھر شاہ سے سوال کیا۔

”پلوٹاؤ صاحب! میں آپ سے مذاق نہیں کر رہی۔ یہاں میری جان بچنا ہے لا رہا آپ مجھے اس فنڈے کو گرفتار کرنے کے مجھے سے سوال پر سوال کر رہے ہیں؟ اگر کھل میرے گھر والے میرے اٹھا کر رہا رہا آپ کے آپ لٹکوانے آئیں؟ شاہ جب آپ کو میری بات نہ مانتے تھے انہیں آج جانے گا۔“ شاہ منہ سے کھنک لائن کاٹ چکی تھی۔

”عجیب بات ہے؟“ لڑکی جس شخص کے ہمارے میں بتا رہی ہے وہ تو پولیس ریکارڈ کے مطابق ڈنڈہ

ایک پرائیویٹ اسکول بمبھڑ شاہ اپنی آنکھوں میں  
اسکول سے گھر جا رہی تھی کہ اسے فائرنگ کر کے قتل  
کر دیا گیا۔

”کیا شاہ کا قتل ہو گیا ہے؟“ سب اسٹیکر کا منہ  
حیرت سے کھلا رہ گیا۔ وہ برقی رفتار سے سیٹ  
چوڑ کر کھڑے ہو گئے تھے۔

”خوش بہت شاطر اور چالاک تھا کیونکہ قتل  
کرنے کی کوئی اصلی وجہ سامنے نہیں آ رہی تھی۔  
شاہ کا موہن پرشس میں ہمیں ہزاروں روپے اور اس کی  
کار جوڑی کی توں میں گمراہی سے بنا کر قتل کیا گیا  
ہوگا، ہمیں کوئی حجت و دہشت کا پتہ نہ تھا؟“ ڈیوٹی  
آفیسر اپنے سینہ و جرات بیان کر رہا تھا۔

”تو میرے ساتھ تحقیق شروع کرتے ہیں  
یقیناً شاہ کو آج پھر اغوا کرنے کی کوشش کی گئی ہوگی  
اور دورانِ حراست اسے کوئی مارکر ہلاک کر دیا گیا“  
آہ۔۔۔۔۔ سب اسٹیکر عادل نے سانسف کے انداز میں  
اپنی گردن ہلاتی۔

”لیکن میرے لیے پریشان کن بات یہ ہے کہ  
شاہ نے دور دراز جس شخص کا طبع مجھے بتایا ہے وہ  
پولیس پر کارڈ کے مطابق مرچکا ہے اور اس شخص کی شکل  
و صورت اور جسامت کا طرم و قاتل میری انویسٹی  
کیشن کے مطابق کوئی نہیں ہے۔“ سب اسٹیکر عادل  
اپنی دوشیں ہولتے چلے جا رہے تھے۔

”سزا آپ کس خرم کی بات کر رہے ہیں؟“  
ڈیوٹی اسٹیکر نے مداحی کی۔

”ایاز خان کی۔۔۔۔۔ سب اسٹیکر عادل کی انگریز  
علاقہ میں کئی غیر مرئی نقطے پر گردنیں اور وہ ہر سوچ  
انداز میں کمرہ تھے۔ ”ہاں بات کو تھوڑا سا مزاح  
سماں گزر چکا ہے، لیکن ایسا تو نہیں ایاز خان کی روح  
ہلک رہی ہو؟“ ڈیوٹی اسٹیکر قدرے سخت انداز میں  
کہہ رہا تھا۔

”دوست! کیا تمہیں ہو سکتا ہے؟ ایک روح کیوں  
کسی لڑکی کا قتل کرے گی؟“ سب اسٹیکر عادل نے  
اسے گھورا۔

”خیر میں نے سنا ہے ایسے افراد جو بے گناہ  
لوگوں کو قتل کر دیتے ہیں ان کی دوشیں ہلکا کرتی  
ہیں۔“

”جوہی قس آرائی بند کرو اور مجھے یہ کس دیکھنے  
دو۔“ سب اسٹیکر عادل نے۔۔۔۔۔ دلوں اپنی اپنی  
باتوں میں غور وادرات کی جگہ پر پکڑے ہوئے تھے۔ شاہ کی  
کار جوڑی پولیس اسٹیشن پہنچائی جا رہی تھی جبکہ شاہ کے پرس  
کی تاشی کے بعد اس کے دروازہ کو اطلاع دی جا چکی  
تھی۔

ابھی شاہ کے کپس کی مٹیاں کھل طور پر سلجی  
تھیں تھیں کہ گلستان جوہر سے ہی تین کال کر کے  
اغوا کی خرب اسٹیکر عادل کوئی اور پھر دورانِ تحقیق  
ہی دو کال کر کے ایک لاکھ روپے تاوان کے عوض  
بازیا ب ہوئیں جبکہ تیسری کو تاوان نہ ملنے کی وجہ  
سے قتل کر دیا گیا۔ طرم کا سراغ لگانے کی فرض سے  
چپ ان دونوں کال کر کے جان نہ دیا تو کیا کوئی سب  
اسٹیکر حیرت کے سمندر میں غرقے کھائے تھے کیونکہ  
دونوں میں خرم کا وہی طبع بیان کر رہی تھیں جو شاہ  
نے بتایا تھا۔

”یادی! یہ کیا جا رہا ہے؟ کیا واقعی ایاز خان کی  
روح ہلک رہی ہے یا پھر کوئی اس کے کپس میں شہ  
خاکت کر کے کارزار گرم کر رہا ہے؟“ اسی دوران  
دورانی سندھ کے پالٹ اقبال کا تیسری کو فائرنگ  
کر کے قتل کر دیا گیا تھی شاہدین کے مطابق قتل  
کرنے والا طرم اور کوئی نہیں ایاز خان ہی تھا اور  
پھر کیے بعد دیگرے دو لاکھوں روپے اور اسٹیکر کے قتل  
کی بھی اطلاع موصول ہوئی۔ قتل کرنے والا انتہائی

خفا کی سے قتل کرنے کے بعد تھانے کہاں غائب  
ہو رہا تھا؟

گلستان جوہر کے رہائشیوں کے لیے ان کا  
ملاقات شہر آسپس بن چکا تھا۔ ان کے مطابق ایاز کی  
روح ہلک رہی ہے، ہمیں دو ایک وقت تعجب نہیں  
پر نظر آتا ہے۔ آسانی سے لوگوں کا قتل عام کرتا ہے  
اور پھر غائب ہو جاتا ہے کیونکہ پولیس اور سیکورٹی  
کے ادارہ سب اپنے کمر زور میں نہیں کیا کہ مظہب  
دہشت گرد کو پکڑ نہیں سکیں۔ یقیناً کسی روح کا کام  
ہے اور یہ روح ایاز خان کی کی؟

کراچی پولیس کے سیکرٹری نقیضی حضرت ایسی  
ایاز خان کی کم کے سب اسٹیکر عادل کے لیے یہ  
فصل سمجھ میں نہ آتا تھا۔ ایک باقاعدہ تفصیلی رپورٹنگ  
کے بعد سب اسٹیکر عادل نے ایاز خان کی قبرستان کا دورہ  
کیا جہاں انہیں ایاز خان کی قبر مل گئی۔ دور اسے  
جاری ہونے والا ایاز خان کا ڈھیر منگھٹت بھی ان  
کے اوسان خطا کیے دے رہا تھا جبکہ علاقے کے  
لوگ ایاز خان کی جنتی روح سے بچنے کے لیے  
تکف ملہ سے جوع کر رہے تھے۔ ان کا خیال تھا  
کہ قلعے اور خود کو تاوان کے حصار میں لے کر  
نکلنے سے ایاز خان کی روح ان کو کوئی نقصان نہیں  
پہنچائے گی۔

کراچی قائد آباد سٹریٹ پولیس سٹیشن کے قریب  
16 اگست کو دو دوستوں میں منگھڑا ہو رہا تھا۔ سٹیشن کان  
کے باعث دونوں نے ایک دوسرے پر پتہ نہ لایا  
لی۔ شوخی قسمت نے دورانِ پولیس کے موہن کا کڑور  
دیں سے ہوا پولیس ایٹکا روں نے دونوں کو حراست  
میں لے کر پچھو پچھو کی معطوم ہوا کہ ان میں سے  
ایک خرم عاقل کے کہ گلستان جوہر کا رہاگی اور  
بہتر گروپ کا کارندہ ہے۔ انوکھ انویسٹی کیشن سٹیل

## خبر

محل میں تم نہ آئے، زمانے گزر گئے  
انگوں کو کچھ پائے، زمانے گزر گئے

کھلی ہوئی ہے کب سے تو اسے وہاں  
تھو کہ گئے، زمانے گزر گئے

پہلو نہ ملے اب کے میرے خطاب کا  
ہاتھ جو کہ نہ پائے، زمانے گزر گئے

حاصل ہے میرے اقد کا ایک پی  
لہری آئے، زمانے گزر گئے

کب تک اقدے رکھوں، زندگی کا ہر  
کاغذوں پر سر اٹھائے، زمانے گزر گئے

پیلے تو دل گی کے لیے وہ عا غم  
پھر مجھ سے مل گئے، زمانے گزر گئے



فیصل احمد نجم



# سفر کہانی چیت جیت دیتے ہیں سچے مسافر کی آنکھوں کی دھند

مسعود جاوید

## پاکستان کا سفر

آتش کا خیال

سڑے شہر مسافر کو دل بھرتے  
جزیرہ شجر سایہ دار راہ میں ہیں

مسعود جاوید سے سچی ایسا صرف مسافر ہی دیکھتا ہے

مسعود جاوید کا شمار ادیبی حیران کے دل شہر حیدر آباد کے معروف ادیب مسٹر صفائیوں رائے پور رام ناگپور ڈاکٹر زبیر میں ہوتا ہے۔ آپ نے ہمارے سفر باوجود اس کے بہت سالوں پہلے کیا ہے لیکن ان کے اس سفر نامے "ہندوستان میں پاکستان کا سفر" کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ یہ مسعود جاوید کے "کل" والے مشاہدے اور تجزیے کے تاثر میں بھی آج کے ہندوستان اور پاکستان کی تصویر دکھاتا ہے۔

کہتے ہیں کہ ہر وقت کہہ کر نہیں آتا کسی طرح جب ہم ہر برس وقت سے اپنا سفر لائیں اس وقت کوئی جیٹ کی اطلاع دی اور نہ ہی کسی قسم کا اشارہ دیا بلکہ بیٹھے بٹھائے ہمارے ذہن میں ہمارے گھومنے کا خیال ڈال دیا اور وہ بھی بذریعہ ٹرین اور پرنٹنگ مشین کے کہنے کو دانا ہو جیسے انسانوں کے بس کی بات نہیں ہے لہذا ہم نے بھی ہر برس وقت کی دھنگ پر خوش آہدہ کیا اور کاندھ کی کارروائیاں مکمل کرنے کے بعد اپنے سفر کے دوسرا حصہ آفتاب اور آفتاب نوری کے ساتھ (جن کی خاصیت ہندی سے واقفیت

عرصہ لاہور میں سکونت اختیار کی اور ہر ایک ہفتے عام عارف کے لئے کے ساتھ دوبارہ کراچی کے شہر گلستان چورہ گیا مگر میری بد قسمتی کہ میں پھر گیا اور یوں پھر کی ایک کروڑ روپے کی رقم کی دھولی کے لیے میں نے جو ڈراہہ چایا جو حکیم داخل کیا تھا اُسوں وہ سب دھرا کر دھرو گیا۔

قارئین!۔۔۔ اپنا خان عارف کے کے زندہ روح اس وقت عداقی رھاڑ پر کراچی سینٹر ٹیلی کے زیر سماعت قیدیوں کے ہیرک میں انتہائی ہے لیکن اور پڑھنا کن صورت حال سے دوچار ہے۔ اس کے ساتھ موجود دھڑوں قیدی اپنا خان عارف کے کے ٹھکانے پہنچے ہیں۔ یہاں کوئی مارکر بیٹھ جاتا ہے۔ لہذا یہی روح بچے سوئے نہیں دیتی میں بھی ان اپارٹمنٹس کو دیکھتا ہوں جہاں میں کھڑے ہو کر قازم کرتا تھا اور بے قصور لوگوں کو بڑے سی آرام سے مار دیا کرتا تھا۔ مجھے کبھی وہ ملی نظر آتا ہے جہاں میں نے ایک تو جہان کو گولی مار کر اس سے گاڑی چھٹی تھی مجھے اس ہلڈر کی روح بھی بے چین کرتی ہے جس سے میرے کی رقم نہ ملنے پر میں نے اسے موت کے گھاٹ اتار دیا اور میرا سکون اس وقت رہا ہو جاتا ہے جب میرے خیالوں میں شاد چہرہ گھم جاتا ہے۔ میں نے کبھی بے دردی سے اس کے دماغ میں گولیاں اتاری ہیں صرف اس وجہ سے کہ وہ مجھ سے دوستی نہیں کر جاتی تھی۔ یقیناً آج میرے ہاتھوں مرنے والے درجنوں افراد کو دیکھیں میرے عقاب میں ہیں۔ آج نہ میری روح میرے قابو میں ہے بلکہ نہ میں ان کی بے چین مدد کا وطن کر سکتا ہوں۔ جانتے کیوں مجھے ایسا لگتا ہے کہ کوئی گولی میری ہڈیوں پر اب تاقیات میری روح بھینکتی رہے گی۔

میں جب ملزم عارف کے کے منتقل کیا گیا تو پولیس افسران کی حیرت کا لہجہ نہیں رہا کیونکہ عارف کے کے اپنا خان عارف کے کے تھا۔ وہ رانہیں تھا بلکہ اس نے میرے کا دھوکہ دیا تھا حالانکہ یہ بات تصدیق شدہ تھی کہ اپنا خان کی قید 16 جنوری 2011 کو پاک کالونی کے علاقے سے لی گئی تھی۔ اس نے لیکن بھی ہو چکی تھی اور اس کی قید بھی سوچ رہی تھی۔ اس کے گھر والوں نے اس کا سوگم اور ہوشیار کیا مگر مردہ اپنا خان کیسے زندہ ہو گیا؟ پولیس ریکارڈ میں اپنا خان کے کے دھوکہ شکنی کے پوسٹ مارٹم رپورٹ اور اس کے قتل کی ایف آئی آر بھی موجود تھی۔ اور ہر سب سپیکٹر مال کی ایکس رانیوں میں بھی میں پلا خریاں خان عارف کے کے نے چپ کاٹل تو ڈیا تھا۔ اپنا خان عارف کے کے نے بتایا تھا کہ میں تین بچوں کا باپ ہوں۔ خود کو جرائم کی دنیا سے نکالنے کے لیے میں نے اپنے کزن ارشد کا سہارا لیا ارشد نے مجھ سے کہا کہ میں ایسا کارکنوں کا کو تو زندہ رہے گا لیکن کا قندوز پر تیری موت ہو جائے گی میں ارشد نے 2010 میں نڈ جوبلی انٹورنس سے میری انٹورنس کروائی اور میرے کی رقم ایک لاکھ 45 ہزار روپے کی ادائیگی اس پالیسی کے مطابق اگر میری موت عمل ہوئی تو میرے وارثان کو 70 لاکھ روپے اور اگر میری موت غیر عمل ہوئی تو میرے اہل خانہ کو ایک کروڑ 50 لاکھ روپے ملنے تھے۔ میں نے بڑے پالیسی پر دستخط کر دیے اور مگر ہم نے ادارت قرض کی حالت شروع کر دی جو ہمیں ایسی ہی تھی تو آسانی لگتی تھی۔ اس کے بعد کا قندوز ایک منصوبے کے تحت اس لڑکی کو دینا ہوئی لیکن اس قہر پر اپنے نام یعنی اپنا خان کے کے نام کی سنگ مرمر کی تپنے میں خود بھی نصب کی۔ یوں میں اپنے گروہ کے لوگوں کے لیے مر گیا۔۔۔ میں نے کچھ

اور نہ جانے فتن نہ پائے باندن کے صدقائے ہم نے  
 ابرائے گزراں کے لیے نہ صرف کہ ہوا ایک بلکہ شکر  
 ایسی ساتھ ساتھ ہوا گرد کیا کہ گریوں میں مگر نہ  
 ملا تو ہمیں وہ رات پلٹ فلام پر فطرتے اور  
 سکرے گزراں پر پڑی۔ جہاں بیادیں عریا انداز  
 میں دیکھنے کی خوشی میں جوں توں کہ سدا ت گزار  
 اور سچ سات پیچے ہم لاہور کے اس پلٹ فلام پر  
 قطار میں گئے ہوتے تھے جہاں ہم جیسے اور بھی لوگ  
 زندگی کے ایک نئے تجربے سے گزرنے کے لیے  
 شاید رات ہی سے قطار بنا چکے تھے۔ خدا خدا کہ  
 سورج نے سراسر اجماعاً شروع کیا۔ سچ کے سات آنخ  
 پکڑا اور پھر ساڑھے سو بجے تھے جب پلٹ فلام پر  
 بنے قاتی جنگ میں بوکا ٹیل کی محسوس ہوئی۔ ہم نے  
 ایک ایک کر دیکھا تو پتہ چلا کہ کسٹم کا عملہ اپنی  
 ذی نیاں سنیاں رہا ہے۔

قطار نے ریختن شروع کیا اور اسی رفتار سے ہم  
 بھی آگے بڑھنے لگے اور پھر جب ہم جنگ میں داخل  
 ہوئے تو سیاحت کی خصوصیت خوشی بھی ہمارے ساتھ  
 شامل تھی اور اسی خوشی کے سامنے ہم سب مسافروں  
 کے کھم میں ہم انگریزین کے کاؤنٹر پر پہنچے اور اپنا  
 پاسپورٹ بمعہ دو یا دو ایلتھ سرٹیفکیٹ وہاں ماموران  
 ایک صاحب کے ہاتھ میں حتمی تو انہوں نے  
 کافدات دیکھنے کی بجائے ہمارے دوسرے ہاتھ کی  
 طرف دیکھا اور اسے غالی کر ٹھکانا انداز میں کہا۔  
 ”مرد ہے۔“

”جی؟“ ”ہم نے کچھ نہ سمجھے ہوئے سوالیہ  
 انداز میں کہا۔  
 ”مرد ہے؟“ انہوں نے سادہ لہجے میں ایک  
 مرتبہ جردہایا۔  
 ”کس بات کے بھائی؟“ ہم نے پوچھا اور  
 جواب میں انہوں نے ہمارے پاسپورٹ اور

دیگر کافدات کو غور سے دیکھا۔  
 ”پاسپورٹ انگری کے۔“ انہوں نے کہا۔  
 ”جین جیپاں کی ہماری معلومات کا تعلق  
 ہے اس قسم کی کوئی فیص تو نہیں ہوتی ہے۔“ ہم نے  
 کسی قدر بخلدارہ واز میں کہا اور شاید یہ ہماری بخلدارہ واز  
 کا اثر تھا کہ آس پاس کے لوگ ہماری طرف توجہ  
 ہو گئے تھے اور شاید لوگوں کی یہ توجہ دیکھ کر اسی ان  
 صاحب نے کسی قدر روپے لہجے میں کہا۔  
 ”شعانی کارڈ لائے۔“

ان کا سوال کچھ عجیب سا لگا کیونکہ شعانی کارڈ  
 کے بغیر پاسپورٹ نہیں لیکن اس مسئلہ اور جب ہم نے  
 پاسپورٹ دے دیا تو شعانی کارڈ کا مسئلہ ہمیں کچھ  
 عجیب سا ہی لگا تھا اور یہی بات جب ہم نے ان  
 سے کی تو جواب میں انہوں نے ہمیں بہت ہی غور  
 سے دیکھا۔

”آپ پڑھے کئے کئے ہوا لیے چھوڑ دینا  
 ہوں۔“ انہوں نے گویا ہماری قابلیت کا عینک جہاڑی  
 کرتے ہوئے ہمارے ساتھ رعایت برتی اور  
 پاسپورٹ پر شہر لگا دیا اپنی قابلیت کا امتزاج میں  
 غرہم نے انہیں انگریزی میں ”ٹینک“ کہا اور  
 مڑے جہاں سادے لباس میں ایک شخص تھیں  
 مسافروں سے فی سافر چار سو روپے کا سودا کر رہا  
 تھا اور ان کی باتوں سے اندازہ ہوا کہ وہ تین سافر  
 اپنے اپنے پاسپورٹ میں قارئین اپنے کافدات  
 کرانے بغیر آگئے تھے اور مذکورہ شخص جو شاید اسی  
 متعلقہ ٹکٹ سے تعلق رکھتا تھا ان مسافروں سے چار سو  
 روپے فی کس کے حساب سے یہ کیا کافی مکا  
 کرانے میں مصروف تھا۔

بیچر میں راستہ ہاتے ہوئے ہم انگریزین سے  
 ٹک کر کسٹم کے حصے میں آگئے جہاں کیت پر موجود

ایک صاحب نے ہمارے پاسپورٹ پر کاؤنٹر لکھا  
 اور ہم مذکورہ کاؤنٹر کی طرف بڑھ گئے جہاں پہلے ہی  
 تین سافر اپنا سامان ہمارے مذکورہ فطر سے  
 سرکوشوں میں مصروف تھے۔ ہم نے ایک کوٹے  
 میں اپنا اپنی کس کرکنا اور جب سے حرکت لگائے  
 کے لیے ہاتھ جب کی طرف یہاں ہی تھا کہ کسٹم  
 آفیسر کی آواز سنائی دی۔  
 ”پتوچی آپ سیمیں جی کرادیں۔“

ہم نے آواز کی سمت دیکھا تو کسٹم آفیسر  
 صاحب ہم سے یہی مطالبہ تھے۔ ہم نے گھر کران  
 کی آنکھوں کے تعاقب میں اپنی نظریں دوڑائیں تو  
 ہماری نظریں اپنی اگلی میں موجود شادی کی انگوٹھی پر  
 پڑیں۔

”کیا مطلب؟“ ہم نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے  
 پوچھا اور آفیسر صاحب نے تین سافروں کو  
 نظر انداز کرتے ہوئے ہمیں اپنے قریب آنے کا  
 اشارہ کیا۔ ہم نے حیرت سے پوچھا۔

”اس لیے کہ یہ فیص جاکسی۔“ انہوں نے  
 کہا۔ ”اسے آپ کسٹم میں جمع کر دیں۔“ انہوں نے  
 نہ رعایت دیتے ہوئے کہا۔  
 ”جین کیلیں جتا؟“ میں نے حیرانگی سے  
 پوچھا اور جواب میں انہوں نے ہاتھ سے انگوٹھی  
 اتار کر ہاتھ میں ڈالنے سے ہوتے کہا۔  
 ”سواؤ آؤرے ہوگی۔“

”جی نہیں۔“ میں نے صبح کرتے ہوئے کہا۔  
 ”نصف تولی ہے۔“  
 ”میں زیادہ وزن کی ہے۔“ انہوں نے فیصلہ  
 کن لہجے میں کہا اور ان کے اس لہجے سے میں  
 مصرت حال کسی حد تک سمجھ چکا تھا اہمات  
 بوجھانے سے بچانے میں نہ کہ کہ بھائی اٹھہ کرنے  
 سے بچانیں بلکہ بڑھ تولی ہو مگر میری شادی کی  
 انگوٹھی ہے جسے میں کسٹم کے مزدوروں میں کچھ چھوڑ سک

قادر جبکہ میں تیرے اور آخری سے میں سے پہنچا تو  
میں نے اس شخصیت کو کھڑے پایا۔ چہرے سے کھڑ  
نظر آنے والی یہ شخصیت بادبہ برحاط سے قابل  
احترام نظر آرہی تھی۔

میرے ایک ہاتھ میں اچھی اور دوسرے ہاتھ  
میں پادھوت تھا اس شخصیت نے میرے چہرے  
کو بخور دیکھا اور ہاتھ سے آگے جانے کا اشارہ کیا۔  
میں جگہ سے نکلا تو گیت کے ساتھ ہی کھڑے دو  
بادروں نے مجھ کو ہاتھ سے ہیرا رست روک لیا۔

”میں روپے۔“ انہوں نے بیک وقت کہا۔  
”کیا مطلب؟“ میں ایک مہرج بھر حیرت کا  
ظہار ہو گیا تھا۔

”گیت پار کرنے کے نہیں روپے۔“ انہوں  
نے کہا اور مجھ پر بھلاہٹ بھرا ہوا۔  
”ادھیانئی میں بھی پاکستانی ہوں کسی بات کے  
میں روپے دوں؟“ میں نے بھجھلے ہوئے الفاظ  
سے کہا اور شاید میرے لہجے کی گرمی کی وجہ سے انہوں  
نے مجھے چپ چاپ راستہ دینا دیا۔ میں نے قدم  
بڑھائے اور پلیٹ فارم سے گئی سمجھو انہیں کسی  
میں چبھ گیا۔ گاڑی پلے میں ابھی کافی دیر تھی میں  
نے کڑکی میں سے سر نکالا اور کھنگے میں ہونے والا  
قماش دیکھنے لگا۔ اسی دوران مجھے خیال آیا کہ ابور  
میں بھارت سے صرف ہندوستانی مسلمان نہیں  
آتے۔ کبھی کبھی آتے ہیں۔ ان سکھوں کے لیے  
جنہوں نے ہمارے بچوں کو تیزو پر اچھال کر اور  
کر پاؤں سے تھکا کر کے کہا تھا۔  
”نہ پتہ تھا مارا پاکستان۔“

ہم پاکستانی کس طرح بچے جاتے ہیں باطل  
اس طرح جیسے سکھوں ہمارے سر لالہ ریشہ دار  
ہوں۔ مجھے یہ بھی خیال آیا کہ بھارت جانے والوں  
میں صرف پاکستانی مسلمان نہیں ہوتے۔ ہندو اور  
سکھ بھی ہوتے ہیں۔ سکھوں کے لیے سکھانگ گنیم۔

مارہو کیوں بن جاتا ہے؟ لیکن میرے ان خیالات کا  
وہاں جواب دینے والا کوئی نہیں تھا۔

لاہور اسٹیشن کے پلیٹ فارم پر سبھی سمجھو  
ایک بھر میں سارے محل سے الگ ٹھنک ٹھنکی تھی  
اور اس ٹرین کے مین سائے لوبے کا وہ چنگا تھا  
عاطف تھا جس کی اپنی ایک دنیا ایک اپنا ماحول تھا اور  
اس دنیا اس ماحول سے گزرتے وقت مجھے ایسا  
محسوس ہوا قہقہے یا پاکستان کا ایک شہری نہیں بلکہ  
کوئی مظلوم کا ردارکھنی تھی کسی قابل فخرت تباری  
میں جٹا مریض ہوں جس سے اچھوتوں کا سارو یہ  
استیبار کیا گیا تھا۔ میں نے غصہ کی ماسی کی اور کڑکی  
میں سے سر نکال کر کھنگے قماش کی دنیا دیکھنے  
لگا۔ میرے سامنے ہی ٹھنک ٹھنک ڈھیر صاحب  
کھڑے تھے اس شخص کو دیکھ کر میرے دل میں  
ایک خواہش ابھری کہ کاش میرے ملک کے قیام  
افران و دہرہ صاحب جیسے ہو جائیں تو میرا ملک  
اپنے نام یعنی پاکستان کی زخموں سے بھر جائے۔ میں  
نے کھنگے کے دوسرے حصے کی طرف دیکھا وہاں  
ڈھیر صاحب کے اصولوں سے ڈرے سبے چھوٹے  
افران چنکا نظروں سے مکرعائے کی جانب چر  
نظر دیا۔ مجھے ہونے والا دہری اندھ کا ہمارے  
تھے۔ میری کڑکی کے مین سائے ایک ۸۰ سالہ  
عورت ڈارو تھا روڑے ہوئے پیچ کر کشمہ والوں  
کو بھلا کھدی تھی۔ میرے پچھنے پر اس نے بتایا  
کشمہ والوں نے اس کا پاؤں ہزار میل پڑاؤ لے کر لیا  
ہے۔ مجھے اس عورت کے بھلا کر روڑے پر بھی  
آگئی۔

”اس! پاؤں ہزار میل پڑاؤ لے کر لیا ہے جا  
رہی تھی؟“ میں نے اس عورت سے پوچھا  
اور جواب میں اس عورت نے مجھے فرار کر دیا۔ چند  
لے کے لیے نظر میں بنائیں تو کہا ٹنٹ کے  
روڑا سے پر کڑی ایک ادھیر عورت نظر آئی۔ وہ

روڑا کا لے بغیر بے قیاس دروہی تھی۔ میں نے اس  
روڑے کا سبب پوچھا تو وہ خاموش رہی۔ میں  
نے پھر پوچھا لیکن وہ بھر ہنسنے لگی اور جب میں  
نے تیزی مہرج پوچھا تو اس نے دلی ہوئی آواز میں  
بتایا کہ اس کا ذرا بیڑا میل پڑاؤ لے کر لیا ہے۔ نہ  
جانے کیوں مجھے انہوں کے بجائے ہی آئی لیکن  
ساتھ ہی یہ بھی خیال آیا کہ ان جیسے لوگوں کے ساتھ  
ساتھ مجھے جو لوگ جو کچھ سنیں آپ وہوا کی خاطر  
یا کچھ کہناؤں میں پڑے جانے والے ماحول کو چھوڑ  
خود کہنے کے شوق میں کمر سے تلے میں انہیں کیوں  
لیٹ میں لے لیا جاتا ہے؟ میں ان ہی خیالوں میں  
گم تھا کہ ٹرین میں زندگی کے آٹھ محسوس ہوئے۔  
میں نے چند کہہ کر بار دیکھا تو لوبے کا کشمہ اسٹیشن  
سے خالی ہو چکا تھا گویا اب ٹرین کے پلے کا وقت  
آ گیا تھا۔ میں نے باہر دیکھا سامنے پلیٹ فارم پر  
رہی ایک بڑی سی میز پر گہری ٹیلی دروہی میں ٹیوں  
ابار بیٹھے اپنی اپنی بیٹوں سے مختلف رنگوں کے  
نوٹ نکال نکال کر دھیر کر رہے جا رہے تھے اور پھر  
ان ٹیوں کی گفتی شروع ہوئی تھی۔ میں نے بھی ان  
ٹوٹوں کو گھنٹا جالاکر ٹرین سے سرکا شروع کر دیا  
تھا اور آہستہ آہستہ شہر کی آبادی سے گزرتے ہوئے  
واک چیک پاسٹ کی طرف بڑھ رہی تھی۔

شہر لاہور چہرہ میں مٹنگ اپنے مضاملات  
کے کھیتوں نکلیاؤں کے کھارے گرا کر پہا ان  
کھیتوں کے درمیان میزوی ہزارو قشائیں بھی وہی  
جس حکمرانی میں آدلوگوں کا ملکہ بدل چکا تھا اور  
کھہ آبادی اپنے مخصوص انداز میں دکھائی دینے لگی  
تھی۔ میں یہ بخارہ دیکھنے میں محو تھا کہ میں کبھی  
مٹ کے سڑ کے بندوڑین کے ایک ستانی دینے  
لگے اور پھر دیکھتے دیکھتے ہزار ٹرین رک جی تھی  
میں نے کڑکی میں سے سر نکال کر دیکھا تو مجھے

## آج بھی!

آج بھی مجھے وہی ارمان ہے  
جہاں تھاپے توں تھا بلکہ برسوں سے تھا  
وہی تھاپی ہے کئی وہی یاد  
گزرے دنوں اور رسال کی طرح  
اپنی ذات کا اور احرامین  
کھل ہونے کی خواہش  
آرزو اور قضا  
تھ سے لے کر کدک  
تجے پانے کی جاو  
اور میرے ہے کھوئے کا ارمان  
آج بھی وہی ہے



آصف اقبال بلوچ

سنگ پور اور پیر پور سے ملتا جلتا مقرر دکھائی دیا۔ صاف سحر اور ہیبت کا طیف قائم رہا میرے سامنے قلم مناسب قاسم سے سفید شکم کاؤنٹر۔ مسافروں کے بیٹنے کے لیے صاف تھری گھنٹی میرے سامنے تھیں۔ دوسرے مسافروں کی تحلیہ میں میں نے بھی اپنا سامان اٹھایا اور فریجن سے اتر کر پلٹ قائم ہو آ گیا۔ سیاہ وردی میں بیٹوں ایک کچھ شکم کاؤنٹر آفسر نے بلند آواز سے مسافروں کو اطلاع دی کہ تمام مسافر اپنے اپنے ڈبوں کے سامنے موجود اسٹریٹین کاؤنٹر کے قریب قطار بنائیں۔ ہم نے قطار بنائی مگر ہر اہمیت سنائی دی کہ ہندوستانی پاسپورٹ والے ایک قطار میں اور پاکستانی پاسپورٹ والے دوسری قطار میں کھڑے ہو جائیں۔ میں نے اپنے سبز پاسپورٹ کو محبت سے دیکھا اور پاکستانی قطار میں ٹھرا ہوا کسی نے دیکھا کہ انہوں نے ہمیں نظر انداز کر کے پہلے بھارتی پاسپورٹ کے مسافروں کو نشانہ شروع کر دیا تھا اور جب وہ قطار چھو گئی تب ہماری طرف متوجہ ہوئے۔ میرے دل میں ایک بوک سی آئی۔ ایک بے لوگ ہیں جو اپنے لوگوں کو قوت دے رہے تھے اور ایک ہم ہیں؟ "سیاں کی تیں روپے دے دو۔" کاؤنٹر میں بیٹھی خاتون اصرار سے پاسپورٹ میں میرا نام پڑھ کر کہا۔

"میڈم کس بات کے؟" میں نے پوچھا۔  
 "ہیں دے دو۔ اس کی فیس ہے۔" دیکھ لے

میں آواز سنائی دی۔  
 میں نے ان خاتون کی طرف غور سے دیکھا۔  
 نظر میں ہوتی تھیں اور چہرے پر کوئی جواب نہیں پڑنے پر ایک جواب کی کیفیت۔ دیکھ کر میں نے دوسرے مسافروں کی طرح چپ چاپ کھڑے ہوئے۔ دوسرے دیکھے۔ بھی کئی گھنٹوں سے بیٹھیں بیٹھیں ہاتھوں کے ساتھ انہوں نے وہ نوٹ تمام لیے اور جلدی سے

میرے پاسپورٹ پر arrival کی مہر لگا دی۔ یہ بیٹھ کر شرمندگی دیکھ کر نہ جانے کیوں مجھے اس ناخوشی پر یاد آئے گا تھا۔ (شاید اس لیے کہ میرے ذہن میں اب ایسے انگریزین والے صاحب کا اکڑا لہجہ اور حق وصول کرنے کا انداز لکھم چکا تھا۔)

اس کاؤنٹر سے نکل کر اب ہم دوسرے کاؤنٹر پر کھڑے تھے جہاں ہم سے دن رو پھانگی ہاں صرف دن روپے۔ (ساتھ شرمندگی اور غامت کے ساتھ وصول کر کے ہمارے کاؤنٹر سے پر ایک قائم ہیں دے دیا گیا اور پھر شکم کی باری آئی جس ایک بندہ اور ایک کٹھہر اپنے فرائض نے سامان چیک کرنا شروع کیا۔ میرے سامان میں صوف ساری کے پیکٹ میں چھوٹے چھوٹے پٹے پاکستان حیدر آباد کے ایک پروفیسر اشفاق صاحب کے رشتہ داروں میں دسٹ تھے۔ شکم آفسر نے سامان دیکھ کر اپنی براؤ کے کانٹان لگا اور سی دوران وہاں موجود ایک سنگھ کی سے جلدی سے سہاری کے چند پیکٹ نکال کر منگی میں دیا لیے۔ میں نے اس کی طرف گھور کر دیکھا تو مجھے شکم آفسر کے چہرے پر غارتگی محسوس ہوئی اور نہ جانے کیوں مجھے کسی آگئی۔

شکم ٹیکسٹس کے بعد میں سوچ رہا تھا کہ ان لوگوں نے میری انگلی پر ہتھ پڑا کیوں نہیں کیا؟ مالا مال مگر داخل تھا کہ جب انہوں نے تین سو روپے لیے لیے ہیں تو یہ فکر ازم کہ سو کا مطالقہ کریں مگر مطالقہ دو کمانڈر و دستوں میں تھیں روپے کے گری مجھے وہاں کا تمام ملٹر مند مند و راتھیں اور رہا تھا۔ میں نے سر ہٹا کر اور لوہے کے ٹکے کے اس پار گھڑی فرین کی طرف بڑھ گیا۔

ہمارے پانچ پھر پھر پھر سات اور پھر سات سات بیکے فرین نے دہلی کی طرف چلتا شروع کر دیا۔ ہم سب اپنی اپنی سیٹوں بکے ہاتھوں پر آرام

سے لیٹ چکے تھے۔ سڑک شروع ہوئے مگر ٹھنڈا ہوا تھا کہ ہمارے ڈبے میں تین جاگہ کر ٹیکس والے کی آگئے۔ تمام مسافروں کے پاسپورٹ مع کر کے انہوں نے فی سفر پانچ پانچ روپے کا مطالقہ کیا۔ مسافروں نے یہ بلڈان بھی (دے دیا۔ میرے قریب کٹھہر سے سیاہی سے میری طرف دیکھا اور میری بجائے دیکھ کر کٹھنچن کٹھنچن کی کے ساتھ چپ چاپ میرا پاسپورٹ لوٹا دیا جبکہ قابل اور آفتاب یہ "مٹی" اپنے چاکے تھے۔

فرین کا سفر جاری رہا اور میں جاگتا رہا کیونکہ اسی سفر کے تجربے سے گزرنے والے میرے کچھ دوستوں نے بتایا تھا کہ اس سفر میں موجود مسافروں کا سامان چوری کر لیا جاتا ہے۔ انکی پینے پینے سی ہو چکا تھا جب وہ اسی طرح میرے تو اس کی فرین میں سو جانے کے بعد صبح جب ان کی آنکھ کھلی تو سیٹ کی دوسری جانب سے جا لیان کاٹ کر تالے لگا انکی کی پشت کاٹ کر تمام سامان چوری کر لیا تھا کہ تین برس صاحب تو چنگیز رشتہ داروں میں جا رہے تھے تینا بیس مدد پر ہواشت کر گئے تھے جبکہ ان تو وہاں کوئی بھی نہیں تھا اور دیار غیر میں بے سر سامانی کے ڈر سے ہم نے ملے کیا تھا کہ ہم تینوں میں سے ہر شخص باری باری جاگ کر سامان کی حفاظت کرے گا اور میں نے سب سے پہلے جانے کی فوج داری قبول کر لی تھی۔

فرین اپنی مخصوص رفتار سے چل رہی تھی اور میں ہر گھ پر لینا اپنے اور دوستوں کے سامان پر نظر میں جمانے سوچ رہا تھا کہ فرین کے ذریعہ وہی مسافر سفر کرتے ہیں جو ہوائی جہاز کا یہ روایت کرنے کی سکت نہیں رکھتے پھر تین تین چار چار راتوں کی جاگ نور سفر کی مصیبتیں برداشت کرتے ہیں چند سو روپے

میں اپنے عزیز و اقارب سے ملاقات کی تمنا میں موسم کی منتیں بھیجتے ہیں۔ ہجریاں پر ہواشت کرتے ہیں اور اپنی ذات کی تحلیل کے بعد جب وہ لوہے کے کٹھنچے میں بیٹھے ہیں تو وہاں پر تھیں ملے کا رویہ صحتان سے چور جسوں کی روغن تک کوڑی کر دیتا ہے۔ میری نظریں اپنے سامان پر گئی تھیں مگر ذہن سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔ یہ کچے کے کٹھنچے کے ذریعہ کچھ ایسے پیشہ ورانہ سفر کرتے ہیں جن کا کام اصرار سے اصرار سامان پھینکا ہوتا ہے مگر ایسے لوگوں کے اقتدار اور پارے سے زیادہ وہی ہوتی جبکہ وہ پارے کے خوالے سے بیکروں مسافر کی کے ساتھ جک اسیز ہو صرف چند سو میں منٹ کی مسافت پر فیروز کا رویہ سامنے آتا ہے تو جواب میں وہاں والے یہاں والوں سے کہیں بلند پر اخلاق اور اصرار لگتے ہیں اور ان کا اچھا لگانا کم از کم مجھ جیسے جب وطن پاکستان کے لیے عجب شرمندگی کا سامان بن جاتا ہے لیکن بہر حال یہ ایک حقیقت ہے اور حقیقت سے آنکھ چھپانا حماقت ہے لہذا میں نے اس حق کھلانے کی بجائے حقیقت پسندانہ اعمال اپنایا اور سوچا رہا اور دونوں طرف کے ملے کا موازنہ کرتا رہا۔ اس وقت چونکا جب فرین کے بیکروں نے چھپاتے ہوئے رفتار کم کرنا شروع کر دی۔ میں نے ہاتھ سے سر اٹھا کر کھڑکی سے لہجہ بھانکا دہلی شہر کی حدود و شہر ہو چکی تھی۔ اسی منٹیں روغن میں کچے کے مکانات شروع ہو چکے تھے اور پھر دہلی کے تاریخی لال تلکی مکیم الشان و عمارتوں نے میرے ذہن میں تاریخ و ہرانی شروع کر دی۔ وہی شروع ہو چکا تھا۔

میں بہت شکر ادا اسان فراموش اور اصرار ہوں اور اپنی ان تمام خوبیوں کا احساس مجھے اپنی بھارت

کے سطر کے انتقام پر ہوا اور یہی وجہ تھی کہ جب میں واپس آیا اور دوستوں سے ملاقات ہوئی تو میری زبان پر سب سے پہلا جملہ یہ ہوتا تھا کہ ہم لوگ جنت میں رہتے ہیں اور آدمی اپنی اس جنت کی قدر نہیں ہے اور حقیقت بھی یہ ہے کہ ہمیں اپنی اس جنت کی جیسے پاکستان کہا جاتا ہے اہمیت کا احساس بھارت گھومتے کے بعد ہی ہو سکتا ہے۔ تجربہ بات تھی وہ جن جیسے اپنی ستر گزشت کے انتقام پر کرنی چاہے جسے گھرا اپنے شاعر سے پناہ اسان فراموشی اور محنت کا احساس کچھ تاحاولی ہو چکا ہے کہ اس میں حقیقت کے اس اعتراف کو بروصغ پر دوہرا دیتا ہوں جبکہ اس وقت مجھے یہ عقائد تھا کہ ولایت بھارتی قسوں کو دیکھ کر کہ ان میں یہ خیال پختہ ہو چکا تھا کہ وہاں پہنچنے ہی میں سڑکوں اور گلیوں میں رلاؤ ملتے رکھنا سڑی دیوی اور جیہ پر ادا ہو سکی تھی صورتحال نظر آئیں گی کہ حقیقت اس تصور سے قطعی برعکس تھی اور یہی وجہ تھی کہ گھومتے پھرنے کے بعد جب ہم واپس کا ستر کر رہے تھے تو آقا قب نے بہت ہی اداس لہجے میں کیا تھا۔

”ناخسود بھائی! لگتا ہے کہ یہاں جتنی خصوصیت لڑکائی میں مذہب فقہا والے لگے ہیں۔“

اور جواب میں اقبال بھائی دہان میں پر زور تاکید کرتے ہوئے پھر اے تصور میں گھومتے تھے۔

پھر..... ہندوؤں کا مقدس ترین شہر جہاں چوتیس لکھتے یا تریوں کی آؤدھرت رہتی ہے۔ بسوں میں چارہ پخت گاڑیوں میں اور گلی کے ذریعہ ہزاروں یا تری یہاں آتے ہیں اور کڑن بھنگوان کی جنم بھوی کی پاتر آرت کرتے ہیں۔ یہ ہندو شے بھارت کے معروف ترین سرمایہ داروں بھلا ۵۵ اور ۵۵ لاکھ نے ایلوں روپے کی لاکھ سے تعمیر کرایا ہے دیکھ کر احساس ہوتا ہے کہ لاکھوں روپیہ جب کسی عمارت کی

صورت میں الجھتا ہے تو وہ پھر کا مندر بن جاتا ہے۔ ہم مندر دیکھ رہے تھے اور ہم نے دیکھا کہ مندر کے برابر ایک پہاڑی پر مسجد کی اپنی شان و شوکت سے موجود ہے۔ یہ پھر ایسا گاہ مسجد ہے۔ مسجد کی پہاڑی کے پچھلے سطرانوں کی آبادی ہے اور وہیں گوتے بکرتے ہیں پتہ چلا کہ ”پاٹلی مسجد“ کی طرح یہاں بھی وہی تاجر رہا ہے کہ ہندوؤں کے مطابق ان کے کرشن بھنگوان نے مسجد کے مین پیچھے جنم لیا تھا قنڈا اسی حالے سے مسجد والا مقام ہندوؤں کا ڈھکی چھپی تھا اور مسلمان اس سازش کو اپنی طرح سمجھ چکے تھے نیز اودھ اس سازش کے خلاف تھے ہر گھر پر ہندو اعدائیں دفن کر رکھے تھے اور مسلمانوں کو پھر یہاں لگاتار دھرم دھرم کے باوجود وہاں کے مسلمان ڈٹے ہوئے تھے اور ان کے جذبہ ایمانی کی صداقت ہی تھی کہ ہندو اب تک اپنے مندر میں کامیاب نہیں ہو سکے تھے۔ میں نے عید گاہ مسجد کے سرکاری دروازے پر کھڑے ہو کر پہاڑی کے پیچھے آؤدھ مسلمانوں کی آبادی کو نکلا دیا۔ خدا ان مسلمانوں کا بھی دھرم ہو۔ میرے دل سے بے ساختہ دعا نکلی تھی اور پھر ہمارا سفر شروع ہو گیا۔ ہم آگے چلے پھر پتھر پتھر۔

آگروہ سے بے پور کا ستر کرتے ہوئے میرے ذہن میں تاج محل کو یاد آتا۔ زمین نے رنڈر پکلی تھی اور میں ڈبے میں کڑکی سے ستر کا تاج محل میں حکومت رہا تھا۔ کبھی تہ خانے میں شاد جہاں اور ستر گلی میں قبروں پر پتقی پاتا تھا تو کبھی تاج محل پر برابر ستر مسجد میں جہاں جھوکی نماز بھرتی تھی اور کبھی تاج محل کے مقب میں جس کے گھر وہاں سے بچے چنانچہ دکھائی دیتی تھی۔ زمین کے کچھوں میں تاج محل سے لکل کر میں سکندرا علی گھا۔ جی ہاں آگروہ پر دور سکندرا جہاں اکبر بادشاہ ابدی نیند

سورہے ہیں۔ جب ہم سکندرا پہنچے اور احاطہ عبور کر کے اندر داخل ہوئے تو قلمی روٹی پر لنگروں کے خول نے ہمارا استقبال کیا۔ چند ہندو گھر میں تے ہوئے پرائے ہاتھ میں لیے لنگروں کو کھلا رہی تھیں۔ کچھ شخص دیکھ کر لنگروں نے ہمیں گھر لپا اور اقبال بھائی کے ہاتھ میں دو چودھا چنگ بیک کو بھینس کر اندر بھاگتے گئے مگر ہمارا بے مطلب کی کوئی چیز نہ پا کر انہوں نے ہامی سے بیک اقبال بھائی کے سامنے پھینک دیا۔ ہم آگے بڑھے اور عمارت کے طول و عرض میں پھیلے ہمارے میں داخل ہو گئے۔ بیٹے بڑے ستروں والی راہداری میں سب سے پہلے ۱۵۰ میٹر تھیں ناولں حلوں پر پڑی وہ تھے۔ ۱۵۰ میٹر حروف میں عمارت کے ہر پورے دروازے پر کھرج کر گئے ہوئے نظر آتے۔ پاکستان سے جانے والے نوجوانوں نے دواہری گھر کھرج کر گئے کہ یہ عرف کھدہ ہے تھے۔

ایک کئی اندھیری ڈھلان اتر کر ہم اس تہ خانے میں گئے جہاں شیشہا بکریا دیکھ کر ہنساں روٹنی میں ابدی نیند سو رہے تھے۔ ہم نے فاقہ پرچی اور باہر نکل آئے عمارت کے پورے بڑے ستروں سے لکل لگتے ہمیں چند چوڑے نظر آئے جو دنیا کی نظروں سے چھپ کر دلاؤ دیا میں مصروف تھے۔ مندر سلطنت کے شیشہا کا ستر ارب وہاں کے لوگوں کے لیے لوباہت (love spoil) بن گیا تھا مگر نور جہاں اور سلیم کے عشق کی طرح جلال بادشاہی ان کے عشق کی راہیں رکاوٹ نہ تھیں۔

فرین اپنے مخصوص کچھوں سے چل رہی تھی کہ پکا یک میرے کان میں آشا شے الفاظ کو غصے تصور کی دنیا سے کل کر میں نے توجہی تہا آشا شے کے باوجود سنائی دینے والے الفاظ مجھے آشا شے میں ہوئے۔ میں نے فور کیا تو پتہ چلا کہ وہ الفاظ میرے

سندھ کی بولی کے تھے۔ میں نے گردن گھما کر دیکھا میرے برابر میں بیٹھا شخص سامنے کی سیٹ پر بیٹھے دو آدمیوں سے سندھ میں باہمیں کر رہا تھا۔ اپنے یہاں کی بولی سن کر مجھے عجیب سی خوشی محسوس ہوئی اور میں بے ساختہ اس شخص سے سندھ کی زبان میں محافب ہو گیا۔

”آپ سندھی ہیں؟“

اس شخص نے چمک کر میری طرف دیکھا۔

”ہاں۔“

جواب ظاہر پھر وہ مشکوک انداز میں میری طرف دیکھنے لگا اور اس سے پہلے کہ وہ مزید مشکوک ہوتا میں نے اپنا تعارف کرانے سے اے تیار کر لی تھی سندھی میں ہوں اور پاکستان سے آیا ہوں۔

”اچھا۔“ اس نے تفصیلی تعارف سن کر اس طرح کہا جسے اس کے سر سے کوئی پوچھتا کیا ہو۔ میں نے اس کا ٹک مزید دور کرنے کے لیے کہا کہ اپنے حیدر آباد سے ہزاروں میل دور اپنی سندھ کی بولی سن کر مجھے خوشی ہوئی ہے اور جواب میں اس نے اس طرح گردن ہلائی جیسے میری تاکید کرتے ہوئے وہ میری سات چٹوں پر احسان کر باہو۔

”ہوتی ہے سندھ سے یہاں آنے والوں کو ہوتی ہے۔“ اس نے نوت بھلے لہجے میں کہا۔ اس کے اس انداز اور لہجے پر مجھے نہ جانے کیوں ہی شمت سے تازہ آگیا مگر کیا فرما کا احساس ہوتے ہی میں نے اپنے اوپر کئی مددگ کٹرول کیا اور کڑکی سے ستر کال کر باہر دیکھنے لگا وہ جو چوڑا کونکلی تاجر تھا پورا آگروہ سے جو چوڑا چارہ تھی۔ میری کو پڑی گھوم رہی تھی اور اسے خطا کرنے کے لیے میں باہر بھاگتا رہا۔ فرین چلتی رہی اور پھر عمارت کے دس بجے کے قریب جب فرین رکی تو ہم اپنا سامان منہا لے کر ہوتے چلتے قائم پاتر آئے۔ یہ دیکھ کر کچھ شخص

ہر کا قہار۔ ہم نے اپنا اپنا سنبھالا اور بیٹے قہار سے نکل کر رہیں۔ کنگ کے شہر کی طرف بڑھ چلے۔

یہ ہے پورے ہفتے عرف نام میں "گھائی شر" کہا جاتا ہے اور جس طرح قہار سے یہاں کہا جاتا ہے کہ جس نے لاہور میں دیکھا وہ یہاں نہیں دیکھا۔ اسی طرح ہے پورے کے لیے کہا جاتا ہے کہ جس نے پور میں دیکھا اس کے لیے بھارت کا بڑا ایسا ہی ہے کہ کار ہے لہذا اپنے دیر سے کوکارہ نہ جانتے ہوئے ہم نے پور پہنچ گئے تھے جہاں سے پہلے ہم پاکستان میں شیش بھائی (شیش چندر کمر) کے دینے لائیں۔ کس پر ان کے ایک عزیز سراج بھائی سے ملے اور پھر ایک ہوٹل میں اپنا سامان بچا دیا۔ یہ دو ستاروں والا ہوٹل تھا جس میں ڈیل بندھ کر کرایہ ایک سو میں روپے تھا جسے نہ کر اور ہوٹل کی شان و شوکت اور سروس دیکھ کر میں نے سخت اپنے لاہور کا ہوٹل یاد آ گیا جس کے ہاتھ روم میں نو ہوائی بستر تھے۔ پہلی اور چھٹی کمر میں تین اور سروس کے کام پر بے اعتنائی اور بے دردی کر کے تھیں۔ دو سو روپے میں نے سہ ہفتہ گزار دیں۔ رات کے گیارہ بجے میں نے تھکا ہوا حضور طور پر بیٹھ گیا کہ سب سے پور کی سیرنگ سے شروع کی جائے گی۔

دوسری صبح میں تھے اور سب سے پور پر پہنچ چکے تھے۔ پور کی تاریخ بچا بازار جوہری بازار کو ہم کس آجیر کا قلعہ بھیجے تھے۔ ہم نے دیکھا کہ سب پور میں عام آبادی سے زیادہ غیر ملکی سیاح نظر آ رہے تھے۔ انگریزی فلموں کی سیرکون سے زیادہ خوبصورت اور پرکشش لڑکیاں اسکرٹ مین اور جیکٹ میں بیٹیں سارے شہر میں گھری پڑی تھیں لیکن نہ جانے کیوں ان چروں سے زیادہ کشش ہمیں شہر کی گلابی دیواروں میں مٹھی ہو رہی تھی۔

آفتاب تو بھی کھڑا اور دھڑک رہا تھا لیکن قہار میں اور آفتاب بھائی وہاں کا گھر دیکھنے میں مست ہو گئے تھے اور اسی میں ہی ہم آجیر کے قلعہ تک پہنچ گئے تھے جہاں ہم سے پہلے ہی سیکڑوں کی تعداد میں جاپانی اور امریکی سیاح موجود تھے اور سب ان کے اس میل میں ہم نے آجیر کا تاریخی قلعہ دیکھا جو واقعی کینے کی چیز ہے۔ دو ڈھائی گھنٹے بعد میں ٹھوٹے بیٹھے شہر کی طرف لوٹ رہے تھے۔ سڑجادی قہار میں سڑج ہا تھا کہ سب سے پور کی معیشت کا سب سے زیادہ داردار وہاں سیاحوں کی آمد ہے اور یہی وجہ ہے کہ اس شہر کے سب سے بڑے گاہک تھیں جن جو انہیں طرح طرح کے سہولت دینے کی کوشش کر رہے ہیں اور اس طرح امریکی و فرانسیسی توریستوں کی آمد بڑھ چلی جاتی ہے کہ اس شہر میں تھک چکے شاپنگ سٹیز ہیں جہاں سو گرام کی رضائی سے لے کر دھات کے بڑے بڑے ڈیکور ٹیبل و سرنگ سیاحوں کی توجہ پائی جاتی ہے۔ سبڈل کر لیتے ہیں اور گائیڈ کی چوب نمائی اور شاپنگ سٹیز میں موجود شاپ بڈل دیکھ کر سیاحوں کے ہاتھ خود بخود اپنی بیٹوں کی طرف بڑھ جاتے ہیں۔ سب سے پور کی معیشت کا زیادہ داردار وہ چوک سیاحوں پر ہے اور اس کا احساس وہاں کے شہریوں کو بھی ہے لہذا میں نے وہاں عام لوگوں میں سیاحوں کے لیے احترام کی دیکھا۔

دو روز میں میں نے سارا... پور میں یہاں ہمارا نام نکلتا۔ رام نواس "یار" میوزیم، مرزا اسماعیل روڈ (جیسے کہ ان کی عمارت روڈ) اور پور ہے پور کا شہر و آفاق راج مندیر سنبھالا اور اس کے بعد ہم نے اپنا سامان سمیٹ کر رات ایک بجے کی ٹانٹ کو کوچ کے گھر لیے اور وہاں کی طرف چل دیے۔ رات کے گھر سے اندر میرے میں ہمارے پیرا ہوا ہے جیسے راستے پر میں دوڑ رہی تھی۔ آفتاب

آج والی سیٹ پر گردن اور حلقے سے سوراخ اور اس کی حالت میرے ہمارے بیٹے ہوئے آفتاب بھائی کی تھی۔ میں نے اس کی آجیر میں بند کر لیں گرنیڈ کے بجائے خیالوں نے آجیر... مجھے سے پور کی آئی ڈی آفس کا وہ کلرک یاد آ گیا جس نے ہماری انگریز کے وقت میں اعتراضات کیے تھے اور ان اعتراضات کے پیچھے صرف یہ چند روپے کا مدعا تھا لیکن جب میں نے گری آگئی تھی تو جواب میں تمام اعتراضات قہار ہو گئے تھے اس وقت اس کلرک کے چہرے پر ہنسی کے ساتھ ہی مجھے اپنے کلرک... ان ہی سوچوں میں نہ جانے کب میری آنکھ کھلی اور جب آجیر کو جتنے بھیجے کہ وقت تھا اور اس کی حد دوسری داخل ہو گئی۔

دہلی کی جس ہوٹل میں ہم ٹھہرے وہ جامع مسجد کے نزدیک ہی مسلمانوں کے کھانا تھے۔ اسی ہوٹل کے ایک بڑے سے سال میں ہم نے دیکھا کہ وہاں عوامی مسافر خانے کی طرز پر بہت سی چار پائیاں پڑی تھیں اور ہر چار پائی پر ایک خاتون اپنے سامنے کپڑوں کے قہاروں کا چھیرا لگائے قریب بیٹھے مگر وہاں سے بھلاؤں میں صرف تھیں۔ یہ تمام عورتیں کپڑے پہن کر تھیں جو قلعہ ڈیرہ میں پاکستان سے کپڑا اور دیگر سامان لائی تھیں اور یہاں بھلاؤں کو وہاں قہار ان ہی عورتوں کے کچ میں ایک چار پائی پر بیٹھے وہ عورتیں بھلاؤں کی جگہ پر تھیں۔ چار پائی پر بڑا میٹر پڑا کسٹم بڑھوٹے پر رو رہی تھیں۔ میں نے اسے دیکھا اور تمام صورت حال سمجھ میں آ گئی۔

حضرت خدیجہ نظام الدین اولیاء کے حزار پر حاضری دینے کے لیے جب ہم اس علاقے میں پہنچے تو راستے میں سب سے پہلے میری نظر "قہار" آئی۔ یہی پڑی اور ہم سوچے بچے بھرے آئی تھی میں

داخل ہو گئے اور یہی کئی نصف گھنٹہ پہلے جگہ قہار سے عقیدت کے قہار میں داخل ہوتے ہی ایسا محسوس ہوا جیسے میں اپنے کسی بہت ہی پیارے عزیز کے پاس آئی ہو گیا۔ ہم نے وہاں کے سکرٹری سے اپنا تعارف اور آنے کی وجہ بیان کی جس کے جواب میں انہوں نے ایک گائیڈر شخصیت کو ہمارے ساتھ کر دیا جس نے لاہور کی میوزیم اور قہار کے قلعہ شیش دیکھا اور ہماری معلومات میں اضافہ کرتا رہا۔

"چچا قہار کہاں رہے ہیں؟" میں نے اس کا گائیڈ سے پوچھا اور جواب میں وہ ہمیں قہار سے باہر ایک چار پائی کے کینٹ پر لایا اور دو دائرے پر پڑا لاٹھوں کی کمر چار پائی کے احاطے میں داخل ہوئے۔ اسی احاطے میں اگلے ہاتھ پر دیوار کے ساتھ چچا قہار ابھی ٹھہرے تھے۔ چچا کو اس مصیبت سے سزا دیکھ کر بے ساختہ میرا دل ہلکا ہوا ان کے گلے گلے جاؤں ان کے ہاتھ چوموں یا نہ چوموں مگر میں نے بڑی مشکل سے اپنی اس خواہش پر قابو پایا اور شاعری طور پر میرے منہ سے بے ساختہ نکل گیا۔

ہوئی دھت کہ قہار مر گیا پر یاد آتا ہے وہ ہر بات پر کہتا کہ میں ہوتا تو کیا ہوتا تھا میں نے بچے کے حزار پر فاقہ پڑی۔ گائیڈ کے ہاتھ میں سو روپے دے رکھے اور احاطے سے نکل کر سلطان الہند حضرت خدیجہ نظام الدین اولیاء کے حزار کی طرف بڑھ گئے جہاں وہ تھے ہی سامنے امیر خسرو موجود تھے اور سید سے ہاتھ پر سلطان الہند اپنی تمام تر بزرگی کے ساتھ جلوہ افروز تھے۔ ہم نے فاقہ پڑی اور مجھ کی ناقص تعظیم کیفیت میں باہر نکل آئے۔

(اس سڑجے کی کئی کڑی آئندہ ملاحظہ کیجیے)

## میری کہانی میری زبان کی کہانیاں کے لکھاری اور قارئین کی کہانی افسوس کی زبانی

رخسانہ سہام مرزا

### پادشاه کے اوراق

جواب دہی کا خیال  
گزشتہ وقت سے وہ غل و غدب کے  
یہ ساری عمر کا سامن ٹھوڑی ہوتا ہے

پانی کی خوشبو لگنا پادشاه سے میری رخسانہ سہام مرزا کی کہانی کے لیے



تھے وہ بڑے حے سے وہاں زمین پر لیٹے  
ہوئے تھے۔ وہ صاحب پر قہر قہر کے بعد مجھ  
سے کہتے تھے۔

”نہیں مگر ایک جہاں سامان سے وہ۔“ میں  
اُن کی یہ خواہش پوری تو کرتی رہی تھی لیکن جہاں  
تو یہ کہ وہ مجھے بڑے لمبے سے لگے رہے تھے اور  
میں انکس پان بھی کوئی خوش دلی سے نہیں دے رہی  
تھی۔

رات گزرتی جا رہی تھی۔ پتھروں وہ رات کا  
کون سا پھر تاج پادشاه موجود پھوٹے ہوئے ہو کر  
کاغذ پر کر رہے تھے کوئی چپکے کوئی اور کوئی رو کر  
جانب منزل سفر کی امید نظر نہیں آ رہی تھی۔  
ایئر پورٹ کا ڈنٹر سے کوئی ٹرین مل رہی تھی کہ گراہی  
کے لیے جہاز کب چلے گا؟ ایسے میں ایک ہی وہ  
صاحب جہاز میں پر لیٹے مجھ سے پان مانگتے رہے  
تھے انھیں ہونے والے تھے۔

تاج نہیں رہی تھی۔

”یہ سالہ ایئر اڑایا کیا جیتا ہے ہم چاہے تو  
ایئر لائن کو خرچہ کر بیٹھ دے۔“ اور پھر جنوں نے  
رواں بعد اپنے جنوں سے سینڈویچ منگائے تھے جو  
کچن کے بڑوں سب نے کھائے تھے جبکہ وہ خود پھر کسی  
طرح زمین پر لیٹ گئے تھے۔ ”میں دھڑلے سے نہ سو کر  
ہمارے پاس آ کر کہا۔“ ”نہیں مگر ایک پان!“ میں  
نے انھیں پان دے دیا تھا۔

میں اُس زمانے میں پان میں کھاتی تھی۔ وہ  
پان دان بس شوق میں ہی خرچا تھا۔ وہ صاحب  
جب میرے پان کی تحریف کرتے کہ ”واہ نہی نہی!“  
بڑا سو اڑا دیا۔ ”میں سمجھ جاتی تھی کہ پان کھا کر سفید  
جھوٹ لہلہ رہے ہیں۔“ قہر نظر اُس صبح میں چلے  
اچانک ہی خوش فہمی ملی تھی کہ جہاز گراہی روانگی  
کے لیے تیار ہے۔ مسافروں سے درخواست ہے  
کہ جہاز پر تحریف نہ جائیں۔ مسافر جہاز میں  
سوار ہو گئے تو جہاز نے گویا رنگنا شروع کیا۔ اس  
دوران میں ایئر ہوسٹ اسیٹھائی ڈیڑھ تائی رہی۔

جہاز کی رفتار میں کمی بہتر آئی لیکن پھر ایک دم ہی  
رُکنا رہی ہوئی شروع ہوئی اور جہاز رُک گیا۔  
پکٹان نے یہ خبر سنائی کہ کچھ ٹیکنی خرابی کی وجہ سے  
ہم اپنا مسافر جہاز نہیں رُک سکتے۔ مسافر جہاز میں ہی  
بیٹھے رہیں اور اس کے اعلان کا انتظار کریں اور پھر اگلا  
اعلان یہ ہوا تھا کہ تمام مسافر جہاز سے اتر جائیں۔  
اس اعلان کے بعد مسافروں کی حالت دہشت  
تھی۔ ظاہر ہے ہم میں پان نہیں کھاتے تھے انتظار کی  
حالت میں تھے۔

دو پہر دو بجے دوبارہ جہاز کی روانگی کا اعلان ہوا  
تھا۔ ایک بار پھر سب مسافر جہاز میں تھے۔ اب جو  
جہاز روانہ ہوا تو اکثر مسافروں کا دل اس خوف سے  
آباد تھا کہ اب پکٹان صاحب کوئی ایئر جی نہ بنا  
دیں۔ ہمارے کانوں میں اب کوئی ایئر جی نہ سننے کی  
حالت میں تھے۔

دو پہر دو بجے دوبارہ جہاز کی روانگی کا اعلان ہوا  
تھا۔ ایک بار پھر سب مسافر جہاز میں تھے۔ اب جو  
جہاز روانہ ہوا تو اکثر مسافروں کا دل اس خوف سے  
آباد تھا کہ اب پکٹان صاحب کوئی ایئر جی نہ بنا  
دیں۔ ہمارے کانوں میں اب کوئی ایئر جی نہ سننے کی  
حالت میں تھے۔

میں نے مسز تراجی سے کہا تھا۔ ”دن میں  
ہمارے رشتے دار جیلاں کے لیے وہاں زیادہ وقت  
دیا۔ جیلاں ہال دیکھا۔ سالار جگ سیمز دیکھا۔“

حیدر آباد کی ٹھانی ہوئی بہت خوبصورت ہے وہاں جا کر میرا دل چاہا تھا کہ کاف میں یہاں چڑھ سکوں۔

”ممتاز چائی آپ کے دلی دیکھنے والے مشورے پر میں اسی تک نہیں کر سکتی ہوں یا آپ یوں کر لیں۔ (خود دلی دور است۔)“  
سو یہ تھا ایک یادگار سفر اور اس کی کہانی اسی کہانی کے ساتھ تھاری زندگی کی کہانی تھوڑی دیر کی۔ اس کہانی میں نیا دوسرا کھل چکا تھا جس میں بری کیس بن چکی پر توجہ نہ دینا اور دوسری جگہ بھی خود کو گمشدہ کرتی تھی کہ اس میں کس وقت نہ آئے۔

سہام جب بھی باہر دوروں پر جاتے تو ان کے دوست مجھے بتاتے کہ بھابھی اب ہر جگہ صرف آپ کو یاد کرتے ہیں اور آپ کے لیے خریداری کرتے ہیں۔ ”پر دیگر رشاد پر اچھا لگے گا سیٹ وہ نہ کر سکی۔“ ایسی باتیں سن کر ہم لوگ تو کبھی کہتے ہیں کہ ”اگر بھابی! ان کو چھوڑ کر کیوں آتے ہو؟“

اس دوران میں سہام کی نوکری نہ چلتی تھی بلکہ کرائی لائف میں ہوئی یاد چوری سے کہ ان کے حواش میں سرکاری نوکری نہ تھی نہیں مگر مجبوراً سب سے بڑا امتحان ہوتی ہے ”سو وہ اس نوکری کے ساتھ اپنے رسالے ”دوشیزہ“ کا کام کرتے رہے اور جب نئے بھگدا رو گئے تو میں نے بھی اس کام میں حصہ لیا شروع کیا۔ دوسری طرف سہام جلد از جلد نازمنٹ کے کرایے والی کام میں لگا چکا ہے۔

سہام کے ساتھ زندگی کے سفر میں وہ مقام بھی آتا ہے جو کونسا لوگ نہیں بتاتے یعنی ”سردی“ جڑ چلی ”اگر میں اپنی زندگی کے حوالے سے سب

اچھا کہوں گی تو مجھے یقین ہے“ آپ نہیں مانی کہ میں جو کہیں سے اپنی شہر اور زندگی کی ایک دم نیک لہ لہ چکی تھی اور میں بھی جھوٹ پرانا نہیں چاہوں گی کہ ”میں بہت سی ساری تھی۔“

اس دن ایک بے ٹھہریاں ہوئی کی طرح میری بھلی سہام کے ساتھ زندگی کے مختلف معاملات پر بہت کم ہوئی لیکن سہام میں براہ راست کا وہ بہت تھا اسی لیے زندگی کی گاڑی پڑی سے نہیں اڑتی تھی۔ آج وہ جوتو پڑا نہیں کر سکا بلکہ شہر یاد ہے جس میں میں نے بہت شور مچا تھا کہ سہام کیس کی طرح چپ رہے تھے اور جب میرا جسم ہوا تھا تو وہ بولے تھے۔

”رشاد۔۔۔ امیر اخیال ہے ہم ساتھ میں رہ سکتے۔“

میں نے چپک کر کہا تھا۔ ”ٹھیک ہے۔“  
میری یہ بات سن کر سہام نے اپنا سوٹ کس الماری کے کونے سے اتارا تھا تو میں نے پوچھا تھا۔ ”سوٹ کس کیوں اتار رہے؟“

”وہ بولے تھے۔“ اپنے کپڑے رکھوں گا۔“  
”کپڑے لے جانے کی ضرورت نہیں ہے“  
واپس رکھ دو۔“ میں نے ہنس میں کہا تھا۔ ”کیونکہ جو دور آئے گا وہ پہنے گا تم میں تن کے کپڑوں سے جاؤ۔“

سہام میری بات سن کر ہنسنے لگے کہ آپ جوتے گئے تو اور جب سے پوچھا تھا۔ ”دوسرا بھی آئے گا؟“

میں نے کہا تھا۔ ”ہاں۔“

”اچھا ٹھیک ہے تو پھر میں ہی کیا رہوں؟“ چلو ہل کر رضائی خرید کر لائے ہیں اب سب مل سکتی۔  
”بھڑا قسم۔“ میں یوں بگڑے گا کہ احتیاج ہو گیا تھا۔  
میری یادوں کے کوراق میں اس طرح کے اور

بہت سے محفوظ ہیں۔ ایک بار کسی بات پر ہمارا بحث ہوا تھا تو سہام خاموشی سے اندر کمر سے چلے گئے تھے۔ ان کے دوست چوہدری صفدر جتوئی میں ایٹھ لائف مجھے اپنی چھوٹی بہن کہتے تھے اور میرا مان بھی بہت دیکھتے تھے۔ میں نے ان کو فون کر کے بتا دیا تھا کہ ”بھابی! سہام نے مجھے یہ سب کہا ہے اور راض ہو کر کمر سے چلے گئے ہیں۔“ اور اب حرس کی یہ بات سننے کو صفدر بھابی مجھ سے فون پر اور بات کر رہے تھے اور دوسری طرف سہام ان کے کمر کی کھنکی بھا رہے تھے۔ اس کے بعد چوہدری صاحب نے خاموشی سے اپنی گاڑی بیٹھی تو اور مجھے اپنے کمر پر لایا لیکن یہ نہیں بتا دیا تھا کہ سہام ان کے کمر پہنچ گئے ہیں اور نہ سہام کو کچھ کہیں آ رہی ہوں۔ جب میں وہاں پہنچی تو سہام وہاں بیٹھے بولے حرس سے چائے پی رہے تھے۔

”تو یہ میری شکایت ہوئی ہے؟“  
”نور ابلے تھے۔“  
چوہدری صاحب نے نوراف سہام سے کہا تھا۔  
”ممتاز!۔۔۔“ سید سے ہوا تو نہیں تو برا ہوگا۔ یہ میری بہن سے اور وہ بھی چھوٹی۔“ میں سنبھلی سہام کی مسکراہٹ کے ساتھ ہماری لڑائی ختم ہو جاتی تھی مگر اب میں یہ بات سوچتی ہوں کہ سہام نہیں میں ہی بہت غلطی کی۔ ”اگر اللہ علیہ“ کہ جب بدلتی نکل جاتا ہے تو پھر میں بچتا ہوں اور جاتا ہے کہ پھر یہ بھی سوچتی ہوں کہ یہ بھی تو زندگی کا کڑا ہے ہر وقت جھٹکا ہی نہیں کھانا جاتا تھا کہ سہام کی ضرورت ہوتی ہے! سہام کے حوالے سے میں بھی سوچتی ہوں

یہ شہر کوئی تحفہ ہے جو دلا کا محبت میرے پیچھے پر پکی ہے مجھے اپنی نرم گرم زندگی کا حصہ دینا تھا ہے اور جب یہ یادوں کا حصہ دینا جاتا ہے تو پھر میری آن

باتوں پر دل کھول کر جھٹاتا ہے اور کبھی آنکھوں کوئی دے جاتا ہے۔ یہ ہر طرح کا ایسا ہے شاید اس لیے کہ مجھے دلت کو یاد رکھا جانے اور ماضی کی تھلیوں سے اپنی اولاد کو بچایا جائے۔ یہ کہہ کر چھوڑ دیا جانے کہ یہ تو ماضی تھا کیونکہ ہم جس کو ماضی کہہ کر جانا چھوڑنے یا بچانے کی کوشش کرتے ہیں وہ پھر کبھی نہ بچتی کہیں نہ کہیں حال میں کر سکتے آ جاتا ہے اور اس طرح دنیا جاتی رہتی ہے وہی پیدائش وہی ٹھہرنے جاتی شادی بھر اولاد بھر کی کا سفر مٹا۔۔۔ اور دوسرے اسی چر پر پہنچے رہے ہیں کچھ نہیں ہوتا اور کچھ ہوا نہیں! اہ! یہ میں لکھتے لکھتے کہاں سے کہاں نکل گئی؟ دوسروں کی زندگی کا فساد لکھتے گی۔ ابھی تو اپنی کہانی کا ایک ”کر دار“ یعنی میں خود زندہ ہوں!!

.....  
اس تیار ہو گئیں وہ دن اسپتال میں رہیں اور پھر اس دار فانی سے کوچ کر گئیں۔ یہ کچھ ان کے بچوں کے لیے تو قاضی کر میں بھی بہت دھی اور کم زور تھی۔ وہ صحت کرنے والی سانس میں۔ سب کا ہی دل دکھا نہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں اپنی رحمت کے سامنے میں رکھے۔ (ان میں) میں نے سہام جیسے مغبوط انسان کی آنکھوں میں آنسو دیکھے تھے۔ کتنا ہی حوصلہ مند شخص ہو کر اس کی ہستی ہی اس کی ہوس کی برائی کا گناہ اچھے کھڑے لڑتا دیتا ہے۔ (جب سہام کی بیماری میں آخری ایام تھے میں نے پوچھا تھا۔ ”سہام۔“ ”اکنون یاد آتا ہے؟“ ”ایا ایا ماں؟“ ”سہام بولے تھے۔“ ”ماں یاد آتی ہیں۔“ میں نے کہا تھا۔ ”میں وہ بھی آپ کے لیے دعا کرتی ہوں گی۔“ اس وقت بھی سہام کی آنکھیں نہیں تھیں۔)

ان کے جانے پر ڈاکٹر علی نے جو سہام کے دوست تھے بڑی خوبصورت بات کی تھی۔ وہ بولے



تھے۔ ”سہام! ادھار سے جانا تو بڑی بے گراہی کے  
جانتے تھے تمہارا نقصان ہے ہمارے کراپ تمہارے  
لیجے واکے لیے اچھے والے ہاتھ نہیں رہے۔“  
ماں کی ڈھارسات آستان بار کھاتی ہے اور  
سیوی ڈب کے حضور ڈپٹی ہے کیونکہ اس نے کہا ہے  
کہ میں سڑکوں سے زیادہ قیمت کرتا ہوں اس سے  
ماں کے در سے کی انضیلت کا احساس ہوتا ہے کہ میں  
مکمل ٹھک لوگ کسی ایک لمحے میں اس ڈکھونے میں  
محسوس کرتے ہیں اور ہر کہیں کی ماں کو من کی ماں؟  
سب بھول جاتے ہیں۔ اللہ ہم پر رحم کرے اور ہم  
اس نصیب اسحق کا مقام نصیب اور مانیں۔  
سب کہاں کچھ لالہ وگن میں لہاؤں ہو گئیں  
خاک میں کیا صورتیں ہوں گی جو پنہاں ہو گئیں

جب ہم حیدر آباد کو گئے تھے تو وہاں میں نے  
بڑے بھائی صاحب سے وعدہ کیا تھا کہ میں ایک بار  
پھر حیدر آباد کو آؤں گی لہذا جب ایک بار بچوں کی  
چھٹیاں ہوئیں تو پھر بڑے بھائی صاحب سے کیا گیا  
وعدہ پورا کرنے کا وقت نکالا۔ سہام کی دفتری  
معروفیات بہت تھیں سو اس دفعہ میں اور میری  
نتیں پیش حیدر آباد کو روانہ ہوئے تھے اور ہم  
حیدر آباد کو پہنچ گئے۔ وہاں ہماری خوب آمد و رفت  
ہوئی تھی سہام کی بہن کے بیٹے نور جو بڑے بھائی  
کے دادا بھی تھے ان کی پوشنگ بلور کشتہ آغصا  
پردہ میں ہوئی تھی اور وہ سہام بہن کے دوست  
تھے۔ وہ سہام سے چند دن عمر میں ہی بڑے تھے۔  
انہی دنوں وہاں قیام کے دوران ہی جگر عید بھی آنے  
والی تھی۔ سہام ہمارے ساتھ عید منانے کے لیے اس  
دن کی خصوصی مجلس میں شامل رہا کرتے تھے۔ اس دوران  
نور قربانی کے کمرے آئے تھے۔ ان کی بیگم  
زمانی نے ہمیں یہ بات بتائی تھی کہ نور بکرا عدل میں

کرتے ہیں (بڑے بھائی صاحب) آکر یہ کام  
کرتے ہیں لیکن اس دفعہ تو بچا (سہام) قربانی  
کر گئیں گے۔ ”جاکر عید کی قربانی آگیا تھا سڑکائی  
نے کہا۔“ ہمیں چاہا آپ قربانی کروادیں۔“  
یہ بات سن کر مجھے ہنسی آگئی۔ میں نے کہا۔  
”زمانی! سہام تو عرفی بھی عدل میں کر سکتے تھے تم بکرا  
عدل کرنے کو کہہ دی ہو؟“ پھر بڑے بھائی صاحب  
کو ڈرامے کر کے لے آیا تو انہوں نے یہ فریضہ انجام دیا  
اور بولے۔ ”سہام! میں انور میں انہم دونوں بزدل  
ہوں۔“  
وہ بڑی یادگار عید کی خوب بھائی کی دعوتیں  
ہوئیں۔ وہ صبح آج بھی یاد ہے اور وہ محبتیں بھی یاد  
ہیں۔ آپ نے بھائی صاحب دیکھا میں اس دن نور کو  
کس یادیں!!

یہ سب گیتے ہوئے بہت باروں نے کہا کہ قلم  
اور کاغذ کا وقت توڑوں مگر ہر گھنٹے سے آواز آتی۔  
”رخسانہ! میں تم سے پیش کرتا تھا کہ کھوٹ لکھ  
سکتی ہو۔“ یہ آواز سہام کی ہے۔ سو میں نے پھر کاغذ  
و قلم سے رشتہ ہتھوڑا کیا۔ ”سہام! زندگی میں  
تو میں نے ذکر لکھ کر آپ گیتے کا سبب تم ہی ہوا اور پیش  
رو کے میں نے کیا کیا؟ کیا کیا؟ اس کے حضور  
تانا کیا کیا؟ کیا بھول گئی؟ اس میں بھی میری وہ  
کرا جو میں پہلے نہیں سنتی تھی اب ضرور سنوں گی  
وعدہ ہے!!“  
گزرتے وقت کے ساتھ سہام بہت معروف  
ہو گئے تھے۔ ہمارے اشاق ادارے سے ماہانہ  
”روزنہ“ کے علاوہ ”شوہن“..... ”چٹان کا  
رسالہ“..... ”بیڈ نیگل“ اور ”.....“ ہندو میں  
”صدی“ کے بڑے ماہنامے..... ”بچی کہانیاں“..... نقل رہے  
تھے۔ ہمارا دفتر ہی انہیں تھا یہ بڑے قدر آور لوگوں

کا مسکن بھی تھا۔ مقبول مجلس دانش و ادب کی رہتا  
قانونی قلم کو بیسیا خول عابدہ رؤف بیوی  
بگماری خالق عزیز سلیم ناصر مسلم قانونی قلم  
جیب بیوی شیرانی ناصر رضا بی بی ہمارا خاندان  
قانونی کم نہ یادہ زندگی مالک زندگی لازم! ہر  
سینے ایک بار نکلتا ہوتا تھا اور ہر سبب ذہن تر تازہ  
ہو جاتے تھے۔ کام کرنے کا فیاض اور دلوں پیدا  
ہو جاتا تھا کام کے درمیان ایک وقت نکال کر ضرور  
چٹے بوتلے تھے اور پھر ”دو شیشہ رانگز ایوارڈ“ کی  
پتاری والا کام! کارڈ کی شیشہ رانگز کی آڈ ان کے  
نظر سے کاغذ دست ایک رنگ اور نور کے پیلے کا  
ماں ہوتا تھا۔ زندگی کے اپنے اوارتے رنگ تھے کہ  
وہ تک بھی شرماتا ہے! اس ایوارڈ اور تقریب کے چٹے  
بھی صدور آئے سب اپنی اپنی جگہ محترم اور معتبر  
تھے۔ میں ان میں سے ایک مدتی مالک صاحب  
کا ذکر یہاں ضرور کروں گی۔ ایسے خصوصیت منسل  
اور برحق کرکٹل و مفران قرار ہو جائے۔ وہ چوتھی دہ  
ہمارے درمیان موجود ہوئے۔ ہر ب پر مسکراہٹ  
ہوتی تھی۔

میں سہام کے ساتھ اسلام آباد میں سہام  
صاحب سے ملنے گئی تھی۔ بھانن کے دفتر پہنچے تھے تو  
چوکت سے میرا پاؤں ٹکرا گیا تھا۔ انہوں نے میرے  
پاؤں چھوا۔  
”بھائی! کیا ہو گیا؟“  
میں نے کہا تھا۔ ”بھائی! اور کی میں آپ کا سارا  
دیکھ کر گھبرا گئی آج مجھے ایک سے صدی میں مالک نظر  
آئے ہیں۔“  
میری بات کے جواب میں ایک دلاویز  
مسکراہٹ کے ساتھ بولے تھے۔ ”ٹیک ہے بھائی!  
میں آج وہ آپ سے دوری میں ہی ہوں گا آپ پر  
رحم ڈالنے کا ایک اچھا نسخہ میرے ہاتھ آگیا

ہے۔“ پھر انہوں نے سہام کو مخاطب کیا تھا۔ ”تم بھی  
ایک دوری ملو!۔“  
سہام جراتے کہا تھا۔ ”مالک صاحب! مجھ  
سے تو یہ دوری میں بھی خوف نہیں کھانے کی  
جسٹاسی بھی کروں پیسے بھی خرچ کروں مگر  
صدیق مالک نہ بن پاؤں نہیں بھائی میں ایسے  
ہی بھلا آپ تو ہیں ناں! ایسی بچی بہت ہے۔“  
صدیق صاحب کے سے یہ ہماری آخری  
حالات تھی! بعد ازاں وہ صدر پاکستان جرنل فیاض  
الحق کے ساتھ ہی طین کریش میں راہ عدم  
سودھارے تھے۔

سہام نے گھر کے ایک کمرے کو بھی دفتر بنارکھا  
تھا۔ وہ جب شام میں گھر آتے تو اس کمرے میں  
سب مل کر چائے پیرہہ پیتے۔ بہت ساری باتیں  
ہوتیں! کچھ شور سے دیئے جاتے اور کچھ لپے جاتے  
اور ایسے میں اگر کوئی نئے والا آ جاتا تو وہ بھی شامل  
مخل ہوتا تھا تھا۔  
سہام اکثر بچہ کہتے تھے۔ ”رخسانہ! تم کچھ کو  
بہت یاد کرو گی؟“  
میں میں کبھی تھی۔ ”کہیں جا رہے ہو یا  
ارادے کیا کر رہی ہیں؟“  
لیکن یہ سب سہام! میں آپ کو بہت یاد کرتی  
ہوں اور وہ آج فرح یاد کروں گی۔ اس کے ساتھ ہی  
میں اپنے دیکھنے پر غم کی ہوئی ہوں۔ بہت کچھ  
ایسا ہوا تھا جو مجھے کوشش مند کرتا ہے اور انھوں کو  
کر جاتا ہے مگر یہ بات یاد آتی ہے کہ  
”انسان طبعیوں کا پتلا ہے۔“  
اور یہ بات دل کو سہارا دیتی ہے۔  
”پاؤں کے کورائی“ کی آخری قسط  
آجیادہ دلاخانہ بیچیکا۔)





اس واقعے کے ٹھیک اٹھ روز بعد جب چاند کی مٹی اٹھا بیسویں شب وہ ایک مرتبہ پھر اس مقام پر آئی جی اور چھاپے پر نشان زدہ کر کے وہ مٹی کی ہڈیا نکال لی مٹی اور اسے کھرا کر اس نے اپنے مخصوص کمرے میں آگ لگا دی جی اور پھر ہڈیا کو آگ پر رکھ دیا تھا۔ کچھ روز بعد اس نے ہڈیا کا ڈھکن ہٹا دیا تھا۔ لہذا تیل کے مردہ بننے دیکھتے ہی دیکھتے راکھ میں تبدیل ہو گئے تھے۔ اب اس نے اس راکھ کو ایک مٹھی ڈھکنے والی دھیرے میں محفوظ کر لیا تھا۔ اب اس کے پاس بیش بہا قیمتی رملہ لائی آگ تھا۔ مکمل شیشا پر ہمارا اور خوفناک جنگ کے سلسلے کا سرکاری ہتھیار حاصل کر چکی تھی اور ہمارے اپنی مخصوص کمرے سے باہر نکل آئی تھی اور پھر اپنی خواب گاہ میں چاکلیا کی خوردبین کی پناہوں میں بھول گئی تھی۔

وہ ایک شرف گیری کی طرح ایک کھڑکی کے ذریعے مکمل شیشا کے مخصوص کمرے میں داخل ہوئی تھی اور رملہ لائی کے سٹوف سے ایک چھتہ لٹاؤں ڈھیرے میں ڈالا تھا اور جی میں خود مٹھری شیشی کے ساتھ کھڑکی کے ذریعے دہاں ہوئی تھی۔ وہ مکمل شیشا کے مخصوص کمرے کی کھڑکی تک آئے ایک درخت کی جھولی کی شاخ

سے بھولی ہوئی وہم کی ہلکی آواز کے ساتھ پیچھ کودتی تھی اور کچھ روز بعد اپنے پاؤں اپنی خواب گاہ میں پھنکی گئی تھی۔ اب ہمارا ریت میں ڈھبے اس درختوں میں کمرے مکان کی دوسری منزل کے ایک کمرے میں ایک نہایت ہراساں خوفناک مکمل کی شروعات ہو چکی تھی۔ سیدہ و سیدہ صاحبہ لڑائیاں میں لپٹیں ایک پرکشش گرسوار حسن لیے مکمل شیشا کے برکس اس کے بال اس کی کرکھڑا کر رہے تھے اس نے اپنے مکمل ہاتھ کو سیت کر پیچھے کیا تو اس نے لگا دکھا کر دلی سے ایک گرسوار چاند نے کہا کتا ہو۔ وہ چتر منٹ تک اپنی سانس روکے کچھ پر مٹی نہ دی تھی۔ اس کے سامنے مٹی کے قتلے میں ایک لیے بھل والی چھری رکھی تھی پھر اس نے اپنے سامنے اپنے پاس پڑے ایک سیاہ رنگ کے قتلے سے ایک سیاہ چمکدار مٹی نکالی جس میں ایک بچہ بال دھڑے رنگ کا ذخرا وہ اس وقت نیم بے ہوشی کے عالم میں تھی اس نے غصے سے ہوش کی کو اپنی کوئی لٹاؤں کا پیلے تو پیارے اس پر دو تین مرتبہ ہاتھ پھیرا اور پھر ریخت مٹی کے قتلے میں اپنا کھس کی کون پر تیز پھری پھیر دی تھی۔ مٹی بغیر کسی حواصت کے خضی ہو گئی تھی اور پھر جب گردن کی ہلکی سے جسم سے ایک ایک قطرہ خون اس مٹی کے قتلے میں چھن کر نکلا تو اس نے آنکھیں سے مٹی کو ایک دھڑے سے اس کے دل کو لچھڑا کر اس کا دل کو پھیل کر رکھ کر وہ بیانی اعزاز میں خس دی تھی اور پھر اس نے دل کو ایک چر اکھاس میں مکمل شیشا کے کمرے سے لایا گیا طسائی سٹوف رملہ لائی اور ساتھ ساتھ رملہ لائی کے کمرے میں ڈالا تھا۔ اب اس کا کام ختم ہو چکا تھا اس نے مٹی کے دل کو ایک خوبصورت ڈھبے میں حفاظت سے رکھا تھا اور مٹی کے قتلے میں موجود مٹی کے خون کو اپنے جسم اور ہاتھوں پر لیا تھا اس کے بعد وہ دواں درم میں گھس گئی تھی یوں ایک ہی گھر میں دو انگ ایک مقاصد کے لیے لڑی جانے والی خوفناک جنگ کا آغاز ہو چکا تھا۔

شرقی درستی کے باوجود ایک درخت کی شاخوں اور پھل سے چھن کر آتی سورج کی کرنیاں کی کرنیاں نومبر کی ادائیگی تھی لہذا تاشون کے چہرے پر دھوپ چھاؤں کا ستھر چل کر رہی تھی۔ سورج کی ان بجلی پھیلائی کرلوں کی دھجک تاشون نے بار بار اپنے چہرے پر محسوس کیا تو دھیرے سے اپنی درختی آئینیں مکمل

دیں، تھوڑی دیر تو وہ اپنی آنکھوں پر ہاتھ رکھے اور پھر جیسے ناکت سے ایسا یاد کیا کہ وہ اس وقت کہاں موجود ہے؟ وہ اندھا بیٹھا اس وقت وہ اپنی صد گاہ سے متصل دارالطالع میں موجود تھا وہاں اس نے پورا لٹاؤں کا تین اور سز جات کھڑے پڑے تھے۔ وہ پورے رات دارالطالع میں موجود رہا تھا اور پھر صبح کا زب سے کھڑے پہلے فجر کی نماز کے بعد اس کی آنکھ لگی تھی اور اپنی گھری گئی تھی کہ اسے یوں محسوس ہوا کہ جیسے وہ پوری رات کی گھری شینہ سے بیدار ہوا ہو۔ بہر حال وہ بہت مطمئن اور سرور تھا کہ پھر مقصود جو ہاتھ آگیا تھا۔

تاشون نے جلدی جلدی اپنے دار و درویش کی کتیاں اور لٹو جات کو دایاں پشت پر چھاپا۔ مکمل شیشا ہاتھ پر ایک راکھ ڈھانچون کرنے کے بعد تاشون کو راکھ کے پھیل پر پھنکی آگیا تھا۔ وہاں اوکھنبر کے پیلے پتے کی مٹی کی گتیاں ہر شے پر جیسے ایک سرخ مٹی و سکون سا چھایا ہوا تھا۔ سو کوئی بھی سو دل لایا ہوا اس کی خوبصورتی میں ایک عجیب سی ہراساں دے ہوئی ہے کہ شرم و شرم میں ایک سرخ مٹی اور سکون مٹی کی طمانیت کا احساس رک دے میں سا ساجاتا ہے پھر جیسے جیسے مٹی کو شمش آفتاب کے تیز و گرمیت بندے جی چھوڑ دیتے ہیں۔ قصہ مختصر یہ کہ تاشون کا لیدہ یہ وہ مشورہ و مع جو چکا تھا۔ یہ سچان سے ہی کہتے جازوں کا انتقاد کرتا تھا۔ عملیات کی دایاں آجائے کے بعد بھی اس انتقاد کو مٹی کی گتیاں دے اب بھی اپنی تمام ضروریات کے ساتھ جازوں کے اس گتیاں موسم کو جس حد تک ممکن ہوتا انگریز کرتا تھا۔ مٹی و روشنی مٹی جس کی بنا پر وہ پوری رات گتائے کے باوجود ٹریفک اور مطمئن تھا۔ اس وقت تاشون نے ٹریفک پر رائے ڈولی اور وہاں سب موجود تھے اور سب نے بڑے خوشگوار ماحول میں شینہ کیا تھا۔

”آپ لوگ آج رہیں کو مجھ سے مل سکتے ہیں؟“ تاشون نے شینے سے ہاتھ صاف کرتے ہوئے کہا تھا۔ ”مجھے پھر دیکھنا تھا میں دیکھ کر آتی ہوں“ ”خیر یہ ہے؟“ ”مٹی کو بیٹھانی سی لاق ہوئی تھی۔“

”پاپا بالکل خیر ہے یہ ڈھنڈ روئی؟“ تاشون نے سگراتے ہوئے کہا تھا لیکن رائے کی پھٹی جس جیسے بیدار ہوئی تھی اس کے دماغ کو اب جس طرح سے سونے کی عادت پڑ گئی تھی اس کو دور کرنا آسان بات نہ تھی۔ توشیش کی لکیر کھاس کے چہرے پر واضح ہو چکی تھی جنہیں تاشون نے صاف محسوس کیا تھا لیکن اس وقت وہ کوئی بات نہیں کرنا چاہتا تھا۔

”جن لوگوں نے انڈیا چھوڑ کر دھرم سے سوچتے بنائے ہیں ان کی مثال کھڑی کی مانند ہے جو اپنا ایک گھر بناتی ہے اور پھر کھڑی کا گھر سب گھروں سے زیادہ گزروا دیتا ہے۔ کاش یہ لوگ اس حقیقت کا علم رکھتے کہ یہ لوگ انڈیا چھوڑ کر جس چیز کو نکال پکارتے ہیں یہ ایک اندھا سے خوب جانتا ہے اور وہ بڑا بدست ہے اور بڑا سخت والا ہے۔“

(سورہ العنکبوت پارہ نمبر ۲۹ ترجمہ آیات ۴۱-۴۲)

وہ ایک مجھے نئے کے درخت کے نیچے بان کی چار پائی پر بیٹھا سنے سامنے سنے ہوئے بچوں کو نہایت جذب کے عالم میں تھا کہ ان کا کاذب دہرہ ہے۔ سورہ انکبوت کی آیات پر اُن کے کان کے ذریعہ اس کا اختتام ہوا جابر تھا کہ کھانا سے مشعل دروازے پر دھجک ہوئی تھی۔ اس پر محترم کے اشارے سے پر ایک بچے نے ڈھک کر دروازہ

نکھلا تو تاشون اندر داخل ہو گیا تھا۔

”اے گئے تم؟“ ہمیں تمہاری انتظار تھا۔ ”بزرگ نے مسکراتے ہوئے تاشون کا استقبال کیا تھا۔

تاشون نے نہایت گرم جوشی اور پرمسرت اعزاز میں ان سے مصالحت کیا تھا اس کی کیفیت حیرت و خوشی سے عبارت تھی۔

”ارے تم لوگ مجھے کیسے؟“ بزرگ نے بچوں کی جانب مڑتے ہوئے کہا تھا جس اثناء میں تاشون کے گرد جمع ہو گئے تھے اور جس و حیرت سے اس کا چہرہ لہرا رہے تھے۔ انہوں نے تاشون کے گرد قاعدہ گھیرا ڈال رکھا تھا۔ استاذِ حرم کی آواز پر بچوں نے وہاں سے جاننا شروع کر دیا تھا مگر وہ سب مڑ مڑ کر تاشون کو دیکھنے چلے جا رہے تھے۔

”پتے پتے پی ہوئے ہیں چاہے وہ کسی کے بھی ہوں؟“ بزرگ نے تاشون کو؟ ”بزرگ نے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔ ”برامت انا کا وہ نہیں چھوٹی رہے تھے۔“

”ارے نہیں بزرگوار!“ تاشون نے خوش دلی سے کہا تھا۔ ”اور مجھے تو معلوم ہی نہ ہو کہ آپ یہاں ہیں ورنہ میں آپ سے بہت ہی غریب ہو جاتا۔“ تاشون کے لہجے میں ایک خفوس سا نمایاں تھا۔

”ارے کسکس کسکس؟“ تم مجھ سے کدو دوسم نے تو دو چار دن پہلے ہی کھانا لگایا ہے آؤ بیٹھو۔“ بزرگ نے اپنے سامنے رکھی دوسری چار پائی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا تھا۔

طل کے سفید کرتے اور دھونی میں لپٹیں سر پر ہاتھ کی کلی ہوئی ٹوٹی جمائے خوبصورت آنکھوں والے سفید برف کی رنگت لپے ہوئے بارش بزرگ ایک جھادڑ لے کر کن میں گئے نیم کے سونے چلے گا پھر اسٹوٹ رہے تھے۔ تاشون کو ایک لمے کے لیے خیال آیا تھا کہ وہ بزرگ سے مجازو لے کر خود پکرا بیٹھے ہیں ان کی مدد کرے۔

”نہیں تاشون!..... جس کا کام کسی کو سامنے صفائی میرا کام ہے۔“ یہ کہتے ہوئے بزرگ نے لمب مسکرائے تھے۔ ”تم نے پیٹھ میں چھوڑا مجھ کو ساری کریموں کی لذت برداشت کر کے کتے جیسے ہو گئے۔“ بزرگ نے

نیم کی ہلکی ٹھوکیاں ششتری میں دیکھتے ہوئے کہا تھا۔ تاشون نے ایک ٹھوکی منہ میں ڈال لی تھی۔ وہ بھڑان کی بات کیسے ہال سکا تھا۔

”آپ یہاں اجا تک کیسے؟“ تاشون نے سوال کیا تھا۔

”تمہارے بابا جان کے لاڈو چار میں!“ بزرگ مسکراتے تھے۔ ”میں بھاگے بھاگے پھر رہا ہے ہمیں ایک کام سے بچنا ہے۔ ہمیں نہیں نہیں بتایا اس نے؟“ انہوں نے تاشون کی جانب سوالیہ نظروں سے دیکھا تھا۔

”کئی کل رات انہوں نے مجھ سے رابطہ کیا تھا قلعین صرف آپ کے آنے کی اطلاع دی تھی اور ملنے کا کہا تھا۔“

”چند رات محبت؟“ بزرگ دھیرے سے مسکراتے تھے۔ ”تم اب جس جگہ کا آواز کرنے والے ہو تاشون اس میں نہیں اپنے والد گرامی کی روحانی مدد کو درکار ہوگی۔ وہ عالم ارواح سے تمہاری مدد کو آنا چاہتے تھے بلکہ میں گمراہ جب صفائی کا کام امارا ہوا تو پھر ان کو کیوں تکلیف دی؟“ وہ بزرگ کن کی مجازو دینے کے بعد آپ پردوں کی کڑیاں کو درست کر رہے تھے پھر اچانک سوکھے پتے چن رہے تھے خود رکھاں نکال رہے تھے ان کی ہر بات میں ایک دھڑکاں شامل رہا تھا۔

”دیکھو کڑی کا گھر!“ انہوں نے ایک پارے پر سے کڑی کے گھر کی طرف اشارہ کیا۔ ”کتنا کڑو درکار ہے اس کا گھر چھاپر خوشگاہ تمہارے مد مقابل جو قلعین میں ان کا حال بھی جیسا ہے۔ اللہ کو چھوڑ کر دوسرے سر پرست بنانے والوں کا حال کڑی کے اس مکان جیسا ہے۔“ دیکھو۔“ انہوں نے ایک کڑی کا چلا اتار دیا تھا۔ صفائی میرا کام ہے تم چاہو اور مطمئن رہو لیکن تم نے میرے کہنے پر ایک کام ضرور کرنا ہے۔“

”دو کیا؟“ تاشون نے کچھ محسوس ہو کر کہا تھا۔

”پہلے تم نصیب کو داہنی کاراست دکھاؤ بہت دیر ہو چکی ہے اسے بھٹکتے ہوئے خوبے ہوئے تم میری بات سمجھ گئے ہاں؟“ یہ کہہ کر بزرگ نے لمب مسکرائے تھے۔

”بہت بھتر جناب!“ تاشون جان چکا تھا کہ وہ بزرگ کس طرف اشارہ کر رہے ہیں پھر وہ مصافحہ کر کے انہیں ہولیا تھا۔

تاشون سپر ہر تقریباً چار بیٹے گھر میں داخل ہوا تھا تو سب ہی اُس کا انتظار کر رہے تھے۔ دلتی بھی اس کے گھٹنے پر چلی آ گیا تھا اور بڑی سے بری سے تاشون کا شکریہ تھا۔ تاشون نے انہیں وہاں لاؤنج میں رکھنے کے لیے کہا تھا اور خود بھی زار میں بیٹھ لی اور ان کے درساں کا بیضا تھا اسی دوران رانیہ نے کیا کو کھانے تیار کرنے کا کہا تھا اس نے کچھ منٹیں بھی بالے تھے۔ چائے وغیرہ وہ فارغ ہونے کے بعد وہ سب لاؤنج میں ایک دوسرے کے مقابل بیٹھ گئے تھے۔

”میں آپ سب سے کچھ ضروری بات کا چاہتا تھا اس لیے آپ لوگوں کو آج سپر کا نام دیا تھا۔“ یہ کہہ کر تاشون نے خاص طور پر رانیہ کو دیکھا تھا۔

”یہ بات مجھ سے متعلق ہے میں یہ جانتی ہوں۔“ رانیہ نے تجسس بھرے لہجے میں کہا تھا۔ وہ پہلے کے مقابلے میں اب زیادہ پر اعتماد نظر آ رہی تھی مگر اس!

”ہاں ابھی ہمیں آپ کے حوصلے کی بدولت تمام ضرورت ہے میں آپ یہ یاد رکھیں کہ لاسانی یعنی امارے قدم چمکے۔“

”نئے قلعین ہے رانیہ بہت حوصلے اور مدت سے کام لے گی۔“ دلتی نے وہ دھڑکاؤں میں گھومتے ہوئے کہا تھا۔

”میں آپ لوگوں کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ چند دن بعد مکمل طور پر سورج گرہن ہو گا اس لیے ہمیں تیاری کر لینی چاہیے۔“

”سناؤں پر ایک شادی؟ میں دنوں پر کتنی بھاری چلتی ہے؟“ رانیہ نے کھمبے ہوئے لہجے میں کہا تھا۔

”تمہیں معلوم ہے کہ سناؤں پر شادی سے موسوم کیا ہے؟“ سوگاتا نے حیرت سے رانیہ کو دیکھا تھا۔

”ہاں ابھی جب کہ سمورن گرہن یا چاند گرہن کی بات سننے تو میرے دادا سے بات کہتے تھے۔“

”میں نے بڑے بڑے موضوع کی بات سمجھا دی تھی۔“ تاشون نے تقریباً اسی انداز میں کہا تھا۔ ”انہیں لگتا تھا ان کا کافی علم ہوتا تھا اور مشکلات سے بچنا علم کی کام سے آج جرات مغربی لائسنس کیتے ہیں وہ امارے بزرگ بھی کہتے آج ہیں جبکہ آج کے لوگ علم میں فخر سے امارے کچھ جانتے نہیں اور چاہتا بھی نہیں جانتے۔“

”یہ شادی۔۔۔ اور چاند سورج؟“ دلتی کو یہ بات کچھ عجیب نہیں لگی۔

دودھ میں ایک خاص قسم کی مٹھاس پائی جاتی ہے جس کی پکڑی کی طرح تھیں بھی لی سخت ہیں۔ مٹھاس کا یہ عنصر Lactose کہلاتا ہے۔ بعض لوگوں میں اسے ہضم کرنے کی صلاحیت یا قدر سے کمی ہوتی ہے جس کی وجہ سے بہت کم ہوتی ہے۔ اسے لوگ دودھ پیتے ہیں تو انہیں آسانی اور لذت میں شدید درد شروع ہو جاتا ہے۔ اسے کچھ دودھ پینے والے بعض بچوں کو جب بھی عارضہ لاحق ہوتا ہے تو ان کا دودھ تھل کر لے کر پیے یا براؤن کا دودھ دیا جاتا ہے جس میں Lactose نہیں ہوتے۔ بہت سے لوگ کافی حد تک اس بات کو سمجھتے ہیں کہ ان کے پیٹ میں بھی بیمار جراثیم بڑھ رہے ہوں گے اس کی وجہ سے دودھ یا کوئی اور ایسا شروب ہوتا ہے جس میں Lactose موجود ہوتے ہیں۔

یہ دیکھ کر تاثرات کو حیرت منور ہوئی تھی۔ وہ آج گڑبڑائی تھی اور وہی اس نے اپنی محبت کی دہائی دی تھی بلکہ وہ اندھ کر آہٹیں سے اس کے پرے آئی تھی اور کدوڑی تھی۔

”میرے محبوب.... آپ حیران نہ ہوں میں آج آپ کی تمام چیزیں انیس دور کردوں گی میں آج آپ کو سڑکیں کی ٹیکس اور نہ ہی دہائیاں دوں گی۔ میرے محبوب میں ہزار سال سے تمہارا آتش الہام کی جلن میں جل رہی ہوں مگر میں محبت کے پیر کو پناہ کی آپ کے فرار کے لیے دور دیکھتی رہی مجھے کیا حاصل ہوا؟ کچھ نہیں ہمیشہ آئی آپ کے آس پاس رہتی اور پھر آپ کی چٹرائی ایک نیا دور بن کر میرے دل کی میری روح میں ایک نیا صاف دال ڈال دیتی تھی آپ سے محبت تو کیا تھی میری اپنی محبت آپ سے قدموں میں درج رہا مگر کدوڑی جاتی جس پر آپ اپنے قدم رکھ کر گزر جاتے۔ لیکن مجھے آپ سے کوئی شکایت نہیں میں بہت خوش ہوں کہ آپ میرے محبوب ہیں میرے جانے کے بعد اگر کبھی آپ کو میری یاد آئی آپ مرحوم ہی کسی توشیحوں کی کہ میری ہزار سال سے محبت کا سبب ہوگی۔ علم عمل اور مشق یہ تین درجہ ہیں زندگی کے جن میں سے آپ نے علم عمل کو چھوڑا اور میں نے مشق کو آپ کو اس فضا کی خاموشیوں اور تجلیوں کا سامنا ہے ہمارا زمینوں اور خزاں رکھائیوں سے ہو کر گزرا رہتا ہے جبکہ مجھے دو یادوں اور حواسی مسندوں کے آس پار جانا ہے۔ میرا علم بھی آپ ہیں عمل بھی اور مشق بھی لیکن مجھے معلوم ہو گیا ہے کہ تین درجہوں کی منزل ایک ہی ہے یعنی خدا کا کمر لاشیں اب ہٹا جاتی ہوں میرے محبوب مجھے رخصت کر دیجیے۔“ اس کی آنکھوں سے ٹپکنے والے آنسوؤں میں تبدیلی ہو رہے تھے۔

تاشون محبت کے اس عظیم جھوٹے برہان کی آغوش بدعت تھا۔ محبت کے اس راہ پر بڑے بڑے عالم زاد نہ پا سکے جو محبوب سے مل کر مالک تک جاننے کا راستہ بتاتی ہے۔ محبوب تو ایک میڈیم ہے بل سے ملے گا۔ تاشون کو خوشی تھی کہ وہ ایک ہزار سال سے پہنچتی چلی کی روح کو بادی سکون پہنچانے والا ہے جو بات وہ ہمیشہ رشتہ میں سمجھتا تھا اس کا تائید ہوا اور راقی غصہ صبر سے ہوگا! اسے یہ تھا اس سے محبت کا دھوکہ کرنے والی ہستی کوئی حملی نہیں ہو سکتی۔

حیرت اسرار تجس اور علم آگیا  
سے آہاں سلنے کی دلچسپی کڑی  
آجندہ ماہ لہو حشر کریں۔

”اس میں اتنی جتنی بات کم علمی کی ہی وجہ سے ہے۔ رانیہ نے جو بات کی درست ہے مسٹر لی ملا سڑ بھی کیڑ ہیں کہ سورج گرہن یا چاند گرہن آسمانوں پر ایک شادی ہوئی ہے جس کو تو مردانہ سے تعلق رکھتا ہے اور کمر (چاند) کو تو نسوانی سے ان کا قرآن ایک مجلس کھل کا تم کرتا ہے۔ علم غمیم کی رو سے اور اس کی اصطلاح میں دو مرد جب ایک جگہ جمع ہو کر ایک مجلس قائم کرتے ہیں تو وہ ملاپ یا قرآن کہلاتا ہے۔ قدرت کے کارخانے میں سب سے جلدی تہہ پہلی ہے جس میں دن رات سرگرم کیے کے پھر ہمیں مثبت و منفی کردار کرتی ہیں انسانوں میں مثبت اور جان منفی ہے سورج کی تاثیر گرم اور چاند کی ٹھنڈی ہے سورج میں قوت انفکاس ہے اور چاند میں قوت جذب ہے اور جب ایک جگہ ملتے رہے آجاتے ہیں ایک مجلس قائم کرتے ہیں تو نتیجے میں ایک کچھ دوسرے پر چڑتا ہے اور اس کی تاثیر تمام دنیا میں پھیل جاتی ہے اور ایسا ہی صورتی ہوئے ہے کہ عالم صورت اس وقت تک ہی ہے جو کائنات اور ذرا کی رحمانیت چپ کی طرف چلا گیا ہو تو پچھلے کا کوئی عنصر ستر ہو کر اس وقت وہ اپنی پیشانی پر کوئی نشان بنانے کی تو پچھلے کی پیشانی پر بھی وہی نشان ظاہر ہوگا۔ اگر کسی کے کمر میں کیڑے وغیرہ ہوں شال لال بیک وغیرہ تو گرہن کے وقت ایک جیسے میں چاند لال بیک ڈال کر مکان سے باہر نیک دیں اور کھانے کے کمر نہ آج تو اس مکان سے کیڑے نکل جائیں گے اور پھر نہیں پیدا ہوں گے۔ وہ علم تو ان کے سننے سے ایک تاثیر پیدا ہوتی ہے جو زمین کو حد ستر کر لیتی ہے گرم اور سرد مادی تاثیر ایک تہہ صحت روحانیت میں بدل جاتی ہے تھوڑا کچھ لہروں کا زور باہر کی طرف ہو جاتا ہے۔ رانیہ کا تھیرا ہزار سال ہو جاتی ہے اور نیا کام کرکھاتی ہے اور جو عمل گرہن کے وقت کیڑے ہیں اس کے اثرات فوری طور پر ظاہر ہوتے ہیں۔“

”بھائی صاحب.... میں ایسے سوچ رہا ہوں کہ آپ کے کسی بھی عمل کا حصہ بننے کے لیے چاہوں۔“ رانیہ نے منتھو میں دیکھی لیتے ہوئے کہا تھا۔ ”میں اپنا حوصلہ برقرار رکھوں گی اور اس سلسلے میں آپ سے ہر اعتماد کروں گی۔“

”گرہٹ! یہ ہوئی بات مجھے صرف آپ کا ہی حوصلہ دکارے ہوا بھی؟“ تاشون نے نہایت مطمئن انداز میں کہا اس وقت مصر کی آذان ہو چکی تھی اور تاشون نماز کے لیے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

نماز کے بعد جب تاشون اپنے کمرے میں واپس آیا تو ”وہ“ موجود تھی اور اس کے بیڈ پر چٹھی سبک دہی تھی۔

”تم؟“ تاشون قدرے بے گواریت سے کہا تھا۔ اس نے اپنی کدوڑی آنکھیں اٹھائی تھیں جن سے وہاں کا آہٹا رہد ہوا تھا۔

تاشون ابھی اور کچھ کہنے ہی والا تھا کہ اسے آج کی بلانی سے کی گئی ملاقات یاد آئی تھی اور ان کے الفاظ تاشون کے کانوں میں گونجنے لگے۔ ”اس کم نصیب کو ابھی کا راستہ دکھاؤ۔“ رانیہ نے حوالے سے کی گئی منتھ زیادہ سے تاشون کے صواب پر سکون ہو گئے تھے۔ وہ خاموشی سے اس کو دیکھ رہا تھا۔

آج اس کی محبوب ہی خزانہ کی فراخ مزہ میرے زمانے کے تمام زیورات اس کے جسم پر بے ہوئے تھے اور ایک عظیم الشان تاج اس کے سر پر تیار تھا وہ ایک عظیم الشان خزانہ آدمی کی تھی لیکن محبت نے اسے کائنات کا خزانہ بنا دیا تھا وہ بلکہ دہی کی لیکن آج صرف اس کی آنکھیں ہی جل رہی تھیں جبکہ چہرے پر ایک لومنی نور سکون تھا۔



□ سلیم احمد - حیدر آباد۔

○ بابائی اسلام ٹیکہ! امانت! "جی کھانیاں"

میں آپ کا کام نہ چاہتا جس طرح آپ دینی انسانوں کی خدمت کرتے ہیں! اللہ آپ کو اس کا اجر دے۔ (آمین!) بابائی! میں چھوٹا سا کاروبار کرتا ہوں۔ مجھے مسلسل نقصان ہو رہا ہے۔ میری روزی میں رکاوٹ ہے یا کسی نے بندش کروائی ہے؟ آپ استغورہ کرے گا تمہیں اور جو کسی وظیفہ دینے کے لیے تمہاری ہر جگہ آسانی کے ساتھ چاہوں گے۔ اس مسئلے میں اگر تمہاری ضرورت ہو تو وہی تادم کر دوں گی کسی طرح مشکوذاں؟ بابائی! وظیفہ زیادہ دینا ہوتا ہے جو کسی آسانی کے ساتھ چاہوں گے۔ میری روزی کے دروازے چاروں طرف سے مل جائیں تاکہ میں اپنے والدین کو بچ بچھ سکوں۔ (آمین!)

☆ بیٹے سلیم! اللہ تمہاری حاجت قبول فرمائے۔ نماز کی پابندی رکھو اور دودھ شریف بہت چمکو۔ بیٹے! تمہاری مشکوذاں کے لیے تفصیل درکار ہوئی ہے۔ تم مجھے بائبل نام تک والدہ ارسال کرو۔ چھوٹی لکھنے پر واضح چاکھٹا کر نہیں تفصیل ارسال کی جا سکے گی۔

□ سائنس - کراچی۔

○ اسلام ٹیکہ! بابائی! اس سے پہلے مجھ میں نے خط لکھا ہے آپ نے میرے مسائل کو حل کیا۔ بابائی! میری عمر 40 سال ہے! آج میرے منہ پر داڑھی اور سوچوں والی جگہ بال نکلتے ہیں۔ میں بہت پریشان ہوں۔ مجھے بال مشکل ختم کرنے کی نصوٹا میں تاکہ میں پر عمل کروں۔

☆ بیٹی سائنس! تمہارا مسئلہ شاید نصیحت کا نہیں۔ کسی ایسے بارے میں رابطہ کرو۔ اس مسئلے کے لیے غلامی گرم ویکس استعمال کرتی ہیں مگر جربا کر

خاتون سے عیاری جو کرے۔

□ تاج خان - بھارت۔

○ بابائی! اسلام ٹیکہ! امید کرتی ہوں کہ آپ خیریت سے ہوں گے۔ بابائی! میری عمر 18 سال ہے۔ میرا مسئلہ یہ ہے کہ میں ایک لڑکے کو چاہتی ہوں وہ میرے خاندان سے تعلق رکھتا ہے مگر مسئلہ یہ ہے کہ وہ کسی اور کو چاہتا ہے اور میں اس کی چاہت میں گمراہ ہو چکی ہوں۔ اس لڑکے سے اس کی چاہتی نے کافی جادو تو کیا دیکھ کر یہی اور وہ اس کی باتوں پر عمل کرتا ہے۔ بابائی! مجھے کیا ایسا وظیفہ بتائیں جو میں چاہوں تو میری شادی اس کے ساتھ ہو جائے۔ میں آپ کو بیشہ دے گا میں دینی رہوں گی۔

☆ بیٹی! ناہید ... اللہ تمہارے حق میں بہتر فیصلہ فرمائے۔ نماز کی پابندی رکھو اور بہ کثرت پہلے نکلے گا اور کرو۔

□ سلمیٰ - لاہور۔

○ محترم بابائی! اسلام ٹیکہ! میرا مسئلہ بہت بڑا ہے۔ میری شادی کو 12 سال ہو گئے ہیں اور میں اولاد کی نعمت سے اب تک محروم ہوں۔ ہم یہاں ہی قائم نہیں کروا سکتے ہیں۔ میں اپنی جگہ غمگین ہوں خرابی میرے شوہر میں ہے۔ انہوں نے کافی ملازمت کر لیا لیکن بات نہیں نکلا۔ بابائی! میں بہت پریشان ہوں میں اپنے شوہر سے بہت پیار کرتی ہوں اور ان کو لازم نہیں دیتی میں میری کتنی باتیں میرے شوہر کی اس بات پر بہت پریشان ہیں۔ سانی ٹیشن ہے کہ ہائی پریشر اور شوگر مرض میں مبتلا ہو چکے ہیں۔ میں ان کی وجہ سے کبھی بہت پریشان ہوں۔ آپ کے بارے میں چاہوں گی ہوں کہ آپ غلط خدا کی خدمت کرتے ہیں سوائے مسئلہ لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوں۔ مہربانی

کر کے کوئی ایسا وظیفہ ارسال کر دیں۔ زندگی بھر دعاؤں میں یاد رکھوں گی۔ میرے اور میرے شوہر کے لیے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اولاد کی نعمت سے نوازے۔ (آمین!)

☆ بیٹی سلمیٰ! اللہ تمہاری حاجت قبول فرمائے۔ نماز کی پابندی رکھو اور دودھ شریف بہت چمکو۔ جو شخص اللہ کو قسمی کر لیتا ہے وہ کامیاب رہتا ہے۔ بیٹی! اولاد کے لیے تمہاری دعاؤں میں تم مجھے جہاں تک تمہارے کے ہمراہ خط لکھو میں تفصیل ارسال کروں گا۔

□ ایکن - کراچی۔

☆ بیٹی! ایکن! اتم نے چاہا تو کیفیت نکلی ہے وہ معدے کی خرابی کی وجہ سے ہے۔ پانی بہت پیو۔ کھانسی سبزیاں اور پھل بہ کثرت استعمال کرو۔ بعد نماز فجر ایک بار سورہ رومن چمکو چاہی پر دم کرو اور یہ پانی دن بھر استعمال کرو۔ استغورہ کا شفاء والدہ ٹریڈ کے حق میں ہے۔

□ صنف - کراچی۔

☆ بیٹی صنف! اللہ تمہاری والدہ کو اولاد کا شفاء نصیب کرے۔ بیٹی! تمہیں ہمارا راست بھی خط لکھا ہے مگر تم خط پر چاہا نہیں ملے ہو۔ شہر کا نام نہیں ہوگا تو خط کیسے پہنچے گا؟ ہم یہاں ہی سورہ احزاب فجر کے بعد چمکو اور عشاء چمکو۔ ہر روز انشاء اللہ ضرور گرم ہوگا۔

☆ ایک ایک - کراچی۔

☆ بیٹی! امیر آتے! امیر چمکو۔

اول و آخر دودھ شریف 3-3 بار بھر حاجت بیان کرو۔ مدت 41 روز ہے۔

□ سائرہ - لوہاں شاہ۔

☆ بیٹی سائرہ! تمہارے حالات جان کر بہت دکھ ہوا۔ صحت اور میرے حالات کا مقابلہ کرو۔

تھیں! آپ اپنی اولاد کی خاطر کٹ کر کھانا پتہ ہے۔ سب سے پہلے نماز کی پابندی رکھو اور جس قدر ممکن ہو حافظہ پڑھو صحن کا روڑ کرنا کرو۔ کوشش کرو کہ ہر وقت با وضو رہو۔ بعد نماز عشاء ایک بار سورہ یسین ضرور چمکو۔ مدت 41 روز ہے۔

□ گناہ - لاہور۔

☆ بیٹی! گناہ! اللہ تمہیں بے شمار خوشیاں دے گا۔ نماز کی پابندی کی عادت ڈالو اور بہ کثرت صحن چمکو۔ کاروبار کرو۔ نماز فجر کے بعد ایک بار سورہ مدثر چمکو اور حاجات ایک ایک کر کے بیان کرو۔ یہی وظیفہ بعد نماز عشاء کرو۔ محلات میں خاموشی رکھو۔ مجھے حالات سے آگاہ رکھنا۔ وظیفہ کی مدت 41 دن ہے۔

□ الماس - حیدر آباد۔

☆ بیٹی! الماس! اللہ تمہارے حق میں بہتر فیصلہ فرمائے۔ بیٹی! نماز کی پابندی رکھو اور دودھ شریف بہت چمکو۔ میں سن کم از کم 5 بار آیت الکرسی چمکو اور اپنے لیے پورے کم از کم 100 بار آیت الکرسی چمکو ضرورت آتے الکرسی چمکو۔ حسب استطاعت صدق خیرات ضرور کیا کرو۔ مجھے حالات سے آگاہ کرو۔

□ رضیہ بیٹو - آدم۔

☆ بیٹی! اللہ تمہاری حاجت قبول فرمائے۔ نماز کی پابندی رکھو اور دودھ شریف بہت چمکو۔ بیٹے کا تمہاری تم احتیاط سے دیکھو اور چمکو۔ بیٹے سے کوئی بات ابڑ جانے کے بارے میں مت کرو۔ بیٹے کی عورت کا تمہاری تکلف کرو کیونکہ وہ ضعیف ہو چکا ہے۔ صدق خیرات خوب کرو۔ اللہ علیہ و آلہ و سلم ہو۔

□ عذرا - پٹنہ۔

☆ بیٹی! عذرا! اللہ تمہاری حاجت قبول فرمائے۔ نماز کی پابندی رکھو اور دودھ شریف بہت چمکو۔ بیٹی! تمہارے گھر کی حالت جان کر بہت دکھ ہوا۔



میری دعا ہے کہ اللہ سب کو اپنی اذہ داریاں  
بھی خوشی پوری کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ دُرو  
شریف غیب پڑھو پھر حاجت پان کرو۔ مدت ایک  
ماہ ہے۔

□ سیما گواہ۔

○ بابائی! میں آپ کی بہت پرستش بھی  
ہوں۔ 32 سال کی زندگی میں اتنے اچھے دیکھے ہیں  
کتاب زندگی سے خوف آنے لگے ہیں۔ اللہ نے مجھے  
4 بیٹے دیے ہیں۔ مجھے اپنی اولاد دے بہت بہت  
ہے مگر بابائی! مالی حالات اتنے خراب ہیں کہ میں  
اور میرے بچے ہی رہتے ہیں۔ شوہر میرا سال  
بھر پہلے حادثہ کا شکار ہو کر پتل بسا۔ اس کی زندگی  
میں تو دیکھ سکی لی ہی جاتی تھی مگر اب تو حالات  
بہت خراب ہیں۔ میں ان پڑھ عورت ہوں شستہ  
دار بھی میرے جیسے ہی غریب ہیں۔ چار بیٹے کون  
پال سکتا ہے؟ بابائی! میری ماں بھی گئی اللہ کی دنیا  
بہت بڑی ہے اور یہ اچھے لوگوں کی وجہ سے ہی پتل  
دی ہے مگر مجھے لگتا ہے کہ سب اچھے لوگ میری ماں  
کے ساتھ ہی مر گئے۔ اب میرے بچے لوگ ہی زندہ  
ہیں کیونکہ میں جس کے پاس بھی گئی ہوں دنگلے سب  
نے منع کر دیا۔ میں یہ فعل کسی سے نکھو داری ہوں۔  
اللہ کرے آپ کو میری بات سمجھ جائے۔ مجھے کوئی  
ایک دو امانتیں جس کے پڑنے سے اللہ مجھ سے  
راہی ہو جائے اور میرے بیٹے بھی سب کے بچوں کی  
طریقہ پیشہ کر دینی لگا سکیں۔

☆ جنی سر! اللہ تمہاری مشکلات دور فرمائے۔  
جنی! تم نے یہ کیسے سوچا کیا کہ اللہ تم سے راضی نہیں؟  
اللہ اپنے پیارے بندوں کو ہی آزماتا ہے۔ وہ اور  
عظیم کا خیال جیتنا وہی لوگ رکھتے ہیں جو جنت میں  
گھر بنانا چاہتے ہیں۔ یقین رکھو دنیا میں بہت اچھے  
لوگ موجود ہیں! اسی لیے یہ دنیا کا گم گم ہے۔ دایم

مت ہو کر! وقت سدا فیض رہتا۔ میرا اور مستقل  
حزابی سے حالات کا مقابلہ کرو۔ نماز پھر اور عقائد  
کے بعد 33-33 بار اُمّ اللہ شریف پڑھو اور دعا  
کرو۔ میں تمہارے لیے خصوصی دعا کا اہتمام کروا  
رہا ہوں۔ اپنا مکمل پانچے اور ارسال کرو۔

□ عاصم کونست۔

○ بابائی! میں اہم الیف سہ میں درجہ اول اور  
چاہتا ہوں کہ بہت عظیم حاصل کروں مگر جو بھی پڑھتا  
ہوں بھول جاتا ہوں۔ پھر کے سوال کا جواب بھی  
نہیں دے پاتا حالانکہ جواب آتا ہے۔ بہت جلدی  
تھیرا جاتا ہوں اور پینت پینت ہوجاتا ہوں۔ لڑکے  
میرا اتفاق اڑاتے ہیں۔ بابائی! اگر میں حالات  
رہنے میں کسی پڑھ سکوں گا؟ شاید میرا مسئلہ آپ کو  
بہت اہم نہ لگے مگر میرے لیے زندگی موت کا مسئلہ  
ہے۔ خدا کے لیے میری مدد کریں۔

☆ جنی عاصم!..... میں چاہتا ہوں کہ تمہارا  
مسئلہ بہت اہم ہے کیونکہ اسی پر تمہارے مستقبل کا  
داد دلا رہے۔ تم سب سے پہلے کو اپنی پڑھائی پڑجہ  
دو۔ اگر دو دن میں 4 گھنٹے پڑھتے ہو تو آپ 8 گھنٹے  
پڑھو یعنی دو گنا وقت دو گنا پڑھائی کے ساتھ ادا کیا  
کرو۔ رات کو سونے سے قبل ایک گلاس گرم دودھ  
ضرور پیو۔ نہار منہ 3-4 اہام یا کھرجا چکا کھا لیا  
کرو۔

نصرت من اللہ فتح وغیب کا بہت دور کیا  
کرو۔

□ مژدہا سر! کیا۔

☆ جنی مژدہا! اللہ تمہارے حق میں بہتر فیصلہ  
فرمائے۔ نماز کی پابندی رکھو اور دُرو شریف بہت  
پڑھو۔ خصوصاً نماز پھر اور عقائد کے بعد 101  
101-پار پڑھو اور دعا کرو۔ مدت 3 ماہ ہے۔

□ یحییٰ صادق آباد۔

☆ جنی یحییٰ! نماز کی پابندی رکھو اور پرفہار کے  
بعد 3 بار آیت الکرسی پڑھ کر اپنے لو پر ضرور دم  
کرو۔ والدہ سے کو خوب مدت خیرات کیا کریں۔  
تم اپنی زندگی کا کوئی فیصلہ بھی بنا استشارہ کیے مت  
کرتا۔ خواب پریشان کی ہیں۔ ہر قدم بہت سوچ  
کچھ کرنا۔ سورۃ قاسم کی بکثرت پڑھا کرو۔

□ عزیزہ جان۔ پشاور۔

☆ جنی عزیزہ! تمہارے دونوں خط مجھے ملے مگر  
پہلے پڑھے تھے۔ میں نے دونوں خطوط کے جواب بھی  
دینے کچھ عرصہ ہوا کہ تمہارا پانچ مکمل کر رہی تھیں  
ہوتا۔ آج وہ دیکھو مکمل پانچ ضرور لکھا کرو۔ شہر کا نام  
واضح لکھو۔ مکان نمبر اور گلی نمبر بھی صاف لکھا کرو۔

□ عابد گدو۔

☆ جنی عابد! اب جو حالات تم نے تحریر کیے ہیں وہ  
بہترین ہونے والے ہیں لہذا جنی جلد کلمہ ہو مجھ  
سے تعاون مت کرو۔ تو مجھ سے لیے جوابی نماز ضرور  
ادراں کرو۔

□ عارفین۔ کوٹ کبک۔

○ بابا جان! میری بیوی نے آپ سے میری  
ذکر کی کے لیے کوئی نیا فیصلہ کیا پڑا کرم ہے کہ 3  
سال بعد مجھے اپنی پیندہ بچہ پڑھ کر دینی لگتی۔ فی  
الحال بخود کہے مگر میں مطمئن ہوں۔ یہاں ترقی  
کے بہت مواقع ہیں۔ بابا جان! میرا ایک اور مسئلہ  
بھی بہت اہم ہے۔ میری چھ لڑکیاں ادھر آ رہی ہیں  
جہے جو میں چاہتا ہوں مگر مناسب قیمت نہیں  
لگتی۔ کوئی حلیہ صافیت کیجئے جس کی برکت سے یہ  
مسئلہ حل ہو جائے۔ میرے دوستے کے بچے یہ زمین  
بارکندہ دلچسپ ہے کچھ کم خرچہ بنا چاہتے ہیں مگر وہ یہ  
رقم دو اقساط میں ادا کریں گے۔ سب آپ مشورہ دینی  
سکیں ایسا نہ ہو کہ اس سودے بازی کا ہمارے آپس  
کے تعلقات پر برا اثر پڑے۔ آپ کے جواب کا

شکر۔

☆ جنی عارفین! اللہ تمہیں خوش رکھے۔ میں  
بہت ہی بات سمجھتا ہوں کہ جو لوگ اللہ سے پورے  
یقین کے ساتھ دہانتے ہیں وہ ضرور کامیاب ہو  
جاتے ہیں۔ اللہ کا فکر ادا کرو کہ اس نے تم پر اپنا کرم  
فرمایا۔ نماز پابندی سے ادا کیا کرو۔ دُرو شریف پڑھو کہ  
حاجت پان کرو۔ یہی مکمل بعد نماز عقائد بھی کرو۔  
مدت 41 دن ہے۔ بس خیالی رہے حاجت پوری  
ہوئے ہی حسب استطاعت تم اللہ کی راہ میں دو  
گے۔

□ فرحین۔ سرش۔

☆ جنی فرحین! اللہ تمہاری حاجت قبول  
فرمائے۔ نماز کی پابندی رکھو اور دُرو شریف بہت  
پڑھو۔ دو زائد رات کو ایک گلاس گرم دودھ اور  
چوتھی پچھ کر کھا لیا کرو۔ یہ مکمل ہر ماہ 7 دن کو پھر  
رک کرو۔ بکثرت بھلائی کا در کیا کرو۔ اللہ عمل  
شفا عطا فرمائے گا۔

□ عارف۔ کمرات۔

☆ جنی عارف! اللہ تمہارے مسائل حل  
فرمائے۔ نماز کی پابندی رکھو اور دُرو شریف بہت  
پڑھو۔ کچھ معاملات بدوں کے طے کرنے کے  
ہوتے ہیں۔ چھوٹے چاہتے ہوئے بھی اس میں  
نہیں بول سکتے۔ جسے اللہ سے اچھے حالات کی دعا کرتی  
رہو وہ ضرور نکلے گا۔ والدہ سے کہو اپنے تمام بچوں پر  
چاروں نکل اور اُمّ اللہ شریف پڑھ کر ضرور دم کیا  
کریں۔ اپنی بھانج سے کہو بعد نماز عقائد ایک بار  
سورۃ نعام ضرور پڑھیں۔ مدت 41 دن ہے۔

□ علیہ سر! کیا۔

☆ جنی علیہ! اللہ تمہاری حاجت قبول  
فرمائے۔ نماز کی پابندی رکھو اور دُرو شریف  
بہت پڑھو۔ احسان شروع ہونے سے کئی خط لکھا

ہو کی اٹھا مالا!

□ خلیہ۔ لاہور۔

کردار کا وہ خلیہ کرنے کا نام بھی ہو۔ بہر حال بنابر حقیقت کا بہت دور کیا کرو۔ آدھس کے مضمون تمہارے لیے بہتر ہیں۔ اپنی توجہ دوسری چیزوں سے ہٹا کر صرف پڑھائی پر مہذول رکھو! کامیابی ہو کی اٹھا مالا!

○ پیارے بابائی! السلام علیکم وعلیٰ اسلام کے بعد عرض ہے کہ اس سے پہلے بھی آپ سے گئی بار رابطہ کیا مگر پتا نہیں کیا کہ آپ جواب نہیں دیتے؟ بابائی! مسئلہ ہے کہ میرے سر میں ایک جھپ سی تکلیف ہے جس کی وجہ سے نہ صرف میرا دم بکڑا ہوا ہے بلکہ سننے اور دیکھنے کی قوت بھی کم ہے۔ اس بیماری کا بہت علاج کر دیا مگر کوئی افادہ نہیں ہوا تو کسی عالم سے استشارہ کر دیا تو اس نے بتایا کہ میں جھپ بالکل چھوٹی تھی تو ایک دن میرے اوپر سے جن اور پریوں کا گزرا ہوا تھا اور اسی وقت ایک پری کے پردوں کی مٹی نہ پ کوئی چیز میرے سر پر گر گئی، جس کی وجہ سے یہ تکلیف ہوئی ہے۔ بابائی! بات کچھ بھی ہونے میرے ساتھ بہت بڑا مسئلہ ہے۔ میں یوں درشتی میں پڑتی ہوں یہاں تک کہ میں کیسے بچتی ہوں تو مجھے ہی پتا ہے۔ میں بہت پڑھتا چاہتی ہوں لیکن اس تکلیف نے میرا سارا کیریئر ہی تباہ کر دیا ہے۔ میں دوسالوں سے مسلسل ڈر و ڈرلیف پڑتی آ رہی ہوں۔ اس سے بس اتنا اتفاق ہو رہا ہے کہ میری تحریر کی ضرورت کچھ دور ہوئی ہے اور کچھ گھنٹے میں بھی اتفاق ہوا ہے لیکن سب تو دن پڑھنا پڑتی جا رہی ہے۔ میں اگر کلاس میں ڈر و ڈرلیف کی طرف دھیان دیتی ہوں تو لکھ کر کچھ میں نہیں آتا اور اگر ڈر و ڈرلیف چھوڑ دیتی ہوں تو تکلیف دیکھی کی دیکھی رہتی ہے۔ کبھی تو میرا دل کرتا ہے خود کوئی کلاس لیں اللہ تعالیٰ پہ یقین کر کے

آگے بڑھتی ہوں کہ شاید دن دو مجھ پر دم کرے اور مجھے اس جھپ و خرابی بیماری سے چھٹکارہ حاصل ہو جائے۔ بابائی! خدا کے لیے مجھے اس تکلیف سے چھٹکارہ دلا لیں۔ میں دن رات روتی رہتی ہوں۔ میں اپنی تعلیم میں بہت آگے جا چکا ہوں۔ بابائی! ہر مل میں میرے امتحان ہیں اور میں سخت پڑھتا ہوں۔ آپ جو کچھ میں کرنے کو بتا رہے ہیں۔ میرے لیے اجتماعی دعا کریں۔ میں کبھی بھی مشکل و خلیہ یا تنوع جوڑنے کے لیے تیار ہوں۔ خدا کے لیے میرے لیے کوئی راستہ نکالیں۔

☆ بی بی خلیہ! تمہیں میں صحت کروں گا کہ جلد از جلد مجھ سے تنوع یا تنگنالی تنوع کے لیے مجھے جوابی لٹاؤں گے میرا خدا نکھو۔ اللہ حامی و ناصر ہو۔

□ کرن۔ حیدر آباد۔

☆ بی بی کرن! اللہ تمہاری حاجت قبول فرمائے۔ تمہاری پابندی نکھو اور ڈر و ڈرلیف بہت پڑھو۔ بی بی اتم نماز عشاء کے بعد 7 بجے پڑھو۔ بنائشی یا بقوم ہو خود کچھ استعانت اول و آخر ڈر و ڈرلیف پڑھو گا کہ مدت 41 دن ہے۔

□ محمد عدنان۔ مقام معلوم۔

السلام علیکم! میرے سر میں دم اور خشکی کے کمر ڈھنے ہوئے ہیں۔ ان میں سے کدہ پانی میں رستا ہے۔ آپ جو دوا کی اور تیل دم کر کے دیتے ہیں اس کے پیچھے کا طریقہ اور دے بھی تا دیں۔ کوئی دیکھ ساتھ نہ دیکھ گے کہ کچھ اس کے لیے ہمارے یقین اور امتحان کی ضرورت ہوئی ہے۔

☆ بی بی عدنان! اتم skin کے ڈاکٹر سے رجوع کرو۔ جھپ کا زخم میں پڑنا مناسب نہیں۔

پچی مکاویں  
MINI MAG

کتاب تجربہ  
خیال آرائی  
پند پچی اپنی  
آپ کی خبر  
پازگشت

# تبصرہ اور تذکرہ

کے طور پر سامنے آتے ہیں۔ ”برقاب“ کی عین اسے اندر نظر رکھتے ہوئے ہیں۔ ہر نظم ایک رنگ اور حوالہ میں ہے۔ کوئی کے طور پر کے تخیل کو ہر نظم میں عکس کیا جاسکتا ہے۔ ”برقاب“ کی تمام نظمیں بند آہنگ سے لکھی ہوئی ہیں۔ ہفتار کی چند لائیں ملحوظ ہیں۔

ادارہ چھپانا کیا ہے  
نظر نہیں پائی

کہ ہر شعر دیکھتے  
اگر شعر نظر جائے تو آئیں وہیں دیکھیں  
نکاحیں دیتے ہیں  
آٹھوں کی صفی سے پہنچتی ہیں  
بہیں دیکھو

قدیم فنون کی کٹھن میں خود سے بھڑک  
واہوں میں باصطرتے  
ہر دم بھگتے ہیں  
دیکھنا ایک میز پر رکھا ہے

آئیں فاقوں کے میر میں تم ہیں  
چاہیں..... یہوں میں سے ہیں  
خوشی بند ہے یہاں

☆ ☆

مہر چو کی مصروف ترین زندگی کا نوہ.....  
مکمل آسودگی..... بے کسی..... شہی سے عروقی،  
فنی محاسن، جدید اسلوب اور زبان کے اسرار بھر میں  
جدلی ”ہفتار“ میں بکھفت ہوئی نظر آتی ہے۔  
خوب صورت اور جدید طرز میں جہاں ہمارے جذبات  
واحساسات کی عکاسی کرتی ہیں وہاں مصری حالات  
اور ان میں رونق ہونے والی تبدیلیوں اور تعمیرات کی کسی  
مصوری نہیں دیتی۔

کیس جانا نہیں بھرگی بہت کئی مسافت ہے  
منظر اور رنگ ہیں اور دیکھنے چاہنا نہیں آتا

عصر حاضر کے جدید لب و لہجہ کے

فصوص شاعر شاعر شاعر کے مجموعہ کا نام

”برقاب“ پر ایک تجزیاتی نوٹ

مکاشفہ

شہزادہ کا شعر ہمارے عہد کے سچے شاعروں  
میں ہوتا ہے۔ غزل، نظم، مکتبہ، تنقید..... انہوں  
نے تمام اصناف میں کمال کا کام کیا ہے۔ پاکستان  
میں جدید غزل اور نظم کی تاریخ ان کے ذکر سے بغیر  
ناممکن ہے۔ ”برقاب“ شہزادہ کا تیسرا شاعری کا  
مجموعہ کا نام ہے جسے ساتھ ہی لیٹن لاہور سے شائع  
کیا ہے۔

PEN ایڈیٹر ایف اس مجموعہ کا مطالعہ مجھے  
اسطری نقصا میں لے گیا ہے۔ جہاں برف کا گھٹن  
اوڑے کئی سائیں جملہ ہیں۔ ”برقاب“ میں شال  
شہزادہ کی نظم کے دو پہلو بہت اہم اور نمایاں ہیں۔  
اول جنگ، دوم، جیتی زندگی کا حق شعرا پر ”برقاب“  
میں ”دارالشین“ بہت نمایاں ہے۔ سامر اور قدیم  
معاہدہ میں تو ان رکھ رکھ کر استعاراتی وسعت کے  
ساتھ نظم میں طبعانہ اور ان کا ایک اچھوتے انداز میں  
ڈھانچا شہزادہ کی کمال ہے۔ ”برقاب“ کی تفصیل  
میں ان کا تھانہ غریبیت کی طرف ہے۔ وہ ذات  
سے نکل کر پورے معاشرے میں مہلک ہوتے نظر  
آتے ہیں۔

”برقاب“ کی تفصیل میں داخلی حالات کا  
استعمال، لب و لہجہ کی شدت، تشاؤں کا سلسلہ  
استعمال اور اپنے عہد کی صورت حال کا ادراک ملتا  
ہے۔ ان تفصیل میں اسطراب اور شدت خیالی کیجے

قلم سے لکھیں اور ہمارے لکھنا نہیں آتا  
اور آپ قلم کے اعجاز کی چھ لائیں  
گرش میں ہونے خواب ہیں  
خوابوں کی بھری کرچیاں ہیں  
کرچوں کی تیز دھاروں پر  
بچے لکھنا نہیں آتا  
ذواعتدال ہوں  
میں انصاف کی گھن سے گرا جاؤں  
اور زمانے میں جان تو بدھوں کا ہے

☆ ☆

ہمارے ہاں شاعری کی اکثریتیں شاعری کی  
تختلف اصناف کو مخصوص موضوعات اور موضوعات  
خصوصی تفصیلات کے پس منظر میں دیکھنے سے پیدا ہوتی  
ہیں اور بھرپور بھی ہوا کرتی ہیں لیکن دلوں نے ایک  
صنف کے لیے شہرہ موضوعات اور دوسرے کو لازم  
کی جتنی کڑی پابندی کی ان کو اس صنف کا اتنا ہی ہوا  
EXPOENT مانا گیا۔ ایک زمانہ تھا کہ اردو نظم  
کو اردو غزل سمجھا جاتا تھا۔ لہذا غزل کے تمام  
موضوعات نظم کے لیے غرضیوں قرار پائے اور یہ  
رو بہ پڑی حد تک آج بھی برقرار ہے۔ حالانکہ جدید  
اردو شاعری اور جدید نظم کی ایک جگہ ہی ہے۔ ان  
بہتوں کے باوجود آج کی شاعری میں موضوعات کے  
اعتبار سے غزل اور نظم کا فرق نظر ہی آتا ہے۔

اردو شاعری ادب کی دوسری اصناف اور تمام فنون  
پر تبدیلی کے گہرے اثرات اس وقت مرتب ہوئے  
جب دوسری تبدیلیوں خصوصاً مغرب کے علم و فنون  
سے ہماری آشنائی ہوئی۔ لیکن ادب کے مرتبے اور  
بعد ان اس اصل کی صورت میں جب ہمارے تخیل  
کا دل نہ بچنے کو تخیل کا کیوں بکس بدل گیا اور یہ  
بات کیسے بہت واضح ہو گیا ہونے سے پہلے ہماری  
شاعری کی روایت میں غزل کی حیثیت بنیادی تھی۔  
غزل غزل کے اعتبار میں اردو غزل کے موضوعات بھی  
محدود اور بے شدہ تھے۔ جب ادب اور ساتھ ساتھ  
شاعری کا کیوں بچنا تو عمومی طور پر محسوس کیا گیا کہ

نئے موضوعات شاعری کی کسی اور صنف میں تو ادائیگی  
جاسکتے ہیں لیکن غزل میں ایسا ممکن نہیں۔ ایسے تمام  
نئے موضوعات نظم کے موضوعات بنادوئے گئے جبکہ  
غزل اپنے روحانی موضوعات پر قائم رہی لیکن تخیل  
پر یہ بہت بڑی لیے عرصے کے لیے ممکن نہ تھی حالانکہ  
تخلیدی دلوں نے بہت دیر تک بلکہ آج تک ممکن اور یہ  
اپنا ہے کہ اگر غزل کی شاعری نظم کا حصہ ہے اور  
غزل صرف بازاں تھیں تھیں تھو ہے۔ اسی تخلیدی  
روئے کی وجہ سے پہلے ہماری اور اردو شاعری کا کیا اور  
بعد میں مجید احمد، جونسون، صدیقی اور شاعر کے  
تخلیقی شعور اور اس کی شاعری کے دور رس اثرات کو نظر  
انداز کیا گیا۔ جن لوگوں نے انگریزی، جرمن، فرنچ اور  
دوسرے ممالک کے ادب کا مطالعہ کیا ہے ان کو بتوئی  
انکار وہ کا کہ جیسی جیسی ”مصر“ ہے۔ ان کا جہاں  
ہاں تک کہ کبھی صنف کے لیے موضوعاتی اعتبار سے  
بھی کوئی قدر نہیں لگائی گئی۔ جان ڈن کی  
RHYMED تفصیل اور طارے کی آزاد شاعری  
FREE VERSE دونوں میں ہر طرح کے  
موضوعات شاعرانہ طور پر تخلیق کیے گئے ہیں۔ جبکہ  
اردو شاعری میں پہلی بار مجید احمد نے شاعری کے  
کیوں کو نظر آجیاد کیا کہ تخلیق اور مادیت کی بحث  
کامل طور پر بے مقصد ہو کر رہی۔ جبکہ انسانی شعور  
وہاں پر ہے جہاں EXTERENAL  
PROPS سے بڑھ کر خاص شاعرانہ احساس کے  
ساتھ انظر و ادبی، اجتماعی، معاشرتی، نفسیاتی اور کائناتی  
مسائل کا احاطہ کرتی ہوئی شاعری ہی درخور اعتناء  
تھمہتی ہے اور یہ وہ شعر نامہ ہے جس میں ایسی  
شاعری تخلیق ہوئی ہے اور شعرا دیکھنا اس نظر نامے کا  
ایک صبر تمام ہیں۔

نئے موضوعات، زبان اور تفصیلات کا خوب  
صورت استعمال، اگرچہ کہیں کہیں مرید دلوں اور  
فریشتہ پر بکھڑا نظر آتے ہیں۔ لیکن بنیادی  
شعری حیثیت شہزادہ کی ہاں اگر تبدیلی ہو جاتی ہے  
اور اس کے ساتھ ساتھ بیت، شعریات، تفصیلات اور

قوم کوئی نہیں تھا اور ہوا  
دوسرے میں زندہ ہوں  
اک شب تار یک مسکن میں ساکن  
مرے مرے ہیں سے اوجھل  
نہ سچے میں حرکت  
نہ آنکھیں ہی روشن  
بدن کے اسی عارض غم درد  
مری ذات ہے  
لمبے عرصے کی قیدی!

جب ہم "ہم" کی انکسوں کی قادم اور بحث کی  
طرف آتے ہیں تو پتا چلتا ہے کہ کتر یا ہر ایک کی ایک  
اگ DISTINCT ایت ہے جو اس کی پارے  
کے مجموعی تاثر کا جزو ولا ینفک ہے۔ نیز اندر کے پاس کی  
بھی مضمون کا شاعر اور برائیاں تاثر استعارہ یا  
تسمیات EXTERNAL PROPS کے طور  
پر استعمال کرنے سے پیدا نہیں ہوتا بلکہ یہ اور دوسرے  
محاسن نظم کی بنت کا بنیادی حصہ بنتے ہیں۔ یہی حال  
آجک کا ہے

"خبر اوش ہیں"

زندی یادگرا

بہمی ہیں

قرنی میری پڑھوں سے

جو کچھ میں غاک کی لڑی پر

ایک مٹی ساجی سے گھسے گھے

آپ بننے گھے

زندی یادگرا

بہمہ سے ہی کن

جن کے کورے بدن سے

اشارے سے بلوئیں چھینے گھے

گھسے گھے میں غم بھرت ہوا

اشک دوش ہونے

ورود ہوا

سائس پائی میں صرف ندامت ہوئی

رہ گئے کی سزا لایب قامت ہوئی

اور اک میرا دوست وقت میں دے کے  
دوسرا بخت نکھڑا دے  
دم اسیری تکلی کیا ہو  
کسا بکساں بھی  
زبان کی چٹکی گرفت میں ہے  
☆.....☆

"ہم" کی انکسوں میں شہزاد نیر کا حقیقی  
سہارہ اور بہاد بہت نظر آتی اور خوب صورتی  
لے ہوئے ہے۔ انہوں نے نئی نظم کی بوطیقہ میں  
مختلف پیلوؤں کی قادموشن کی ہے اور وہ جدے نظم  
کے مترجم ہے ہر ایک نظریہ ساز کے طور پر سامنے  
آئے ہیں۔ شہزاد نیر کی انکسوں میں اپنی ذات سے  
اوپر اٹھ کر شکاری موجودات کا حوصلہ مرغان ذات  
سے وابستہ نظر آتا ہے۔

"چاہے جانے کی آرزو"

وہاں دیکھنے کی بہت دیرمان آنکھیں جس

دھاتی پھول کھلتے تھے

مگر حرکت کی بارش کوڑتے سوکھ جاتے تھے

ہوا کا کس، ہوا کی ٹھکانا نہیں ہوئی!

(یہ سارے شعر کسی ایک نظر کے خنجر ہیں)

یہی چیزیں کی یادیں کر پڑیں

تو محروم کی سوئی انکسوں نے

رنگوں کا ذخیرہ کر لیا

چشمہ شکار گان لائے گا

(کیا خوب صورت اور بھرپور لکھ ہے)

کسی کی آنکھ میں آئے ہاؤ سے چلے جانا

بڑی بھاری ذلت ہے

(دیکھئے اس نظم کی کمزور قسم قدر رستہ ہے)

باہر تین

یہی صدیوں سے تھا

میں کن گندے جس تاریک میں

سائس دے کے پڑا ہوں

بدن کے خلیقہ روشن زدہ میں

بے حس و حرکت

قدردن اور انسانی شعور کا ارتقا کا فرما ہوتا ہے۔ ایک  
زمانہ تھا کہ مغربی معاشرے میں تفریح کا بہت بڑا  
ذریعہ تھوڑی اور سادہ شاعری ہوا کرتی تھی۔  
اس زمانے میں جب چاہے سے بھر پور انکسوں پر میوز  
BALLADS اور نظمیں لکھی گئیں۔ بالآخر وہ دیکھتے  
ہیں کہ چھٹی صدی میں پھیلا کر دور دورہ تھا تو اس  
زمانے کی اہم ترین شاعری نہیں داروں میں مٹی  
ہے۔ اطاردیں بلکہ انیسویں صدی  
تک RHYMED VERSE کی مختلف شکلوں  
(جس میں سائبہ بھی شامل ہے) میں اکثر شاعری  
ہوئی۔ اسی عرصے میں شعری فن پاروں کے حجم میں  
بتدریج کمی ہوئی تھی لہذا آزاد شاعری تک پہنچی اور  
پھر نہایت مختصر کام تخلیق ہونے لگا۔ حتیٰ کہ 1930ء  
کے تک چھلک کر دیا گیا کہ "وہ لکھی گئی آزاد"۔  
طویل نظم کی موت واقع ہو چکی ہے (اسی قسم کی  
تجربہ ہیں یہ صرف دوسری اصناف میں بلکہ دوسرے علوم  
میں بھی) واقع ہو رہی ہیں جو انسانی ایک زمانے میں  
تاریخ اور جو بلائی VERIFICATION کو  
شاعری انسانیت۔ وہ وقت کے ساتھ ساتھ فنا کرنے لگا کہ  
اس کے معاشرتی اور نفسیاتی مسائل بھی شاعری کا حصہ  
نہیں۔ پہلے جہاں اس کی شعری حیثیت کی نقلی غارتگی  
مظاہر ہو چکی تھی۔ بعد ازاں چاہے کے لیے استعمال کی  
جانے والی مکمل اور صوتی علامتوں اور غیرہ سے ہو چکی  
تھی صرف ان چیزوں سے ممکن نہ رہا۔ اب انسانی  
ذہن بہت آگے ہے۔ "ہم" کی انکسوں میں شہزاد  
نیر نے اپنے تخلیقی تجربے میں اضافہ کر کے زندگی کے  
تازہ تجربے کو ایک نیا شعرہ پیش کیا ہے "اگر یہ کچھ  
ہے" کی چھلانگیں

امیر ساحت سے پوچھتا ہے

اک وقت کی قید کب تک ہے

زبان کو یہ اختیار کیوں ہو

کوئی بھی گم

کسی کی ہے زندگی کو

مکڑی کی رسی سے باندھا لے

ہم آدہ ایک جہاں تازہ آشکار ہوتا ہے۔ اعتراض کی  
حریت چھلانگیں ملے گی۔  
پاس میں ہر ایک نفس تک ہے  
جانی آنکھ کے پھولے سے پہلے  
کس بیکردوش ہوتا ہے  
مگر کڑھیں کب ہیں  
حقیقت اس قدر ہے  
در حقیقت کچھ نہیں

باقی فیاض ہے  
فنا شدہ کس دل پر  
مجھے لگتا نہیں آتا!  
چار صفحات پر مشتمل یہ اعتراض ہمارے ہمدلی  
زندگی کا بھرپور مطالعہ کیے ہوئے ہے  
بچہ کرسی کے شرق میں مجھ سے بڑی خطا ہوئی  
چاک جوں کے ساتھ ہی چاک فردیہ مل گیا  
☆.....☆

"ہم" کی انکسوں میں قادم کیفیات کا رچاؤ  
شامل ہے۔ جذبہ وار سے محروم نظر نہیں برائیاں اور  
گہری تاثرات سے مالا مال ہیں۔ جدت خیال اور  
جدت اظہار سے بھرپور۔ شہزاد نیر کے اظہار بیان  
میں جرات نگاری، محاکات اور مبالغوں سے جو کام لیا  
گیا ہے وہ قابل ستائش ہے۔

"ہم" میں شامل انکسوں کی حقیقی حد یہ سائنسی  
علوم، تصنیف، فکر اور معاشرتی آگہی کے پس منظر میں  
ہوئی ہے۔ زبان و خیال کی شناخت کے ساتھ ساتھ  
ایک بھر پور دشمن سامنے آتی ہے جو میں زبان کے  
اُحاطے میں ہونے والی تبدیلیوں سے آشکارہ ہے۔  
پرانے انکسوں کے نئے سیاق و سباق، ترکیبوں کی بے  
شمار جھڑپیں!!

شہزاد نیر کی شاعری میں ذاتی تجربے پر واردات نظم  
میں کمال کے ساتھ تخلیق ہوتا ہے اگر دوسری طاقتوں  
میں شاعری کی مختلف اصناف کے ارتقا کو دیکھا جائے  
تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ وقت کے ساتھ ساتھ  
اصناف بدلتی رہی ہیں۔ اس تبدیلی کے پیچھے معاشرتی

ہاتھ باندھ گئے

داگی جبرئیل زب پاک کی گھسی

دشت خواہش میں سر ہادہ چھڑا گیا

ہم جن کی پٹلیں میں جپے رہے

"برقاب" میں شامل خیر و شر کی نعلوں کا فیر

چرخ کی زخموں اور رانوں میں رانیں جھٹکوں سے آغا ہے

سلاج کی ہر عمر ہر مکاری کرتی ہے نہیں ہدیہ نصف حیات

اور دھت طرانی سے جڑیں ہیں

"ہمراہی ذات کے خالق"

یہاں ہر کشتی باقی

نگاہوں میں دل آرائی

نہ باتوں میں جیسے سالی

جو سانس باندھ کر مٹی کی

خون لہلہ پائی

یہ کس موڑ سے

آن میں نزلوں کا کس بھی

لب پہنچوں پر پیکل جاتا ہے

جنہیں ہم زندگی کیے

"برقاب" میں شامل خیر و شر کی نعلیں ان کی

زعمی کے مختلف الخراج ہر بات سے کڑوتے ہوئے

ادوار کی ترجمانی کرتی ہیں "برقاب" میں شامل ان

کی طویل فلم "خاک" ان کے تغیر ارادہ کو واضح

کرنے کے ساتھ ساتھ ہم نگاہی میں ان کے مقام

کے قصین میں بھی فیصلہ کن کردار ادا کرتی ہے۔ خیر و

شر کے میل میں خواب دینے کی طرح جھلکتے

ہیں۔ وارے سے صحرا تک کا سفر ان کی مسلسل فنی

رہایت کی دلیل ہے۔

"برقاب" میں شامل نعلوں میں تجوی سے

بدن ہوا سحر نامہ، ہر امر و سحر و جہاں، بیگ گاہ،

جبر، جنگ ایک نئے کرب کے طور پر سامنے آتے

ہیں۔ معاشرے میں فرد کے داخلی تضادات کی

ہر عمر ہر مکاری جتنی ہے۔ ذات آشوب سے، شہر

آشوب تک کا سفر جس اذیت میں خیر و شر نے کہا

ہے وہ "برقاب" کی نعلوں میں چاہتا نظر آتا ہے۔

ایک اور بات شیر کرتی چلوں کہ "برقاب" کی

نعلوں کی گھسی میں عام جہتی کو رادقت محسوس ہوئی

جسین جو اگلے چھپے فلم کی روانی اور ہر اچھا اچھا میں رہتے

اور بپنے کے سب سے واقف ہیں۔ "برقاب" کا

ملاحظہ ان کے لیے خاصا شگوار ہو گا۔ زندگی کی

حقیقتوں کو کھان کر پتی ہے عینیں بھی جیسے سیانہ کی اور

کارگل کے قیاز پر لے جاتی ہیں۔ بھی اسطری

ماحول میں اور مٹی میں صدمہ ہے میں اور دو ماٹوں تک

ان نعلوں میں بہت کم نظر آتا ہے۔ یہ زندگی کی

حقیقتوں سے جڑی ہوئی نکلیں ہیں اور حقیقت

ہر حال میں ہوتی ہے۔

"جی سورج بھی نکلے گا" حرد و طریقے کے مسائل

کو اجاگر کرتی ہیں فلم ہے۔ آخری چند لائنیں ملاحظہ

ہوں۔ مذکورہ کی کیفیت ہے۔

امیدیں اور دگر بچے ختم ہو جائیں

تو سب بے جان نعلوں سے

حسین اندر میں ہی کڑی شام کھاتے ہیں

اور آسمان میں یہ دکھ گھر

گھر اور کلوت جاتے ہیں

کہ ان کا کوئی بھی آقا

نویہ بند کی نہ نہیں آتا!

"سیانہ" آہل کے پار جانے والے آندہ

کارگل، غلاب آغیوں، چوروں کے درمیان، دشت

سبل نہیں ہے۔ خزاں۔ عاصف۔ ٹھہری ہوئی

ساعت، گرجاؤں، صف، حریف کیساں کاپ وہی

خفی جتن کی لائے ساگرہ کے آخر رازہ۔ یہ

فلمیں انفرادیت سے ہوتے ہیں۔ آخر میں ایک

طویل فلم "خاک" ہے۔ اس فلم کا سرگزشتی امداد

کدے سے ملے ہوا ہے۔

ہندیہ لوب کی اپنی اور خوب صورت ترین فلم

"خاک" اپنے اندر مری درخت لیے ہوئے ہے۔

اس سے پہلے نعلوں میں من امر و شد کی حسن

کوڑہ اور ڈاکٹر ویر آقا کی۔ آدھی صدی کی

بعد اور "خاک" انٹرویو "جی" قابل ذکر ہیں۔ "آدھی

صدی کے بعد" ڈاکٹر ویر آقا کی محسوس آپ بھی

ہے جبکہ "خاک" انٹرویو "جی" محسوس جب بھی ہے جبکہ

خیر و شر کی "خاک" کا موضوع بھر جاتا ہے۔ گرتی

ہوئی برق، گہری کھائیاں، نٹوں کے حساب سے

پڑی ہوئی برق۔ صدیوں سے پڑے ہوئے

چٹانوں کے ٹکڑے سین زود خوراک کے لیے،

کارنگ، چٹیک، برق کا کلن، ایک ایم اے میں بار

بارد ہر لیا جانے والا سق۔ آخری آدمی، آخری

گولی، برق کی قبر۔ انسانیت آوازوں اور خوشبو

سے محرومی۔ خاک میں لپٹا ہوا کھانچل۔ ایک

پلا ہوا صحرانہ چار محضر، ایک ایسی کھانی جس سے

قروں کے رخ بھل گئے۔ لاتعلی دشت جبرئیل

نگاہ ہیں۔ حقیقت سراب، ہم جبرائیل، ہر حال آجلہ

پانی، تنہائی اور برق دور برق، یہ طویل فلم

"خاک" کا موضوع جس کے لیے ایک الگ

مضمون درکار ہے۔ "خاک" ایک مطالعہ کے عنوان

سے "برقاب" کے آخری صفحات پر شاید شریانی

صاحب کا ایک خوب صورت اور گہر پر مضمون شامل

ہے۔ اس کے چند اقتباسات دیکھئے۔

"فلم خاک میں جو کھانی جان ہوئی ہے وہ مختصراً

کچھ یہ کہ ہے کہ ایک بلند والا برق پہاڑی علاقے

میں جہاں دو فنی کی سالک چھین گئے رہے۔ مکہ

لوگوں کو صدمہ ہو چلی ایک انسانی ایشیائی سے جو برق

میں ملتی ہوئی ہے۔ شاعرانہ ایک ماہر زندگی کی طرح

اس کی زبان سے کہلاتا ہے کہ وہ ایک صحرانہ چار

جنگ کے زمانے میں اپنے ساتھیوں سے یوں پھلدا

گیا تھا کہ اس سمیت چار مکاری دے کے سہارے

ایک کلاہ پر دان ہوئے سرگزشتی کلاہ سے آگے

قاہ۔ موسم کی بھار کے باعث پچھلے تین مکاریوں نے

متناسب سمجھا کر آگے ملنے والے ماٹوں کی ری کوکٹ

دیا جانے ورنہ وہ بعد ازل میں چا جائیں گے۔

چنانچہ مری کے کٹ جانے سے یہ مکاری کی گہری

کھانی میں جا کر اب مری وقت اس کے ساتھیوں نے

چھپے ایک رسالہ لکھا اور اسے آواز دے کر کہا کہ اسے

قلم لے۔ یہاں اہل کے فرشتے کی آواز سنائی دیتی

ہے یہ رسالہ چھوڑا ہے جس تک اس کے ہاتھ نہیں پٹتی

سکتے۔ برق بنا وہ مکاری ایک مرد انسان ہے اور

دیکھتے والوں کو یوں محسوس ہوتا ہے جیسے وہ خود انہیں اپنی

پہری کا داستان سنار ہے کہ اس کے ساتھ کیا تھا۔ وہ

رستہ تک رسائی حاصل نہ کر سکتے پر ماریوں کو اپنی

دست بتاتا ہے کہ اس کے گرد والوں کو اس کا آخری

سلام اور پیام پہنچا دیں۔

اس کی زبان اور پیش اس کی آنکھوں میں جین کر

رہی ہیں اور وہ خوف رویا پر بیضا زندگی کی آخری

مکڑوں کی زبان ہے

موت۔ مری

حرمت۔ حیات آخری

اس کا عمل سن ذرا

برق کدب میں چار باب کوزی

سے صرحت اہل، سن ذرا

میں نے مری مری کے کھیلوں کو دیکھا نہیں

گھر کو کچا نہیں

مکاری زندگی

بھر مجھ میں، دور میں اور تھ جائیں گا

فلس اور کس پہلے سلسلہ

کرب یا میرا کیم

"برقاب" پچھلے ایک سال سے زیر مطالعہ

ہے۔ بہت دل چاہا اس پر کچھ نعلوں سین کی لفظ

ساتھ نہیں دیتے تو اور کی گئی۔ اب اس

پر کہہ لکھا میں نے "مضمون نہیں ہوں کہ جیسا لکھا

جاتا ہے قادی لکھا نہیں۔" قلم ہے انھیں

میں اور مجھے لکھ نہیں آتا۔ خدا کے لم پزل

"برقاب" کے خالق کے فلم کی روانی اور جولانی کو

قلم وادار رکھے، آمین!!

مکڑ نہیں ہے گہر نام و نشان خاک

مقدور بحر تو چھان چکا ہوں جہاں خاک

☆☆☆

## جنت کی جنت

ماہنامہ

بھی غلطی کی صورت جب ماں باپ سے تو اس کے احساسات و جذبات یکساں ہوتے ہیں۔ ایک ماہر نے گوری بھی  
 میں کالی بھی کبھی ماں بھی اور چاہی بھی ماں عربی اور عربی بھی ماں غریب اور امیر بھی ماں سب میں بھی ہوتا  
 کی تپ ایک جیسی ہوتی ہے اور دوستی ہے جسے اللہ رب العالمین کی رحمتوں سے رحمت کا ایک حصہ ہے۔  
 ماں کی محبت اپنی اولاد کے لیے بے لوث ہوتی ہے۔ ہر انسان کی محبت میں کوئی نہ کوئی مفاد چھپا ہوتا ہے۔ لیکن ماں  
 کی محبت بے لوث اور خالص ہوتی ہے اسی لیے ماں کا مقام بہت اونچا ہے۔ ماں رب کی طرح نرم ہوتی ہے مگر  
 اولاد کے معاملے میں فلاں کی طرح سخت ہوجاتی ہے لیکن تجھے نے کیوں جب بھی ماں سے سختی ہے تو اس کے  
 انداز و اطوار بدل جاتے ہیں؟ وہی ماں جو محبت اور چاہت کا بیکر ہوتی ہے اس سے سختی ہے سراسر اپنا غرت  
 ہے۔ وہی مگر جو اس کی بھینٹوں شفتوں اور فریادوں سے جنت ٹھہرتی جاتا ہے اس کی تاجیوں اور لڑائیوں  
 سے جہنم میں تبدیل ہوجاتا ہے۔ ماں جب بولتی ہے تو تجھے میں خشک اور چرسے پر سکرانہ ہوتی ہے۔ اس  
 بننے ہی چرسے کے ذائقے بدل جاتے ہیں۔ یوں لگتا ہے جیسے اس کی آنکھوں میں غلوں کی ایک لکڑی میں بھی  
 کی کوکڑ آوازوں میں یادوں میں مگر ہے۔ ہر بات پر روک ٹوک کتنی تھکتی فخر کے تیر اور بال کی کھال اتارنے  
 میں ماہر ہوجاتی ہے۔ جب ماں سختی تو سراسر اپنا رحمت اور غلطی چھوڑتی ہے جب ماں سختی تو رحمت سے رحمت اور  
 چھوڑنے سے صوب میں بدل گئی کیا یہی ہوتا ہے؟ اس کے روپ میں وہ اپنی بہو سے دہشت کیوں نہیں  
 کرتی جو ادا دے کرتی ہے؟ اگر کوئی کوئی توبہ ہوتی ہے۔ اس کو چاہیے کہ اپنی بھینٹوں اپنی جتنی کھانے کا اس کی  
 بیٹی کے ساتھ بھی وہی سلوک ہو۔ ان تمام ماؤں کو میرا ایک پیغام ہے جو خراسان میں ہو گیا ہیں خدا را اپنی بہو کے  
 ساتھ اچھا سلوک کریں اسے اس بھی محبت دیں وہی شفتی وہی پیادریں جو اپنی بیٹی کو دیتی ہیں تو پھر دیکھنا  
 آپ کی اپنی بیٹی اپنے سسرال میں کتنی خوش اور سکر رہے گی۔

## میں رحمت کہاں سے آتی؟

عبدالرحمن بنی آفکول

26 جنوری 2009ء کو میں نے جا کر قبر کا تو گیس کشن کے حصول کے لیے سوئی گیس آف بجوال میں  
 درخواست جمع کرائی۔ خواہش کے دار سے مختصر عرض کرتا ہوں کہ آج تین سال آٹھ ماہ پہلے میں کمر تھکے گیس  
 کشن میں جا گیا حالانکہ گیس کا پیپر سے گھر کے پاس سے گزر رہی ہے۔ میرے بعد ایک شخص نے کمر تھکے  
 کیا جو تقریباً دو سو گز کے قافلے پر جا رہا ہے مگر تشریف کی طرف سے پہلے سے پچھلے سال میرے گھر کو اس کے  
 (جو فرنٹ میں گئی کے کنارے پر ہے) گیس لائن کو اس کا سہرا لگا دیا گیا ہے اور مجھے تھکے سے بھالواں  
 سائے تین سال سے ڈالا جا رہا ہے۔ کتنے بھی گیس کا کس کا پیپر لے کر آئے ہیں مگر تھکے سے آگے آپ کا گیس لائن آگے  
 جانے کو وہاں سے پہنچائی رہا ہے اس کی تو آپ کو کشن دی گئی ہے دو سال تک یہ نہ مل سکتی کہانی سن۔ تیسرے  
 سال میں ڈیپارٹمنٹ کے سرکار کے نوادہ میں نے لیا گیا کہ یہ ڈیپارٹمنٹ کے آگے آپ کا گیس لائن لایا جائے گا۔ یہ پہلے  
 نوہر کی بات ہے جب 2007ء کا بھی آدھا سے زائد سال گزر چکا ہے اور میں ہنوز گیس کشن سے محروم ہوں۔  
 سوچتا ہوں کہاں جاؤں گیس فریاد کروں تو کون سنتا ہے؟

مدد دے گا کہ میں شادی ہے۔ "درخت دینے اور لینے والا دونوں جنتی ہیں۔"

ان مسلمانوں کو کیا ہو گیا ہے ان کے خیر مرادوں کو بچے ہیں یا یہ کچھ ہے جس میں حرام نہیں کیا تا درخت کہاں  
 سے آئے ہیں دیگر درخت کے پھیر آئے ہیں کوئی کا نہیں ہوتا۔

## ماں اور ماں

سردار اور بھائی جگجگ سدھ

ماں کا خیال آئے ہی ذہن میں بے لوث محبت چاہت اور شفقت کا احساس اجاگر ہوتا ہے۔ ماں محبت کا  
 سرچشمہ ہوتی ہے۔ محبت اپنی کائنات میں دھن بھنچاؤ کرتی ہوتی رہ کر وہ اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ماں  
 زب کا ناست کی ایک خوبصورت گھٹیا ہے جس کا کوئی نم بدل نہیں۔ محبت کا ایک حسین روپ ماں ہے۔ کسی

## محبت کی آزمائی

محمد شعیب دغا مکن کرما بھنکی

محبت کی آزمائی چاہی وہ بادی کے سوا کچھ نہیں۔ محبت آج انیسویں صدی میں خوش ہے کہ اسے حقوق  
 مل رہی ہیں، وہ مردوں کے شانہ بشانہ ملنے ہوئے کا زمزمہ کر رہی ہے مگر اسے اور انہیں نہیں کہہ رہی ہے کہ



## پسند اپنی اپنی

قارئین کے پسند کردہ اشعار ادبی ذوق کے آئینہ دار

اگر عمارتِ اقبالِ ازل کو تھما دیتا تو ہم نہ ہر دہائی  
کلی جس کے کس سے چری آرزوی کی  
بنایا جس کی صورت نے نیک دان بھگو  
وہ شاعر کا رہا خاندانِ عرفی  
رہے کا شاعرِ نرم جس کی آستان بھگو  
اگر ہم تاقی... منہ بیک شاہ کا دور  
میں مکہ بن کے قفس میں بھی پریشان ہی رہا  
رنگ بن کے بچے ہمیں نہ ہوا آیا  
خوشک زمانہ... ملک خان کرچی  
گو تم زبانی کے مارے ہیں  
پر جیتے ہوئے ستارے ہیں  
میری بھولی میں بیتے پتھر ہیں  
سب کے سب دوستوں نے مارے ہیں  
فصلِ شتائی... ام عادل کرچی  
وہ مہجرات کی ہر ایک ترقی کیا ہے  
حرف کوئی بھی لکھوں آئی کا اسم بنے  
ساجد رشتا خان... عاشق خان بھنگ  
میں تو اب نظر آ جاٹے بھی  
تری آواز پر چل رہا ہوں  
ازد شیرازی... نور امین اسلام آباد  
جہیں دیکھا تو کبھی جاں جس دن  
مجھے کیا ہو گیا تھا جانتے ہو؟  
راؤ فضل گوہر... مصباح فیض آباد  
کہیں بھی چٹ تگے مشکل نہیں ہوتے  
کہ چروں کے تو بیٹوں میں دل نہیں ہوتے  
ہمارے ساتھ ہمارے گروں میں رہتے ہیں  
وہ سانپ جن کے کہیں اپنے تل نہیں ہوتے  
غالب مہاسی... راحت خان حیدر آباد  
اُک آفت میرے بچے پڑی ہے  
سجرت میرے بچے پڑی ہے

حصہ چشم میں رقصاں مسل  
وہ صورت میرے بچے پڑی ہے  
کاٹی پڑ بان... وقایہ نجوم  
میں کسی کو برا نہیں لگتا  
برا لگتا ہے بلانا میرا  
آپ کا ساتھ لیا بھگو  
وقت اچھا کر گیا میرا  
یاد رکھنا مجھے زخاؤں میں  
بھول جانا کہ پتا میرا  
قرچا لوی... شہزاد شاہ کھاروی  
قرچا لوی نہیں تم کو خوف رسواں  
چلے ہو چاندی شب میں انہیں پائے کو  
ساجد رشتا خان... نور خان بھنگ  
میں بھی اک امید لگائے بیٹھا ہوں  
چہرے انسان بنائے بیٹھا ہوں  
شاہ شاہ... ہر کمال کلمات  
کسی شخص نہیں کسی کے لیے  
سرف بختی تو دیکھی کے لیے  
وہی دن آئے کہ لوگ اپنے  
کمر جلا میں گدھنی کے لیے  
زراچانی... عاصم خان ہزاری میانوالی  
نام جو بھی ہو شب جو بھی ہو  
قفا وہ اک شخص جب جو بھی ہو  
رقص جاری رہے تاروں سے ہو  
مسرکہ آخر شب جو بھی ہو  
گلِ بزم... شہان کورہ کوٹہ  
مری گفت ہی ممکن نہیں حقیقت میں  
مری ہنسائی ہے تیرے خیال پر جانیں  
عارف شفیق... ام حبیبہ اسلام آباد  
چہ میرا عرف کہ ہر بات ہے توں مجھے  
تھہرا شیدہ ہے الزام بولا رکھنا

وہی شاہ... ضمیر اکبر قصور  
آج تو کل یاراں میں پر ہوسر بہت  
جب بھی ثواب کے گھر کے تو یاد آؤں گا  
لوشی گیارہ... عاشق زکات کاسکو  
آگن میں بھنے پڑ کے پتے تری یادوں  
میلہ سا لگا دیتی ہیں اچھا نہیں کرکس  
ہمرا کاشی... فرحت جہاں بھگی  
غیرت عشق کو قول نہیں  
کہ تجھے بدلا کے کوئی  
زراچانی... مسلم خان باغ  
کیا کوئی خواب سنائے میرے  
دھوپ میری ہے نہ سائے میرے  
دوای خواب میں بسنے والے  
خواب تک دیکھ نہ پائے میرے  
سرجبہ دانی... فرود علی بخارہ  
رات میری ذات میں کھوسا قدرِ حقیقی ہے  
دن کے آئینے میں اک رخسارِ بیاں رات کو  
میرے اندر جاتی ہے بھجور کی ایک کرن  
میں کہاں ہوں اسے نہاںے سرچا ہوں رات کو  
امیر فراز... عمران خان کھٹ  
اسی جفا کو دُعا دو کہ اگر وہ نہ رہا  
پھر کسی ہے تم ایما دیں ہونے کے  
عارف شفیق... تجریم طاہرہ کراچی  
پھر کسی سے تعلقات ہوئے  
پھر کوئی حادثہ بنا ہوگا  
ساجد حیدر لوی... حبیب عالم شاہایت آباد  
یہ کاغذوں میں لوے کا خورشید جس میں  
ہے دفن لاکھوں غریبوں کی روح کا نوحہ  
شبیر بدر... میلہ وہاب مظفر ٹوہ  
یہاں لباس کی قیمت ہے آدمی کی نہیں  
بچے گلاس پڑے دسے خراب کردے  
وہی شاہ... کرن شہزادی ناولی پٹی  
رہے اور بات کہ گل کی طرح جیتے رہے  
وگر نہ رکھتے تھے تم بھی حراج کا نول کا

کلی جاپانی... معنی نرس بلسی  
غیر لوگوں نے کہا ہے میرے جگ کا ہزار  
اپنے لوگوں نے سر بازار سے جھٹایا  
شاہ شاہ... عدنان عبدالرشید کراچی  
پس سے جو بچے جاؤں میں آخر  
وہن میں کیا گناہ ہے ہرے ہیں  
ستم بھگلی کے کیا تھے ہم پر  
جواب ہر جاہکے ہرے ہیں  
زراچانی... جام علی بھگی  
کوئی صورت ہو دل جانی ہے  
کوئی نقش ہو اتر جانا ہے  
دل سے آگے کوئی حورا ہے نہ باغ  
تو دسے پاؤں کدھر جاتا ہے؟  
عارف شفیق... محبت شیر اکاڑہ  
پوچھتا ہے آگہ ہے آنسو کوئی بات میں  
اور وہ قلم کی نیکی ہوئی ڈولی میں ہے  
فرحت ماس شاہ... پش احمد راؤ لاکوٹ  
دیرانے بھی ہم نے دیکھے چلے پھرتے  
عاشق بھی ہائیں کرتی دھیمی ہے  
ہرین شاہ... شریا فراسٹ پیکوال  
نیز آجائے تو کیا تھپس بپا دھنوں  
آگہ کل جائے تو خباں کا سحر دھنوں  
وہی شاہ... مقصود بلوچ ناہو  
میں سارا دن بہت مصروف رہتا ہوں مگر جو بھی  
قدم چمکتے پر لکھتا ہوں تو آکھیں ہرک جانی ہیں  
شیر یازی... سلمان مرانی قلعہ  
لائی ہے اب لڑا کے گئے موسوں کی پاس  
پرکا کرتا کہ قبر ہے اور ہم ہیں دوستو!  
غالب... سید کرمان احمد کراچی  
جان میں دلی ہوئی آئی کی کمی  
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا  
نور... شہر کے ساتھ شاعر کا نام ضرور لکھیں... شاعر  
کے نام کے بغیر شامل اشاعت نہیں کیا جائے گا۔  
(اچھا رہ) پند ایلہائی



## آپ کی خبر

### سفر آخرت.....

♦ اولیٰ دنیا کی معروف و مشہور افسانہ نگار جہاد سرور بھی آخرت کی جانب عازم سفر ہو گئیں۔ قارئین سے گزارش ہے کہ ان کے لیے ڈمائے مغفرت کریں۔ ہماری بھی دعا ہے کہ اللہ رب العزت انہیں اپنے جہاد رحمت میں جگہ عطا فرمائے۔ (آمین!)

♦ معروف شاعر سعد اللہ شاہ اور ثناء اللہ شاہ کی والدہ ماجدہ گزشتہ ماہ اپنے خالق حقیقی سے جا ملیں۔

♦ معروف شاعر راشد ترین کی کنز بھی گزشتہ ماہ زمین کا رزق ہو گئی۔ ادارہ اہل خانہ کے لیے ممبر کی دعا کے ساتھ ان کے گم میں ہمراہ کا شریک ہے۔ ہماری دوست گھمادی سمدھ اور علی کے کنز حاضر شہزاد قادیان جن کی عمر صرف 28 سال گئی تھانے اہلی سے اللہ تعالیٰ کو پیارے ہو گئے۔ لواحقین میں تین چھوٹے چھوٹے معصوم بچوں کو چھوڑ گئے۔ بچی کہانیاں کے تمام اسٹاف اور بڑے مٹے والوں سے گزارش ہے کہ ان کے لیے مغفرت کی دعا کریں۔

♦ ہماری مستقل قاری کوثر سعید کی کنز گزشتہ ماہ اللہ کو پیاری ہو گئیں۔ اللہ پاک ان کے درجات بلند کرے اور جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے۔ (آمین!)

♦ ہمارے دوست گھمادی رانا محمد شہب کی چند دن کی بھائی 8 اگست کو اپنے خالق حقیقی سے جا ملی۔ ادارہ ان کے گم میں ہمراہ کا شریک ہے۔ بچوں کے معروف ادیب اور شعبہ تعلیم سے وابستہ جانی بیگم کی شخصیت پروفیسر عریف خان

گزشتہ دنوں زمین کا رزق ہوئے۔ ادارہ اہل خانہ کے لیے ممبر کی تحن کے ساتھ ان کے گم میں ہمراہ کا شریک ہے اور مرحوم کی مغفرت کے لیے دعا گو ہے۔

### سُرس دعا چاہیے.....

♦ ہماری دوست گھمادی نرہت جیسی فیاض شہر پچھلے دنوں ایک آغوش کی چٹاری کا مظہر ہو گئے۔ ہم ان کی صحت کے لیے دعا گو ہیں اور قارئین سے فیاض صاحب کی صحت کی اپیلی کی جاتی ہے۔

### سُرس مبارک سلامت.....

♦ ہمارے ہر پڑوسر گھمادی اور ادارے کے درمیان سہمی اختر شاپ نے ماہِ حج میں اپنی شادی کی سطور جوڑی مٹی۔ ادارہ اختر بھائی اور ان کی بیٹی کی صحت و تندرستی اور درازنی عمر کے لیے دعا گو ہے۔

♦ ہمارے دوست شاعر اور مشق زاد جیسی اعلیٰ شاعری کے مجموعہ کے خالق فیاض شہب کی سالگرہ 14 اگست کو منائی گئی۔ ادارہ فیاض شہب کی صحت اور درازنی عمر کے لیے دعا گو ہے۔

### سالگرہ کا دن آیا ہے.....

♦ ہمارے دوست گھمادی اور مستقل قاری اہم سعید انور سعید کے بیٹے حافظہ مر قادیان سعید کو 23 اکتوبر کو اپنی اسی سالگرہ کی سالگرہ کی بہت بہت مبارکبادیں اللہ پاک ان کی زندگی میں بہت زیادہ خوشیاں اور کامیابیاں دے۔ (آمین!)

♦ ہماری ہر پڑوسر سہمی رضوان گزشتہ دنوں حسن بھائی کو 14 اکتوبر سالگرہ اور شادی کی سالگرہ مبارک ہو۔ ادارہ حسن کی درازنی عمر و صحت

کے لیے دعا گو ہے۔

### اعزاز.....

♦ بچی کہانیاں کے قلم کار ارباب قربان علی امیری کو مسرور عظیم پاکستان چلڈرن رائلٹز کانٹریکٹ کی جانب سے ان کی ادبی صلاحیتوں کی تعریف کے طور پر ادبی خدمات پر اعزاز اور تحفہ پیش کیا گیا ہے۔ ادارہ اس کامیابی پر قربان علی امیری کو مبارکباد پیش کرتا ہے۔

### کتاب خبر.....

♦ ہمارے دوست شاعر خالد صغین کی خوبصورت شاعری سے سجا چھٹا مجموعہ "کام" نامی کتاب کے نام سے شائع ہو کر ادب کی دنیا میں داد و تحسین سمیٹ رہا ہے۔ ادارہ خالد صغین کو ان کی کتاب کی شاعت پر مبارکباد پیش کرتا ہے۔

### مشکل کی گھمادی.....

♦ ہماری بہت پیاری رائلٹز اور ہمارے ادارے کی درمیان سہمی صغین سلطانہ علی ان دنوں شدید مشکلات کا شکار ہیں۔ حالیہ بارشوں اور سیلاب نے سندھ کے دوسرے شہروں کی طرح جنگب آباد میں بھی چٹائی چٹائی ہے اور بڑا دن افراسی سے متاثر ہوئے ہیں۔ صغین بھی ان متاثرین میں شامل ہیں۔ طوفانی بارش نے ان کے گھر کو شدید نقصان پہنچایا ہے اور وہ تین مکانی کر کے کرائی آئے ہیں۔ مجبور ہیں۔ ہم دعا گو ہیں کہ آرائش کی اس گھمادی میں خدا ان کا حامی و ناصر ہو اور جلد از جلد انہیں اس مشکل سے نجات عطا فرمائے۔ (آمین!)

### "آپ کی خبر" کا حصہ بننے کے لیے

تمام رائلٹز اور قارئین بلا جھجک اپنی خبریں ادارے کو بھیج سکتے ہیں۔



کاشی چوہان

نو جوان شاعر کاشی چوہان کا خوبصورت شاعری سے سجا مجموعہ کام۔

### شائع ہو چکا ہے



### کتاب ملنے کا پتا

- 1- فرید پبلشرز اردو بازار کراچی۔
- 2- البلال اردو بازار کراچی۔
- 3- سٹی بک پوائنٹ اردو بازار کراچی۔

### دائیں کے لیے

0307-2080980  
0345-2540616

## عذاب



اور جب عذاب خداوندی نازل ہوتا ہے تو گناہ گاروں کے ساتھ ساتھ بے شمار بے گناہ بھی اس کی لپیٹ میں آجاتے ہیں۔ یہ سیلاب عذاب ہی تو تھا۔ یہ قہر خداوندی کی ایک ہلکی سی جھلک تھی کہ ہم سب راہ راست پر آجائیں لیکن کیا ہم راہ راست پر آگئے؟ کیا ہماری قوم نے برائیوں سے توبہ کر لی؟ کیا ہم نے علاقائی تعصب، رشتہ ستانی، جھوٹ، سفارش، ملاوٹ، چور بازاری اور اقربا پروری چھوڑ دی ہے؟ صد حیف کہ ایسا نہیں ہوا۔ ہم تو اتنے بے حس ہو چکے ہیں کہ دوسروں کی جانیں اور بربادی سے بھی اپنے مفاد کی کوئی راہ نکال لیتے ہیں۔ ہم نے سیلاب کو بھی اپنے مفادات کے لیے استعمال کیا۔ پچھلے دنوں اخبارات میں کچھ ایسی خبریں بھی شائع ہوئیں کہ کچھ بے ضمیر اور بے حس لوگ ”اٹھاری فٹ“ بھی اپنی ذات کی تعمیر نو اور اپنے خاندانوں کی ”فلاح و بہبود“ کے لیے استعمال کر رہے ہیں سیاست کی دکان چکانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ یہ سب کیا ہے؟ صرف حکومت کا ہی نہیں ہم سب کا فریضہ ہے کہ امانت میں خیانت نہ ہونے دیں۔ لئے پٹے اور خانہاں برباد لوگوں کی آیا اللہ تعالیٰ کے عرش کو بلا دیتی ہے۔ ایسا نہ ہو کہ قہر خداوندی ہمیں نیست و نابود کر دے۔ ہم سب کی نیکی کوشش ہونا چاہیے کہ اس سیلاب کو تباہ حال لوگوں کے لیے ”عذاب“ میں تبدیل نہ کریں اور حق داروں تک ان کا حق و پامنداری اور ڈسے وادری کے ساتھ پہنچائیں۔

ہام مرزا مرحوم نے یاد دہانی کی کہ اپنا دل دھڑکاتا رہے اور گناہوں کا محاسب بھی؟